TIGHT BINDING BOOK

TEXT FLY WITHIN THE BOOK ONLY

UNIVERSAL
LIBRARY
OU_188071
UNIVERSAL
LIBRARY

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

Call No. ۹۴۲ Accession No. ۵۷۰۴

Author م۔ د

Title دعاوی برطانیہ خلاف جرمنی

This book should be returned on or before the date last marked below.

دعاوئے برطانیہ خلاف جرمنی

مصنفہ

پروفیسر رمزے میور صاحب

Germany

مترجمہ

رائے بہادر کنج بہاری تھاپر

سنہ ۱۹۱۵ء

مطبوعہ جارج سٹیم پریس لاہور

دعاویٔ برطانیہ خلافِ جرمنی

دعاوئ برطانیہ خلافِ جرمنی

(جرمنی کی سنہ ۱۹۱۴ء کی کارروائی کے تاریخی واقعات کی محققانہ تنقید)

مصنّفہ

عالیجناب پروفیسر ریمزے میور صاحب پروفیسر ماڈرن ہسٹری
منچسٹر یونیورسٹی

مترجمہ

رائے بہادر کُنج بہاری تھاپر

جملہ حقوق محفوظ ہیں

تاسع
ر ۲ ز

مضامین

عرض حال

دیباچۂ مصنّف

پہلا باب ۔ ۱۹۱۴ء کا موسمِ گرما

دوسرا باب ۔ جرمنی کے سیاسی مسائل

تیسرا باب ۔ جرمنوں کے دو رُخ

چوتھا باب ۔ پرشیا کس طرح جرمنی پر حکمران ہے؟

پانچواں باب ۔ جرمنی کا جدید طریق عمل

چھٹا باب ۔ جبر و اقتدار کے اصول کا نعم البدل

عرضِ حال

یورپ کی عالمگیر اور خونفشاں جنگ جس میں اب تک لاکھوں آدمی شمشیر و سنگین اور توپ و بندوق کی نذر ہو چکے ہیں۔ لاکھوں گھر اور خاندان ویران اور سینکڑوں شہرو قصبات بے چراغ ہو گئے ہیں۔ جس کے یتیموں۔ بیواؤں اور مصیبت زدوں کی تعداد بھی شہیدوں کی تعداد سے المضاعف ہے۔ جس نے مصروفِ جنگ ممالک اور اقوام کو تباہ و برباد ہی نہیں کیا۔ بلکہ باقی دُنیا کو بھی سخت حیران کر دیا ہے۔ یہ جنگ شروع کس نے کی؟ اس کے ابتدا کا باعث کون ہوا؟ کون فریق حق بجانب ہے؟ کس کا پہلو اخلاقاً راستی پر ہے؟ یہ ایسے سوالات ہیں۔ جس کا جواب سُننے اور جاننے کا ہر فردِ بشر مشتاق اور خواہش مند ہے۔ ان سوالات کا جواب دینے کے لئے یوروپین مُصنفوں نے تو اِتنا لٹریچر بہم پہنچا دیا ہے۔ کہ اُسے اِنسان ساری عمر پڑھتا جائے تو ختم نہیں ہوتا۔ لیکن اِس سے ہندوستان کی اُردو خواں پبلک انگریزی سے نا محرم ہونے کے سبب کوئی فائدہ نہیں اُٹھا سکتی۔ اور ہندوستان کی اِقتصادی حالت بزور تقاضا کرتی ہے۔ کہ اُردو خواں پبلک کے مطالعہ کے لئے جو کتاب جنگ کے مذکورہ بالا پہلوؤں پر روشنی ڈالنے کی غرض سے شایع کی جائے۔ وہ بجائے خود جامع اور مکمل ہونے کے ساتھ ہی معتبر اور پھر قیمت کے

لحاظ سے بھی ایسی ارزان ہو - کہ ہر کوئی اُسے خرید سکے۔
اور ہر کس و ناکس اُس سے فائدہ اُٹھا سکے - اِس لئے
راقم مترجم نے مناسب سمجھا - کہ کسی ایسی معتبر انگریزی کتاب
کا ترجمہ اردو میں شایع کر دیا جائے جو ہمہ صفت موصوف
ہو - چنانچہ اِس مطلب کے لئے اُسے جو کتاب سب سے بہتر
نظر آئی - وہ مانچسٹر یونیورسٹی کے زمانہ حال کی تاریخ کے فاضل
پروفیسر ریمزے میور کی تصنیف "دعاوئ برطانیہ خلافِ جرمنی"
Britains case against Germany تھی - کیونکہ پروفیسر
میور کا نہ صرف طرزِ بیان ایک غیر جانبدار مورّخ کا سا ہے
بلکہ ان کا طریقِ اِستدلال بھی ایسا معقول اور منطقانہ ہے۔
کہ ہر شخص اس کا قائل ہو جاتا ہے - اور کوشش کی گئی ہے
کہ اس کے ترجمہ میں مصنّف کی سپرٹ اور استدلال کو پورے
طور پر قائم رکھنے کے ساتھ ہی اُسے سلیس اور عام فہم بھی
ویسا ہی رکھا جائے - جیسا کہ اصل تصنیف ہے - اُردو خواں
پبلک کو ایسے قیمتی معلومات کے لئے پروفیسر صاحب کا شکریہ
ادا کرنے میں مترجم کے ساتھ شامل ہونا چاہیئے - جنہوں نے
مترجم کی تحریک پر بلا کسی معاوضہ کے اپنی قیمتی کتاب کو اردو
میں ترجمہ کرنے کی اِجازت دے دی - بلکہ اجازت بھی بذریعہ
تار عنایت فرمائی - تاکہ کتاب کے ترجمہ اور اشاعت میں تاخیر
نہ ہو - اور یونیورسٹی پریس مانچسٹر بھی خاص شکریہ کا مستحق
ہے - جس نے کہ پروفیسر موصوف کی کتاب کو شائع کیا تھا -
اور جس نے مترجم کو ترجمہ شائع کرنے کی اجازت دیدی ہے۔
جس نیک ذات نے مترجم کی اس خواہش و اِرادے کو خاص

طور پر تقویت دی - وہ شمالی ہند کے راج رشی ہز ہائینس مہاراجہ صاحب بہادر والئ جموّں و کشمیر ہیں - میجر جنرل ہز ہائینس سر پرتاپ سنگھ اندر مہندر بہادر سپرِ سلطنت جی - سی - ایس - آئی جی - سی - آئی - ای والئ جموّں و کشمیر کو گورنمنٹ برطانیہ کے تاجدار دوست کی حیثیت سے جو خلوص و ارادت اور محبت و عقیدت تاج برطانیہ سے ہے اس کا اظہار آپ نے ہر موقعہ پر کمال کشادہ دلی اور ایثار و وفا سے کیا ہے - پچھلے واقعات کا اعادہ سعی لا حاصل ہے - حال میں یورپ کی عالمگیر جنگ میں آپ نے برطانیہ کی اعانت میں سپاہ - سامان اور سرمایہ اِس کثرت سے بہم پہنچایا ہے - جو آپ کی شان اور رُتبہ کے عین مطابق ہے - اور یہ ہز ہائینس کی علم دوستی کا تقاضا ہے - کہ جہاں آپ نے جنگ میں عملی حصّہ اور حمایت کے لئے سپاہ سامان اور سرمایہ سے دریغ نہیں کیا - وہاں ایک علمی اعانت بھی ضروری سمجھی ہے - اور راقم اِس مختصر سے نسخہ کے اُردو خوان پبلک تک پہنچنے کا اصلی باعث ہز ہائینس مہاراجہ صاحب موصوف کو سمجھتا ہے - اور آپ کا بدل مشکور و ممنون ہے +

گنج بہاری تھاپر
لاہور
مئی ۱۹۱۵ء

دیباچۂ مُصنّف

ایک عظیم جنگ کے دَوران میں بالکل غیر جانبدار اَور بے تعلق رَوش قایم رکھنا مُشکل ہے۔ تاہم میں نے اِس مختصر نسخہ میں کوشش کی ہے۔ کہ واقعات کو اصلی رنگ میں دیکھا جائے۔ اور اُن پر کسی قسم کا رنگ نہ چڑھایا جائے۔ میرا اصلی مدّعا صرف یہ ظاہر کرنا ہے۔ کہ جس عظیم مقصد کے لئے اب ہم جنگ کر رہے ہیں وہ کوئی نئی چیز نہیں۔ اور ریاست ہائے بلقان کی مصلحتانہ مشکلات سے یک بیک پیدا نہیں ہوگئی۔ بلکہ وہ اُس زہر کا نتیجہ ہے۔ جو دو صدیوں سے زیادہ عرصہ سے نظامِ یورپ میں سرایت کر رہا ہے۔ اور اِس زہر کا منبع و ماخذ پرشیا (جرمنی) ہے۔ چنانچہ میں نے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے۔ کہ (۱) ۱۹۱۴ء کی جرمنی کی کارروائی اُس بین الاقوامی سیاسی خیال کا نتیجہ ہے۔ جو اُنیسویں صدی کے وسط سے اہلِ جرمنی کے دلوں پر مسلّط ہو چکا ہے۔ (۲) یہ خیال سلطنت پرشیا کی ڈھائی سو سال کی روایتی پالیسی کا نتیجہ ہے۔ (۳) اِس کا مدّعا اس عظیم تر اور شریف تر معراج کے خلاف جنگ کرنا تھا جو کہ گوئٹے Goethe شٹائن Stein اور ڈہل مان Dahlmann کے زمانہ کی جرمنی کا معراج تھا۔ اور بسمارک کی پرشین پالیسی کی چکا چوند کر دینے والی کامیابی نے اِس خیال کی کامیابی کو ممکن بنایا ہے (۴) جدید سلطنت جرمنی کا نظام و ترتیب ایسی ہے۔ جس سے باقی تمام جرمنی پر

پرشین فوجی مطلق العنانی اور پرشین خیالات اور طریقوں کا تسلط یقینی ہو گیا ہے۔ اور (۵) پچھلی چوتھائی صدی کے دوران میں اس سلطنت کی پالیسی ابتدائی زمانہ کی کارگذاریوں کا قدرتی نتیجہ ہے۔ اور ۱۹۱۴ء کی ہولناک جنگ سے اپنے انتہائی عروج کو پہنچی ہے ٭

لیکن میں نے یہ ظاہر کیا ہے۔ کہ پرشین خصلت جرمن سلطنت اور اس کے جبر و اقتدار کے مہلک عقیدہ کے با وجود باقی مہذب دنیا میں وہ بہت ممتاز اور دانشمندانہ طریقہ ترقی کرتا رہا ہے۔ جس سے کہ بین الاقوامی تعلقات نباہے چلنے چاہئیں۔ یہ پہلو جو طاقت میں متواتر ترقی کرتا رہا ہے۔ یورپ کے چھوٹے کی نشو و نما۔ چھوٹی ریاستوں کی حفاظت کے عہد ناموں کی قائمی اور اُس مجموعی شاندار تحریک کی صورت میں نمودار ہوا ہے جس نے ۱۸۹۹ء سے ۱۹۱۰ء تک کی ہیگ کانفرنسوں کو نصف النہار پر پہنچا دیا ہے۔ جرمنی ہمیشہ اس تمام تحریک کا سخت دشمن رہا ہے۔ اور برطانیہ ہمیشہ اِس کا سب سے زبردست اور صادق حامی رہا ہے ٭

سلطنت برطانیہ اور وہ تمام باتیں جن کی وہ استقلال اور سرگرمی سے تائید و حمایت کرتی ہے۔ ہم معقولیت سے دعوے کر سکتے ہیں۔ کہ در حقیقت جرمنی عقیدہ کے بالکل برعکس ہیں۔ سلطنت برطانیہ سیلف گورنمنٹ اور آزادی میں عقیدہ رکھتی ہے۔ اور خلاف ازیں جرمنی کا عقیدہ فوجی مطلق العنانی اور سخت آئین و ضابطہ میں ہے۔ سلطنت برطانیہ امن کو پسند کرتی ہے۔ اِس کے خلاف جرمنی جنگ کا تمنا خوان ہے۔ برطانیہ

کا یقین ہے۔ کہ سلطنت کے اصلی مقاصد آزادی اور انصاف ہیں۔ برخلاف ازیں جرمنی طاقت کے اصول میں یقین رکھتا ہے۔ اور اہلِ جرمنی برطانیہ کی ہر ایک چیز کے خلاف غیر معمولی منافرت ظاہر کرتے ہیں۔ شاید اس کے اسباب میں یہ عقائد کا تضاد بھی بیان کیا جائے۔

ہم طاقت کے لئے نہیں لڑتے۔ حتٰے کہ قومی ہستی کے لئے بھی نہیں لڑتے۔ اگرچہ جرمنی کی فتح سے وہ خطرے میں ضرور ہو گی بلکہ یہ قومی عقائد کا تضاد ان تمام عمیق ترین اور بالا ترین اُمور کے لئے جد و جہد ہے۔ جن کے لئے ممتاز ترین انگریز زمانہ ماضی میں جان توڑ کوششیں کرتے رہے ہیں۔ اور وہ امور حسب ذیل ہیں۔ آزادی۔ چھوٹی قوموں کے حقوق۔ بین الاقوامی عزت۔ برابر کی اور باہمی عزت کرنے والی سلطنتوں کے مابین باامن اور دوستانہ تعلقات۔

میں نہیں سمجھتا۔ کہ ایسے مقصد کے لئے کوئی اہل برطانیہ جس کی عمر فوجی خدمات کے قابل ہو۔ اپنی خدمات جنگ کے لئے پیش کرنے میں ایک لمحہ کے لئے بھی تامل کرے گا۔ اُس جد و جہد میں جہاں کہ ہماری ہر ایک عزیز اور پیاری چیز خطرے میں ہے۔ ہمیں اِس بات پر زور دینے کی ضرورت نہیں۔ کہ ہمیں ساری طاقت مقابلہ میں خرچ کر دینی چاہیئے۔ اگر ہم ہار گئے۔ تو سب کچھ کھو بیٹھیں گے۔ اگر جیت گئے۔ اور یہ فتح صرف ہمارے حلیفوں کی بدولت ہوئی۔ اور ہم نے اِس جھگڑے میں کم از کم برابر کا حصہ نہیں لیا۔ تو برطانیہ کی عزت دائمی ہو جائے گی۔

اِس کتاب کی ردیف مس جے۔ ایم۔ پوٹر J. M. Potter

ایم - اے نے تیار کی ہے - اور پروف خوانی کے لئے میں پروفیسر ٹوٹ کا مشکور ہوں - لیکن کتاب ایسی تعجیل میں تیار کی گئی ہے کہ ممکن ہے - کہ کوئی غلطی ان کی نظر سے بھی بچ رہی ہو +

مانچسٹر
[illegible]

آر - ایم

دعاویٔ برطانیہ خلافِ جرمنی

پہلا باب

۱۹۱۴ء کا موسمِ گرما

۱۹۱۴ء کی عالمگیر جنگ اب تک کبھی دنیا کی مہذب ترین انسانی جماعتوں کے لاکھوں بہترین افراد کو قتل یا بے دست و پا کر چکی ہے۔ اور ابھی اس کی ابتدا ہے۔ جنگ کے علاقہ میں اس کی بدولت لاکھوں بے گناہ مرد عورت اور معصوم بوڑھے۔ بچے ناقابلِ ذکر مصائب۔ قتل۔ اذیت۔ ظلم۔ لوٹ۔ فاقہ افلاس اور مایوسی کا شکار ہو چکے ہیں۔ جنگ نے دُنیا کے بعض نہایت ہی فرخندہ اور خوشحال علاقوں کو ایسا ویران اور برباد کر دیا ہے۔ کہ جو راحت انہیں اوائل گرما ۱۹۱۴ء میں حاصل تھی۔ اُسے بحال کرنے کے لئے کئی سال بلکہ کئی پشتیں لگیں گی۔ جنگ نے بہت سی نہایت ہی قدیم اور تہذیب کی قیمتی یادگاریں اور عبادت گاہیں بے دردی سے تباہ کر دی ہیں۔ جو کہ صدیوں تک سخت سے سخت طوفانوں میں بھی جنبش کے بغیر کھڑی رہیں۔ بے شمار قیمتی چیزیں جو انسانی محنت نے صدیوں کی شاق محنت سے تیار کی تھیں۔ برباد

ہو گئیں - جہاز غرق کئے گئے - گھر جلائے گئے - کارخانے اور کانیں
تباہ ہوئیں - دنیا کی صنعت و تجارت تہ و بالا ہو گئی - ہر جگہ
حتّٰے کہ جو ملک شاملِ جنگ نہیں ہوئے - اُن میں بھی محنت
مزدوری کرنے والے لوگ غیر ضروری سختیوں سے خستہ حال ہو
رہے ہیں - جو ملک معرکہ آراء ہیں وہ سب اور بعض ایسے
ممالک بھی جو شاملِ جنگ نہیں ہوئے بالکل بے سُود
اخراجات سے نا قابلِ برداشت قرضہ کے زیر بار ہو رہے
ہیں - اور یہ بھاری بوجھ نسلوں تک عوام النّاس خصوصاً
غرباء کو زیر بار رکھے گا - اور اُن کے حالاتِ زندگی کو بہتر
بنانے کے کام اور رفتار کو نہایت سُست رکھے گا - قصہ
کوتاہ اِس جنگ نے یورپین تہذیب کی ترقی کو شاید پشتہا
ہا پشت کے لئے پیچھے ڈال دیا ہے - اور جد و جہد کا آخری
نتیجہ چاہے کچھ ہی ہو - لیکن جنگ اپنے پیچھے اقوام کے
مابین باہمی منافرت کا زہر ضرور چھوڑ جائے گی - جو کئی
پُشتوں تک اپنا اثر قایم رکھے گا - اور باہمی اعتبار و محبّت
کے رشتہ کو جس پر کہ یورپ کا نظام معقولیت اور استحکام
سے قایم رہ سکتا ہے - بالکل نا ممکن بنا دے گا - مگر یہ
سب کچھ کس مطلب کے لئے ؟

اِس وقت ہر ایک انگریز فرانسیسی - بلجی اور رُوسی قریباً ہر
ایک اطالوی اور امریکن - حتّٰے کہ بعض جرمن اور بہت سے
آسٹروی بھی یا مختصر الفاظ میں یوں کہنا چاہیئے - کہ نسلِ
انسان کے بہت بڑے حصّہ کا جو کہ اِس معاملہ پر رائے
دے سکتا ہے یہ عقیدہ ہے - کہ اس تمام بے سُود انسانی

خونریزی اور تباہی کی ذمہ داری زیادہ تر جرمن حکمرانوں اور کسی حد تک اسٹریا کے حکمرانوں پر آتی ہے۔ اور دوسرے درجہ پر جرمن پبلک کے ذہنی لیڈروں یعنی اخبار نویسوں۔ مدبّروں اور پروفیسروں پر بلکہ پروفیسروں پر بالخصوص عائد ہوتی ہے۔ جنہوں نے ایسی عام رائے پیدا کی۔ جس سے کہ اُن کی گورنمنٹ اس قسم کے کام پر آمادہ ہو سکی۔ اگرچہ یہ عقیدہ با دلِ ناخواستہ قایم ہؤا ہے۔ اور بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں۔ جو اس بات پر یقین لانے سے اس وقت تک محترز رہے ہیں۔ جب تک کہ واقعات نے انہیں قائل نہیں کر دیا۔ کیونکہ ان کے لئے یہ باور کرنا مشکل تھا۔ کہ ایک عظیم قوم کے لیڈر جو کہ فلسفہ موسیقی اور علم کی اور بہت سی شاخوں میں دنیا کی رہنمائی کرتے رہے ہیں۔ وہ اپنی ہی روح کو ایسا زہریلا بھی بنا سکتے ہیں کہ وہ ایسے فعل کی تائید کرے۔ اور ان جرایم کی مرتکب ہو۔ جو کہ اِس زہر کا لازمی نتیجہ ہیں۔

اس جنگ کا گنہگار جرمنی کو سمجھنے کے متعلق اِس وقت دنیا کے بہت بڑے حصّے کا جو یقین ہے۔ اس کا خلاصہ ذیل کے چند فقروں میں بیان کیا جا سکتا ہے۔ اور اگر نہیں بہ حیثیت مجموعی لیا جائے۔ تو یہ ایک سنگین الزام کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔

(۱) اصل باعث یعنی اسٹریہ۔ سرویہ کا سوال جس سے جنگ شروع ہوئی ہے۔ اگر تمام بڑی بڑی سلطنتیں اِس کا فیصلہ کرنا چاہتیں۔ تو بہ آسانی تصفیہ ہو سکتا تھا۔ بلکہ عملی طور پر تصفیہ ہو رہا تھا۔ لیکن جرمنی جس کا براہِ راست اِس معاملہ

سے کوئی تعلق یا واسطہ نہیں تھا۔اُس نے خواہ مخواہ مداخلت کی۔جس سے ایک عالمگیر شعلہ بھڑکنا لازم ہو گیا۔اِس لئے جنگ کا ذمّہ وار جرمنی ہے۔

(۲) جرمنی کا ارادہ پہلے ہی ایک جارحانہ جنگ کرنے کا ضرور تھا۔اور اگر یہ جنگ آسٹریا سرویہ کے معاملہ پر نہ ہوتی تو کسی اور بات پر ہو جاتی۔کیونکہ جرمنی اِس سال یا اگلے سال جنگ کرنے کے لئے تلا ہؤا تھا۔چنانچہ اُس کی تمام کارروائی سے اِس اِرادے کا پتہ چلتا ہے۔صلح اور امن کے پردے میں اُس نے جنگ کی مکمل تیاری کی ہوئی تھی۔اور اُس کی خواہش یہ تھی۔کہ جنگ کر کے ان تمام طاقتوں کو جو اِس وقت اس کے خلاف لڑ رہی ہیں۔تباہ یا ناکارہ کر دے اور اگرچہ اِن طاقتوں سے فرداً فرداً لڑنے کو جرمنی پسند کرتا۔اور اُسے امید بھی ایسی ہی تھی۔کہ ہر ایک طاقت سے الگ الگ جنگ ہوگی۔تاہم اُس نے انتظام ایسا کیا ہؤا تھا۔کہ سب طاقتوں سے ایک ساتھ ہی لڑائی کی جا سکے۔

(۳) ابتداء جنگ سے جرمنی نے بجائے خود ایسا طریقہ اختیار کیا۔جس سے معلوم ہوتا ہے۔کہ موجودہ حکمرانوں کے ماتحت اس سلطنت کی کوئی عزّت یا غیرت نہیں ہے۔اور وہ ایسی سلطنت ہے۔کہ اگر اس کی خواہش میں خود اُس کے عہد و پیمان کسی طرح حارج و مانع ہوں۔تو اُن کی بھی مطلق پرواہ نہیں کرتی۔اور یہ ایسی بات ہے۔کہ جب تک جرمنی کا

نظام حکومت بالکل بدل نہ ڈالا جائے۔ کوئی شخص اُس کے ساتھ عہد و پیمان کا رشتہ ہی نہیں رکھ سکتا۔ اور جرمنی نے جنگ بھی ایسے وحشیانہ اور ظالمانہ طریقہ پر کی ہے۔ جس کا بدل جدید اصول جنگ میں ڈھونڈے سے نہیں ملتا۔ حتیٰ کہ جرمنی نے ان تمام اہم بین الاقوامی قوانین کو پامال کیا ہے۔ جن کو خود پہلے اُس نے منظور و تسلیم کیا تھا۔ اور ان قوانین کی خلاف ورزی سے وہ تمام ترقی بے معنی ہو گئی ہے ۔

یہ اتہام ایسا سنگین ہے۔ کہ اسے واقعات سے پورے طور پر ثابت کرنا نہایت ضروری ہے۔ اِس لئے ہم اپنے مضمون کو اس طرح شروع کرتے ہیں۔ کہ پہلے مذکورہ بالا تینوں اُمور کے متعلق حتی الامکان اختصار کے ساتھ شہادت پیش کریں۔ خواہ ہمیں اِس غرض کے لئے روندھی ہوئی زمین پر سے ہی گذرنا پڑے شہادت پیش کرنے کے بعد ہم اِس بات کی تحقیقات کرنے کے قابل ہو سکیں گے۔ کہ جن خیالات کی بدولت یہ جنگ چھیڑی گئی ہے۔ وہ حکمرانوں اور جرمن قوم میں کہاں تک پھیلے ہوئے ہیں اور یہ خیالات جرمن تواریخ میں کہاں تک جاگزین ہیں۔۔ اور جرمنی کی موجودہ پالیسی میں وہ کیونکر نمودار ہوئے؟ نیز اُن کے متقابل کونسے خیالات ہیں۔ جو کہ قومی عزت۔ ترقی اور تہذیب کے لئے ضروری ہیں۔ جن کے خلاف جرمنی اِس وقت سختی سے معرکہ آرا ہے ۔

(۱) جرمنی نے دیدہ دانستہ جنگ چھیڑی ہے۔

جب ۲۳- جون ۱۹۱۴ء کو ولیعہد آسٹریا ایک سروین کے ہاتھ سے قتل ہوا۔ تو آسٹریا کا اہل سرویہ کے خلاف بھڑکنا اور یہ نتیجہ نکالنا بالکل قدرتی بات تھی۔ کہ اونہوں نے جرم کرایا ہے۔ اور اگر آسٹریا سرویہ سے یہ مطالبہ کرتا تو بھی بالکل جایز تھا۔ کہ وہ اس جرم سے نہ صرف بے واسطگی ظاہر کرے۔ بلکہ جن لوگوں کا اس جرم میں ہاتھ ہے۔ اُن کا سراغ لگائے اور انہیں سزا دے۔ اور سرویہ کے ایسا نہ کرنے کی صورت میں اگر آسٹریا اس کو سزا دیتا۔ تو بھی کوئی شخص آسٹریا کے اِس فعل کو نامعقول نہ سمجھتا ؛

مگر آسٹریا کی گورنمنٹ نے یہ طریقہ اختیار نہیں کیا۔ بلکہ ایک مہینہ تک وہ در پردہ جرم کی تفتیش و تحقیقات کرتا رہا۔ اور اس نے جرمنی کے سوا کسی سلطنت حتّی کہ اپنے حلیف اٹلی کو بھی اس بات کی اطلاع نہیں دی۔ کہ وہ کیا کار روائی کرنا چاہتا ہے۔ اور منتظر رہا۔ کہ تمام سفیر تعطیلات کی وجہ سے غیر حاضر ہو جائیں۔ تا کہ وہ مداخلت نہ کر سکیں اگر سفراء کو معلوم ہوتا۔ کہ کوئی نا مسعود گھڑی آنے والی ہے۔ تو وہ شاید ایسے وقت غیر حاضری بھی نہ کرتے۔ مگر انہیں اِس بات کا کوئی علم نہیں تھا۔ اِس لئے تعطیلات میں آسٹریا کے صدر مقام سے غیر حاضر ہو گئے۔ اور آسٹریا نے ۲۳- جولائی ۱۹۱۴ء کو سرویہ کو اِس قسم کا الٹی میٹم (جنگ کا نوٹس) دے دیا۔ جس کی نسبت سر ایڈورڈ

گرے (انگلستان کے وزیر خارجیہ) نے جنہیں اُس وقت آسٹریا کے ساتھ بہت ہمدردی تھی۔ فرمایا تھا۔ کہ "آج تک ایسی سخت تحریر کسی سلطنت نے دوسری خود مختار سلطنت کو نہیں بھیجی۔ اور اِس تحریر میں جو مطالبات پیش کئے گئے ہیں۔ اُن میں کم از کم ایک مطالبہ ایسا سخت ہے جس کے تسلیم کر لینے سے سرویہ کی خود مختاری ہی قایم نہیں رہ سکتی" اور اِن سخت اور بے جا مطالبات کے ساتھ جن میں قتل کا ذمہ دار صریحاً گورنمنٹ سرویہ کو قرار دیا گیا تھا۔ اپنے دعوے کی تائید میں ثبوت ایک بھی پیش نہیں کیا۔ اور سرویہ سے خواہش کی گئی تھی۔ کہ اڑتالیس گھنٹے میں اِن مطالبات کو منظور کرے۔ ورنہ جنگ کے لئے تیار رہے ؛

جرمنی کے سوا تمام سلطنتوں کے سفیروں نے آسٹریا پر زور ڈالا۔ کہ اگر یورپ کو جنگ کی آگ سے بچانا مقصود ہے تو مہلت زیادہ دینی چاہئے۔ مگر آسٹریا نے نہ صرف وقت دینے سے اِنکار کیا بلکہ ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا۔ کہ سرویہ کے معاملہ میں وہ کسی سے بات چیت نہیں کرے گا۔ اس کے با وجود اِنگلینڈ۔ فرانس اور روس نے سخت کوشش کی۔ کہ سرویہ حتےٰ الامکان جھک جائے۔ حالانکہ روس کے لئے یہ بات نہایت ناگوار تھی۔ اور سرویہ نے بھی الٹی میٹم کی مہلت کے اندر آسٹریا کو نہایت عاجزانہ اور صلح جویانہ جواب بھیجا۔ جس میں اُس نے دو کے سوا آسٹریا کے باقی تمام مطالبات منظور کر لئے۔ اور اِن دو کے متعلق بھی لکھا۔

کہ اِن کا فیصلہ ثالث سے کرا لیا جائے ؟

کسی خود مختار سلطنت نے آج تک دوسری سلطنت سے اِتنی عاجزی کا اِظہار نہیں کیا۔ جتنا کہ سرویہ نے اِس موقعہ پر آسٹریا سے کیا۔ اور وہ جہاں تک آسٹریا کے مطالبات کو تسلیم کر سکتا تھا یا جو کچھ آسٹریا معقولیت کے ساتھ سرویہ سے توقع رکھ سکتا تھا۔ سرویہ نے اس سے بھی زیادہ تسلیم و منظور کر لیا۔ تا ہم آسٹریا اس پر خوش اور رضامند نہ ہوا۔ حتٰے کہ اس نے سرویہ کے جواب پر مزید بات چیت کرنی بھی گوارا نہ کی۔ اور اعلانِ جنگ کر کے فوراً بلگریڈ پر گولہ باری شروع کر دی ؟

یہ ظاہر ہے۔ کہ آسٹریا نے سرویہ سے امن اطمینان کا کوئی مطالبہ نہیں کیا۔ بلکہ اُس کی آرزو جنگ کی تھی۔ جو سفیر اِس معاملہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ان میں سے اکثر بلکہ ہر ایک کی یہی رائے ہے۔ کہ آسٹریا نے سرویہ کو جو مراسلہ بھیجا تھا۔ وہ دیدہ دانستہ ایسے الفاظ میں لکھا گیا تھا۔ کہ سرویہ اُسے تسلیم کرنے سے اِنکار کر دے۔ آسٹریا نے یہ طریقہ کیوں اختیار کیا ؟ اُس نے ایسے خطرے کو کیوں سہیڑا جس سے یورپ میں عالمگیر آگ لگ جائے ؟ اِس کی وجہ ظاہر ہے۔ کہ ولیعہد کے قتل سے آسٹریا کے ہاتھ ایک بہانہ آ گیا تھا۔ جس سے وہ سرویہ کو پیس ڈالے۔ کیونکہ سرویہ جیسا کہ ہم آگے چل کر ظاہر کرینگے۔ ایک عرصہ سے آسٹریا اور جرمنی کی اِس تجویز میں روڑے کا کام دیتا رہا ہے۔ کہ وہ جزیرہ نما بلقان پر قبضہ کر لیں۔ اور

اِس سکیم کی تعمیل کے لئے پہلے بھی ایک دفعہ آسٹریا جنگ کا خطرہ مول لے چکا ہے۔ جب کہ اُس نے ۱۹۰۸ء میں بوسینا اور ہرزگووینا کو زبردستی اپنے علاقہ میں شامل کر لیا تھا۔ یہی موقعہ تھا۔ جس کی نسبت جرمنی کہتا ہے۔ کہ "میں اپنے رفیق کے پہلو بہ پہلو مسلح کھڑا رہا ہوں"۔ اُس وقت جرمنی کی چال چل گئی تھی۔ اور صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ اب بھی جرمنی نے آسٹریا کو سمجھایا ہوگا۔ کہ یہ چال بھی کامیاب ہو جانے کی کیونکہ اس وقت کوئی مخالف طاقت جنگ کے لئے تیار و آمادہ نہیں ہے۔ اور آسٹریا کو بھی یقین ہوگا۔ کہ رُوس جس کا اِس معاملہ سے زیادہ تر تعلق ہے۔ اِس وقت نہیں لڑے گا ؛

۱۹۰۸ء میں آسٹریا اور جرمن سلطنتوں نے دوہری چال چلی تھی۔ اور اس سے اِنکار نہیں کیا جا سکتا۔ کہ اب بھی ایسی ہی چال چلی گئی ہے۔ جرمن حکام اِس بات پر بضد ہیں۔ کہ اُنہیں آسٹریا کے الٹی میٹم کا مضمون معلوم نہیں۔ ممکن ہے۔ لفظی طور پر یہ بات صحیح ہو۔ کیونکہ یہ لاعلمی اِس پہلو سے مفید بھی تھی۔ کہ اپنے تیسرے حلیف اِٹلی کو تاریکی میں رکھنا مقصود تھا۔ لیکن یہ یاد رکھنا چاہئے۔ کہ

(۱) ولیعہد کے قتل اور الٹی میٹم کے درمیانی وقفہ میں قیصر جرمنی اور جرمن چانسلر کو مدبرانِ آسٹریا سے بات چیت کرنے کا اس وقت موقعہ ملا تھا۔ جب کہ وہ آرچ ڈیوک مقتول کی تجہیز و تکفین میں شامل ہوئے تھے۔ اور یہ بات سمجھ میں نہیں آتی۔ کہ اس موقعہ سے فائدہ اُٹھا کر آئندہ کارروائی کے متعلق باہم بحث مباحثہ نہ ہوا ہو ؛

(۲) جرمنی سفیر جو الٹی میٹم دئے جانے کے وقت دار السلطنت آسٹریا میں موجود تھا۔ وہ الٹی میٹم کے مضمون سے ضرور واقف ہوگا ٭

(۳) اگر جرمن گورنمنٹ کو اتنا بھی معلوم نہیں تھا۔ کہ الٹی میٹم میں کیا لکھا گیا ہے۔ تو اس کی تعمیل کے لئے آسٹریا کو جرمنی کی طرف سے اعانت کا یقین دلایا جانا نہایت مذموم بات تھی۔

(۴) یہ بات بھی ناقابلِ یقین ہے۔ کہ آسٹریا نے اپنے گہرے دوست اور ایسے حلیف سے مشورہ نہ کیا ہو۔ جو ایسے معاملہ میں اُس کا پورا حامی اور معاون تھا۔ جس سے یورپ میں جنگ کی آگ بھڑک اُٹھنے کی اُمید تھی ٭

پوری حقیقت بھی ایک دن ضرور معلوم ہو جائے گی۔ لیکن اِس سے پہلے بھی معقولیت سے دستاویزات اور حالات کا مطالعہ کرنے والا مُبصر یہ نتیجہ نکالے بغیر نہیں رہ سکتا کہ جرمنی نے آسٹریا کی پیٹھ ٹھونکی تھی۔ اور غالباً اُسے یقین تھا۔ کہ اِس چال سے اُسے ایک جابرانہ فعل کی جُرأت ہو جائے گی۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ عالمگیر جنگ چھڑ جائے گی۔ اور اِس طریق پر ایسے فعل کے ارتکاب سے جنگ سے اِجتناب کرنا مشکل ہو جائیگا ٭

اِس طرح قضیہ کا پہلا مرحلہ طے ہوگیا۔ آسٹریا اور سرویہ میں جنگ کی راہ کھل گئی۔ اب سفیروں نے اپنے آپ کو اس بے سُود کوشش میں لگا دیا۔ کہ کسی طرح یہ آگ پھیلنے سے رُک جائے۔ اور کم از کم آسٹریا کا روس کے ساتھ کچھ سمجھوتہ ہو جائے۔ جو کہ سرویہ کا بروایتی محافظ ہے۔ اِن تعجیلانہ تجاویز

کی تفصیل دینا غیر ضروری ہے۔ جن کا ۲۴۔ جولای اور ۲۔ اگست کے درمیانی قلیل عرصہ میں طوفان بپا رہا۔ جس کے بعد کہ عملی طور پر لڑائی شروع ہو گئی۔ لیکن پھر بھی بعض امور بالکل صاف اور عیاں ہیں۔ انگلستان صلح کے لئے بڑا بے صبر تھا۔ سر ایڈورڈ گرے اور مختلف مقامات کے برٹش سفیروں نے ہر ایک ممکن کوشش میں پیشقدمی کی۔ اور رد و قدح کا کوئی پہلو اٹھا نہیں رکھا۔ روس کے حلیف فرانس اور جرمنی و آسٹریا کے رفیق اٹلی نے بھی بہت سرگرمی دکھلائی۔ اور ان تینوں طاقتوں کے قایم مقاموں نے اس معاملہ کو سلجھانے کے لئے پہلو بہ پہلو کوشش کی۔ روس بھی صلح کی خواہش رکھتا تھا۔ جس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے۔ کہ اس نے سرویہ کو معاملہ رفع دفع کرنے کی صلاح دی۔ اور ہر ایک مرحلہ پر اس خواہش کا اظہار کرتا رہا۔ لیکن وہ اپنے دل میں اس بات کا فیصلہ ضرور کر چکا تھا۔ کہ ایسی ذلت اب ہرگز برداشت نہیں کرے گا۔ جیسی کہ ۱۹۰۸ء میں برداشت کر چکا ہے۔ جب کہ آسٹریا نے بوسینا اور ہرزگو دینا کو زبردستی اپنی سلطنت میں ملحق کر لیا تھا۔ اور وہ اس بات کا بھی مصمم ارادہ کر چکا تھا۔ کہ وہ ایک چھوٹی سلطنت کا کہ جو اسے اپنا محافظ سمجھتی ہے ساتھ نہیں چھوڑے گا۔ اگر بالفرض اس کے وزیر اس بات کے لئے رضا مند بھی ہو جاتے تو روس میں رعایا کے جذبات اتنے بھڑک چکے تھے۔ کہ ایسی ذلت کی صورت میں وہ فوراً غدر و بغاوت کر دیتی ؛

اب ذرا آسٹریا کی روش کے متعلق سنئے۔ پہلے چند

روز تو اُس کی مغرورانہ روش قایم رہی - اور اُس نے کسی طرح بھی سروبہ کے سوال پر کسی سے بات چیت کرنی منظور نہ کی - کیونکہ اُسے بھروسہ تھا کہ اُس کی چال کامیاب ہوگی - لیکن چند روز کے بعد اُسے معلوم ہو گیا - کہ خطرہ بھاری ہے اور جرمن حُکام چاہے کچھ ہی کہتے رہیں - لیکن روس کے ساتھ کوئی سمجھوتہ نہ ہوا تو وہ ضرور لڑے گا - اِس لئے اس کا تکبّر ٹوٹ گیا - اور اس کے رویّہ میں معقولیّت کی جھلک دکھائی دینے لگی - ۳۱ - جولای سنہ ۱۹۱۴ء کو سر ایڈورڈ گرے نے تجویز پیش کی - کہ آسٹریا اپنی افواج کو سروبیہ میں پیشقدمی کرنے سے روک دے - اور روس بھی کوئی جنگی کارروائی نہ کرے - اور دوسری سلطنتیں اِس بات کا فیصلہ کریں - کہ آسٹریا کو سروبہ کیونکر اِطمینان دلائے - اِس پر روس فوراً رضا مند ہو گیا - اگلے دن آسٹریا نے بھی اِس تجویز کو منظور کر لیا - اور اِس طرح اُس نے پہلی مرتبہ دوسری سلطنتوں کو موقعہ دیا - کہ آسٹریا اور سروبہ کے معاملہ پر غور کریں - اِس سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے - کہ امن امان سے باہمی سمجھوتہ ہونا ممکن تھا - اور آسٹریا کی طرف سے اِس میں کوئی روکاوٹ نہیں ڈالی گئی - تو پھر روکاوٹ کدھر سے آئی؟

تمام کارروائی میں جرمن گورنمنٹ یہ کہتے نہ تھکتی تھی - کہ وہ دل سے صُلح چاہتی ہے - اور اِس غرض کے لئے آسٹریا پر پورا اثر ڈال رہی ہے - بار بار اِس بات کو ظاہر کیا گیا - لیکن جرمنی نے اِس بارے میں اگر کچھ عملی کارروائی کی - جس کا کہ کوئی ثبوت مِلتا ہے - تو یہ ہے - کہ انگریزی وزیر

خارجیہ نے جو تجاویز پیش کی تھیں۔ اُس نے یہ تجاویز بغیر کسی رائے کے آسٹریا کو بھیج دیں۔ چنانچہ جنگ شروع ہونے کے بعد جرمنی نے جو سرکاری رپورٹ (وائٹ بُک) شایع کی ہے۔ اُس میں ایک بھی ایسی دستاویز درج نہیں۔ جس سے اِس بات کا ثبوت ملے۔ کہ اس نے آسٹریا پر صلح کے لئے کوئی اثر ڈالا تھا۔ اور جہاں تک برلن اور وائنا کی باہمی خط و کتابت کا تعلق ہے۔ اس رپورٹ میں ایک تو ۲۴۔ جولائی کے سرویہ والے الٹی میٹم کا خالی نوٹ ہے۔ اور دوسرا وائنا سے جرمن سفیر نے جو تار ۲۸۔ جولائی کو دلایا تھا۔ اس کا ذکر ہے۔ جس میں لکھا ہے۔ کہ "معلوم ہوتا ہے۔ کہ سر ایڈورڈ گرے نے تحریک بہت دیر سے کی ہے۔ اور سرویہ نے تیاری پہلے شروع کر دی ہے" حالانکہ یہ سمجھنا مشکل ہے۔ کہ اگر واقعی جرمنی آسٹریا پر زور ڈال رہا تھا۔ تو اس کی رپورٹ میں اِس کا کوئی تذکرہ کیوں نہ ہوتا۔ جرمنی کی صلح جوئی یا امن پسندی کا واضح اور صاف واقعہ یہ ہے۔ کہ اس نے سر ایڈورڈ گرے کی ہر ایک تجویز کو یہ ملائم سا جواب دے کر انکار کر دیا۔ کہ "ناقابلِ پذیرائی ہے"

سر ایڈورڈ گرے نے جرمن گورنمنٹ سے یہ اِلتجاء بھی کی کہ "اگر میری تجویز پر کوئی اعتراض ہو۔ تو جو طریقہ بھی آپ مناسب سمجھیں تجویز کریں" اور صاحب موصوف نے کہا۔ کہ جس طرح بھی جرمنی ممکن سمجھے۔ مصالحت اُسی طرح ہو سکتی ہے۔ بشرطیکہ جرمنی صلح کرانے کے لئے کوشش کرے۔ دو دن بعد سر ایڈورڈ گرے نے یہ بھی کہہ دیا۔ کہ اگر جرمنی

کوئی معقول شرائط پیش کرے۔ اور روس اور فرانس اُسے منظور کرنے سے تامل کریں۔ تو ہمیں (انگلستان کو) روس و فرانس سے کوئی سرو کار نہ ہوگا۔ جرمن گورنمنٹ نے جو کہ صلح کی اتنی ڈینگیں مارتی تھی۔ ان اپیلوں کا کوئی جواب ہی نہ دیا۔ بلکہ خلافِ ازیں اُسی شام کو جس دن کہ سر ایڈورڈ گرے نے مذکورہ بالا پہلا پیغام بھیجا۔ جرمن چانسلر نے برٹش سفیر کو پھر مشورہ دیا ہے۔ کہ جب جرمنی فرانس پر حملہ کرے۔ اور بلجیم پر دست درازی کرے۔ تو انگلستان کو غیر جانبدار رہنا چاہئے۔ بالآخر اُسی شام کو جب آسٹریا اس بات پر رضا مند ہو گیا۔ کہ باقی سلطنتیں سرویہ کے سوال پر غور کریں۔ تو جرمن گورنمنٹ نے روس کو بارہ گھنٹہ کی مہلت دے کر اعلانِ جنگ کر دیا۔ کیا ان واقعات کی موجودگی میں اس بات سے انکار کیا جا سکتا ہے۔ کہ جرمنی نے پہلے آسٹریا کو ایسے فعل کرنے کے لئے آمادہ کیا۔ جس سے جنگ چھڑ جائے۔ اور پھر صلح کے راستہ میں ہر ایک ممکن رکاوٹ ڈالتا رہا۔ اور آخر جب تمام مشکلات کے باوجود بھی صلح کی جھلک دکھائی دینے لگی۔ تو خود اپنے فعل سے جنگ چھیڑ دی *

جرمنی نے روس کو جو الٹی میٹم دیا۔ اُس کی وجہ جرمنی کی سرکاری رپورٹ (وائٹ بُک) میں یہ بتلائی ہے۔ کہ روس فوج کشی سے جرمنی کو دھمکا رہا تھا۔ جنگ کے متعلقہ واقعات اور ان واقعات کی تاریخیں مشکوک ضرور ہیں۔ لیکن یہ امر بالکل صاف ہے۔ کہ جرمنی نے جب روس

کو فوج کشی مسدود کرنے کا الٹی میٹم بھیجا تھا۔ اُس سے چند روز پہلے خود خفیہ طور پر فوج کشی کر رہا تھا۔ بہر حال یہ خوب معلوم ہے۔ کہ روسی فوج کشی جرمن فوج کشی سے بہت سُست ہے۔ جیسے دلوں کی بجائے ہفتے لگتے ہیں۔ اور اِن حالات میں اس سلطنت کی نسبت جو کہ بقول اپنے صلح کے لئے بہت بے صبر تھی۔ یہ توقع کی جا سکتی ہے۔ کہ جب صلح کی صورت نظر آ رہی تھی تو اُسے دو ایک روز کی تاخیر کا خطرہ برداشت کرنا چاہئے تھا۔ اور ایک نمایاں واقعہ یہ ہے۔ کہ روس پہلے آسٹریا کی طرف فوج کشی کر رہا تھا اور جرمن سرحد کی طرف اُس نے دو دن بعد فوج کشی کی ہے۔ تاہم آسٹریا نے تو کوئی الٹی میٹم نہ دیا۔ اور وہ معاملہ پر گفت و شنید کرنے اور شرائط طے کرنے کے لئے آمادہ تھا۔ حتٰے کہ آسٹریا نے روس کے خلاف جرمنی سے پانچ دن بعد اعلان جنگ کیا۔ پھر جرمنی کو یہ کارروائی کرنے کی کیا ضرورت تھی اس کا یہی ایک جواب ہو سکتا ہے۔ کہ اُسے اندیشہ تھا۔ کہ صلح یقینی ہوتی جاتی ہے۔ اور وہ جنگ پر تُلا ہُوا تھا۔

(۲) جنگ کا ارادہ اور تیاری بہت عرصہ سے تھی۔

یہ بالکل درست ہے۔ کہ جنگ کے متعلق جرمنی کی

دُور رس اور مکمل تیاریوں کے لئے دستاویزی شہادت بہم پہنچنی مشکل ہے۔ لیکن جنگ چھڑنے کے بعد جو شہادتیں بہم پہنچی ہیں۔ اُن سے عوام کو یہ یقین ہو گیا ہے۔ کہ جرمنی نے بلجیم اور فرانس پر حملہ کرنے کی پوری تیاری پہلے سے کر رکھی تھی۔ مثال کے طور پر یہ امر قابلِ غور ہے۔ کہ جب بلجیم اور فرانس میں جرمن سپاہ قلعوں کے سامنے پہنچی۔ تو انہیں بھاری توپوں کے لئے کنکریٹ کے بنے بنائے چبوترے تیار مل گئے۔ جن کی نسبت ماہرانِ توپ خانہ کی رائے ہے کہ انہیں قابلِ کار ہونے کے لئے تین ہفتے لگنے چاہیں۔ ابھی یہ بھی ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ کہ یہ چبوترے جرمن گورنمنٹ کے ایجنٹوں نے خفیہ طور پر پہلے سے تیار کر رکھے تھے۔ لیکن یقیناً یہ عجیب اتفاق کی بات ہے۔ کہ انہیں مقامات پر چبوترے تیار موجود ہوں۔ جہاں اُن کی ضرورت تھی۔ اور یہ بھی عجیب بات ہے۔ کہ جرمنی سے کیپ ٹاؤن میں بحر اوقیانوس کے خاص خاص مقامات کو کوئلے کے جہاز بھیجے جانے کے احکام آرچ ڈیوک ولیعہد آسٹریا کے قتل سے ایک ہفتہ پیشتر پہنچے۔ لیکن یہ ثابت نہیں کیا جا سکتا کہ اِن جہازوں کا کام تجارتی جہازوں کو تباہ کرنے والے سٹیمروں کے لئے کوئلہ بہم پہنچاتا تھا۔ ہمیں اِس بات کا بھی تعجب ہے۔ کہ جنگ کے متعلق کوئی تشویش ہونے سے بہت عرصہ پہلے جرمنی سے یہ احکام کیوں کثرت سے صادر ہو رہے تھے۔ کہ کینیڈا پیسیفک ریلوے کے حصے لنڈن ایکسچینج میں بیچ دئے جائیں۔ اور یہ بات بھی بے معنی نہیں ہے

کہ پچھلے اگست میں جرمنی میں مشقی جنگ اتنے بڑے پیمانہ پر ہونے والی تھی۔ کہ ریزرو سپاہ بھی واپس بلائی گئی تھی۔ جس سیاح نے جرمنی میں مئی کے مہینے میں یہ حال دیکھا تھا۔ اُس وقت وہ شاید اِس کا مطلب نہ سمجھا ہو۔ لیکن آج وہ یہ آسانی کہہ سکتا ہے۔ کہ ان مشقی جنگوں کا مدعا فرانسیسی سرحد کی طرف افواج کی بہم رسانی تھی۔ اِس قسم کی سینکڑوں چھوٹی چھوٹی باتیں جن میں سے ہر ایک اپنی تفسیر ہے۔ اخلاقی طور پر یقین دلاتی ہیں۔ کہ جرمنی میں بڑے جنگ کی تیاریاں آرچ ڈیوک کے قتل سے بہت پہلے ہو چکی تھیں۔ اور یہ بھی طے ہو چکا تھا۔ کہ گرما ۱۹۱۴ء میں جنگ شروع کر دی جائے۔ لیکن ہمیں اپنا دعوے ثابت کرنے کے لئے انہیں باتوں پر بھروسہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ جرمنی کی جنگی تیاریوں کی واضح شہادتیں کثرت سے موجود ہیں *

سب سے پہلے پچھلے چند سال کے وہ بڑھتے ہوئے اخراجات ہیں جو جرمنی نے سامانِ جنگ پر صرف کئے ہیں انگلستان میں زیادہ تر جرمنی کے بحری اخراجات نے پبلک کی توجہ کو اپنی طرف کھینچا ہے۔ جہاں کہ اُس کے مقابلہ پر تیار رہنے کا خیال سختی سے محسوس کیا جاتا ہے۔ جرمنی کی بحری طاقت کی ابتداء در اصل نیوی بل (بحری قانون) سے ہوتی ہے۔ یہ یقین کہ اِس قانون کا مدعا برطانیہ کی بحری طاقت کو دھمکی دینا تھا۔ پہلے پہل سنہ ۱۹۰۰ء میں پیدا ہوا۔ جبکہ جنوبی افریقہ کی لڑائی میں جرمنوں نے بہ تعجیل اخراجات کے اُس تخمینہ کی نظر ثانی کی جو کہ ۱۸۹۷ء میں پاس کیا گیا

تھا۔ اور عملی طور پر اپنی بحری طاقت کو دو چند کر دیا۔ اُس وقت سے انگلستان بھی اس بات کے لئے مجبور ہے۔ کہ جرمنی کے مقابلہ میں اپنی بحری طاقت کو مضبوط بنا لے ؛

انگلستان نے ۱۹۰۶ء سے ۱۹۰۸ء تک تعمیر بحری کی شرح گھٹانے کا تجربہ کیا۔ کیونکہ اُسے اُمید تھی۔ کہ جرمنی بھی اپنی سرگرمی چھوڑ دے گا۔ لیکن جرمنی نے اس کا یہ جواب دیا۔ کہ بحری تخمینے ۳۲ فیصدی کے حساب سے بڑھا دیئے۔ انگلستان نے بحری و برّی فوج و سامان کی تعداد و مقدار مقرر کرنے کے لئے سلسلہ جُنبانی کی۔ مگر جرمنی کی طرف سے جواب ملا۔ کہ اس قسم کی شرط نا ممکن ہے۔ پھر ۱۹۱۳ء میں انگلستان نے ایک "بحری تعطیل" کی تجویز پیش کی۔ جس کا مُدعا یہ تھا کہ باہمی سمجھوتہ سے نئے جنگی جہازوں کی تعمیر معطل کی جائے۔ لیکن تب بھی جرمنی کی طرف سے جواب خشک اور خواہش کے خلاف ملا ؛

جرمنی نے ۱۹۱۲ء میں بحری طاقت کے اضافہ کے لئے (دس لاکھ پونڈ) ڈیڑھ کروڑ روپیہ زائد منظور کیا۔ پھر ۱۹۱۳ء میں پانچ لاکھ پونڈ اور منظور کیا۔ انگلستان کو بھی اس کی تقلید میں تناسب قائم رکھنا پڑا۔ جب حال کی جنگ شروع ہوئی۔ تو جرمنی کی بحری طاقت اُس سے زبردست اور گران تھی۔ جتنی کہ انگلستان کو دس سال پہلے رکھنی ضروری تھی۔ حالانکہ انگلستان کی ہستی کا دار و مدار ہی بحری طاقت پر ہے ؛

جرمنی کی طرف سے اس تعجیل کے ساتھ وسیع پیمانہ

پر جہازوں کی تعمیر محض نمائش کی خاطر نہیں تھی۔ بلکہ استعمال کے لئے تھی۔ اور جہازوں کی تعمیر کے ساتھ ہیلی گولینڈ میں قلعہ بندی کی گئی۔ بحرِ شمالی کے جرمن ساحل پر مدافعت کا انتظام کیا گیا۔ تا کہ اصلی بحری بیڑے کے لئے ایک قلعہ سا بن جائے۔ جہاں وہ محفوظ رہ سکے۔ اور آبدوز کشتیاں یا دوسرے چھوٹے چھوٹے آلات انگریزی بیڑے کی عددی فوقیت کو توڑ دیں۔ یہ سکیم جو قابلِ عملدرآمد تھی۔ اس پر کئی سال تک جرمن رسالوں۔ اخباروں اور کتابوں میں کھُلّم کھُلّا بحث مباحثہ ہوتا رہا۔ اور ساتھ ہی نہر کیل کو گہرا اور کشادہ کیا جاتا رہا۔ تا کہ بحر شمالی اور بحیرۂ بالٹک کے درمیان آنے جانے والے جہاز بہ آسانی اس میں داخل ہو سکیں۔ کئی لوگوں نے پیشین گوئی کی تھی کہ جب نہر کی توسیع مکمل ہو جائے گی۔ تو انگلستان اور جرمنی میں جنگ ہوگی۔ چنانچہ نہر کی توسیع بھی اسی موسم گرما کے ابتدا میں تکمیل کو پہنچی ہے۔

انہی سالوں میں جرمنی کی بحری سرگرمی کی نسبت اُس کی بری افواج کی ایزادی زیادہ معنی خیز ہے۔ ۱۹۱۳ء میں جرمن پارلیمنٹ نے ایک قانون پاس کیا۔ جس کے رو سے جرمن فوج کی تعداد میں بہت بڑا اضافہ ہو گیا۔ اس کا مدعا یقیناً یہ تھا۔ کہ تربیت یافتہ ریزرو فوج کی تعداد بھی تناسب سے بڑھ جائے۔ اس قانون کے ذریعہ توپوں۔ ہوائی جہاز کے آلات۔ بار برداری کی موٹروں اور دوسرے جنگی سامان کے لئے بھی بہت بڑی رقوم منظور کی گئیں۔

۱۹۱۱ء میں جو اضافہ کیا گیا تھا۔ اس کی وجہ یہ بتلائی گئی کہ جرمنی میں یہ ہمیشہ قاعدہ رہا ہے۔ کہ ایامِ امن میں فوج کی تعداد کا تناسب آبادی کے ساتھ ایک اور سو کا ہے۔ اور اسی لئے چند سال کے وقفہ سے فوجی قانون (آرمی ایکٹ) پاس کئے جاتے ہیں۔ تا کہ وہ بڑھتی ہوئی آبادی کے مقابلہ میں فوج کی تعداد کا تناسب قائم رکھیں اگرچہ ۱۹۱۱ء سے پہلے ہی جرمن فوج کی تعداد یورپ کی سلطنتوں کے مقابلہ میں بہت زیادہ تھی۔ تاہم جرمنی کا یہ جواب بے دلیل نہیں تھا۔ لیکن ۱۹۱۲ء اور پھر ۱۹۱۳ء میں ایک ایک اور آرمی ایکٹ پاس کرنے کے متعلق جواب مذکور بالکل ناکافی ہے۔ جن دونو قوانین کی رو سے اسسے پہلے کی نسبت بہت زیادہ سنسنی خیز اضافہ فوج کا اختیار رہے اور دونو میں دیگر تباہ کن سامانِ حرب کی تیاری کے لئے بہت بھاری رقوم منظور کی گئی ہیں۔ جن پر کہ جرمنی کو اپنی بہادر افواج کی نسبت بھی بہت زیادہ بھروسہ ہے

اِن تمام ہیبت ناک اضافوں اور ایزادیوں کے لئے جرمنی کے پاس کیا دلیل یا وجہ تھی؟ جرمنی کو دُنیا میں کسی طاقت سے کوئی اندیشہ نہیں تھا۔ خلافِ ازیں وہ خود بلند آہنگی سے اِعلان کرتا تھا۔ کہ اس کے تعلقات دوسری سلطنتوں کے ساتھ اور بالخصوص اِنگلستان کے ساتھ مسئلہ جنگ بلقان کے تصفیہ کے بعد بہت اچھے ہو گئے ہیں۔ دوسری یورپین طاقتوں کو جرمنی سے خود اندیشہ تھا۔ اور انہیں اپنے ڈیفنس کے لئے تدابیر

اختیار کرنی پڑتی تھیں - فرانس جو ہمیشہ جرمنی کی طرف سے خوف زدہ رہا ہے - اپنے تمام جنگی خدمات کے قابل مردوں کو حکماً جنگی تربیت دے چکا تھا - لیکن جرمنی کی آبادی فرانس سے ڈیوڑھی ہے - اِس لئے اُس کی طاقت نمایاں طور پر جرمنی سے کم تھی - اور اس کا مدار بھی رسالہ قانون پر تھا - جس کی رُو سے کہ وہ جنگی خدمات زیادہ عرصہ تک لے سکتا ہے - روس جس نے کوشش کی تھی - کہ ساری سلطنتیں فوج کی تعداد گھٹا دیں - اُس نے بھی جرمنی سے خشک جواب پا کر اپنی فوج بڑھانے کی ضرورت کو محسوس کیا - اور سب سے نمایاں بات یہ ہے - کہ بلجیم کا چھوٹا سا ملک جس کی غیر جانبداری کی دوسری سلطنتوں نے کفالت کی ہوئی ہے - اُس نے بھی پہلی دفعہ اِس ضرورت کو محسوس کیا - کہ لازمی جنگی خدمت کے طریقہ کو رواج دے - اور ابھی وہ نئے طریقہ پر عمل بھی نہ کرنے پایا تھا - کہ اُسے اپنے شُبہ کی معقولیّت معلوم ہو گئی - ۱۹۱۳ء میں تمام یورپ پر یہ اندیشہ پیدا ہو گیا - کہ عالمگیر جنگ چھڑنے والی ہے - اور اِس خطرہ کا منبع و ماخذ اکیلا جرمنی تھا - جسے ساری دُنیا خوب سمجھتی تھی ؛

جرمنی کی عظیم تیاریوں کے متعلق ایک اور بھی نمایاں بات ہے - ان عظیم اخراجات کے لئے جو اُس نے منظور کئے تھے - جرمنی ٹیکس کے معمولی ذرائع کو کافی نہیں سمجھتا تھا - یا کم از کم اُس کے حکمران اپنی پارلیمنٹ کو نئے ٹیکسوں کے لئے رضا مند نہیں کر سکے - اِس لئے

اُس نے روپیہ بہم پہنچانے کا ایک ایسا طریقہ اختیار کیا جو پہلے کبھی سننے میں نہ آیا تھا ۔کہ اُس نے ضروریاتِ جنگ کے لئے تجارتی سرمایہ پر پانچ کروڑ کا ٹیکس لگا دیا ۔ ایسا طریقہ سالانہ اخراجات پورا کرنے کے لئے اختیار کرنے کا کسی کو وہم و گمان بھی نہ تھا ۔ بلکہ کسی ایسی خاص ضرورت کے لئے ایسا کرنا معنی رکھتا ہے ۔جو دو بارہ پیش نہ آنی ہو ۔اِس لئے ۱۹۱۲ء و ۱۹۱۳ء میں جو بے مثل جنگی تدابیر اختیار کی گئی تھیں ۔ وہ ایک خاص اور فوری مطلب کے لئے سمجھنی چاہئیں ۔ اور یہ فوری ضرورت صرف جنگ ہی ہو سکتی تھی ۔ اور جنگ بھی وہ جو فوراً ہی ہونے والی ہو +

اِس گرما کے اعلانِ جنگ سے پہلے پبلک اور مشہور واقعات ہم اوپر لکھ چکے ہیں ۔اِن تیاریوں کے ساتھ ہی ہم دیکھتے ہیں ۔کہ جرمنی ایسے معاملہ پر جنگ کے لئے زور دیتا ہے ۔جس کے لئے ہرگز جنگ کی ضرورت نہیں ۔ اور اگر جرمنی مداخلت نہ کرتا ۔ تو وہ بمصالحت طے ہو جاتا ۔ کیا اِن حالات کی موجودگی میں اِس بات سے اِنکار کیا جا سکتا ہے ۔کہ جرمنی کئی سال سے جنگ کی تیاریاں کرتا رہا ۔اور اگر آرچ ڈیوک قتل نہ ہوتا ۔ تو بھی اِس موسم گرما میں جنگ ہونی ضروری تھی +

لیکن جرمنی کے اِس ایک نمایاں اور دیدہ دانستہ جرم کا مدعا کیا تھا ؟ پچھلے تین سال سے جرمنی اِطمینان اور باقاعدگی سے جنگ کی تیاریاں کیوں کر رہا تھا ۔جبکہ

یورپ کی ہر ایک طاقت اِس کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کرنے کے لئے گرمجوشی دِکھلا رہی تھی ؟

جب سے جنگ شروع ہوئی ہے۔ جرمنی یہ ثابت کرنے کے لئے زور لگا رہا ہے۔ اور بالخصوص غیر جانبدار سلطنتوں کے ذہن نشین کرانا چاہتا ہے۔ کہ وہ معصوم ہے۔ اَور اس کے دشمنوں نے مل کر اُسے جنگ کرنے کے لئے مجبور کیا ہے۔ اور اُس نے جنگ کی دو وجوہات بیان کی ہیں ؛

اس کا ایک بیان یہ ہے۔ کہ وہ اپنی تہذیب کو روس کی نیم وحشی اور وسیع سلطنت سے بچانا ہے۔ کیونکہ یہی تہذیب اُس کی حقیقی زندگی (ہستی) ہے۔ اَور اُس نے جو شرارت آمیز اور نا مکمل سرکاری رپورٹ (وائیٹ بک) شائع کی ہے۔ اُس کا ضمنی عنوان "روس کے خلاف جرمنی کے جنگ کی وجوہات" ہے۔ اور اِس دستاویز کا مقصد یہ ظاہر کرنا ہے۔ کہ جنگ روس نے چھیڑی ہے۔ اور جرمنی کی طرف سے صورت مدافعانہ ہے۔ لیکن برطانیہ اور روس کی طرف سے جو مکمل اور بلا کم و کاست کاغذات شائع ہوئے ہیں۔ اُن سے صاف ظاہر ہوتا ہے۔ کہ مذکورہ بالا بیان بالکل غلط ہے جیسا کہ ہم پہلے لکھ بھی چکے ہیں۔ اَور خود جنگ کی نوعیت بتلاتی ہے۔ کہ روس کے خلاف جرمنی کی جنگ مدافعانہ نہیں ہے۔ اگر یہ صحیح ہوتا۔ کہ روسی تحریکِ اسلافیہ سے جرمنی اَور آسٹریا کی ہستی خطرے میں ہوتی۔ تو قدرتاً جرمنی کی افواج کا اِجتماع مشرق میں ہوتا۔ تاکہ وہ اپنی اور اپنے

رفیق کی حفاظت کرے۔ حتیٰ کہ اگر فرانس بھی روس کے ساتھ عہد نامہ ہونے کی وجہ سے نوج کشی کرتا۔ تو بھی مغرب میں جرمنی کو بہت تھوڑی نوج بھیجنے کی ضرورت پڑتی۔ جس سے کہ وہ لکسمبرگ اور بیلفورٹ کے مابین اپنی اُس سرحد کی حفاظت کر لیتا جو فرانس سے ملتی ہے۔ اور پھر مدافعت کی صورت میں جرمنی اپنے حلیف اِٹلی سے بھی مدد لیتا۔ جو اب محض اِس لئے الگ تھلگ رہا ہے۔ کہ جنگ کی نوعیت جارحانہ ہے۔ ورنہ وہ فرانس کی نوج کے بہت بڑے حصّہ کو اپنی طرف رجوع کر لیتا۔ اور اگر جرمنی اور فرانس کی سرحد تک ہی لڑائی محدود رہتی۔ تو بلجیم کی طرف سے جرمنی کے راستے میں کوئی رُکاوٹ نہ ہوتی۔ جو خلافِ توقع بہت بڑی رُکاوٹ کا باعث ہُوا ہے۔ ایسی جنگ میں وہ برطانیہ کو بھی یقیناً غیر جانبدار رکھ سکتا تھا۔ اور اُس کی جنگی پوزیشن اب کی نسبت بہت زیادہ مضبوط ہوتی۔ قصّہ کوتاہ یہ کہ اس کی لشکرگاہ کا نقشہ اور طریقِ جنگ ظاہر کرتا ہے۔ کہ اُسے پہلے روس کا خیال بھی نہیں تھا۔ بلکہ وہ پہلے بلجیم کو فتح اور پامال کرنا چاہتا تھا۔ جیسے کہ اب اُس نے اپنی سلطنت کا ایک صوبہ قرار دے لیا ہے۔ اور اس کے بعد وہ فرانس کو تباہ کر کے اس کی نو آبادیاں چھیننا چاہتا تھا۔ جیسا کہ جرمن چانسلر نے سفیر برطانیہ سے بات چیت کرتے ہوئے عملی طور پر اِس بات کا اعلان کر دیا تھا۔ اور تیسرے وہ برطانیہ کی بحری طاقت اور نو آبادیوں کی فوقیت کو ایک صدمہ پہنچانے کا آرزومند

تھا۔ اگرچہ اپنے پروگرام کے اِس حصّہ کو وہ کسی اور وقت کے لئے ملتوی کر دیتا۔ جیسا کہ اُس کی اِس خواہش سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ اِس جنگ میں اِنگلستان کو غیر جانبدار رکھنا چاہتا تھا۔ لیکن جرمنی نے جنگ کا بھانڈا روس کے سر پھوڑنے میں یہ مصلحت دیکھی ۔کہ اس سے جرمن رعایا میں جنگ کے متعلّق ہر دلعزیزی اور عام دلچسپی پیدا ہو جائے گی ۔اور اُن غیر جانبدار سلطنتوں کی ہمدردی کھینچی جا سکے گی ۔جن میں روسی گورنمنٹ کے خلاف بدگمانی اور بے اعتباری پھیلی ہوئی ہے ۔ لیکن واقعات کی ترتیب بتلاتی ہے ۔کہ جنگ کا اصلی مدّعا کسی صورت میں یہ نہیں تھا ؛

جنگ کی دوسری وجہ جو برطانیہ کی مداخلت کے بعد بہت زور سے پیش کی جاتی ہے ۔یہ ہے ۔کہ انگلستان کی مکّارانہ اور غدّارانہ تیاری سے جرمنی پر متحدہ حملہ کیا گیا ہے ۔کیونکہ اِنگلستان کو جرمنی کی بڑھی ہوئی خوشحالی خار کی طرح کھٹکتی ہے ۔اور وہ اِسے تباہ کرنا چاہتا ہے ؛

معلوم ہوتا ہے ۔کہ اِس بیان کو بھی اکثر اہلِ جرمنی صحیح تسلیم کرتے ہیں ۔ اور اِنگلستان نے بلجیم کی غیر جانبداری پر دست بُرد کیئے جانے پر جو عُذر کیا تھا اُسے ریا کاری سے منسوب کرتے ہیں ۔لیکن جنگ سے پہلے جو خط و کتابت ہوئی اور جو معاملات گذرے ہیں اُن کے یہ بیان سراسر برخلاف ہے ۔کیونکہ خود جرمنی اِس بات کا اعتراف کر چکا ہے ۔کہ اِنگلستان نے صلح

کرانے کے لئے کوشش کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا۔ لیکن دوسری وجوہات سے بھی یہ بیان نا قابلِ پذیرائی ٹھیرتا ہے ۱۹۱۲ء میں جب جرمنی کی جنگی تیاریاں اپنے کمال پر پہنچی ہوئی تھیں۔ تو انگلستان نے خیال کیا۔ کہ فرانس کے ساتھ ہماری دوستی اور ملاپ سے عجب نہیں۔ کہ جرمن مدبّروں کے دلوں میں اندیشہ پیدا ہو۔ اِس لئے اُس نے کسی قسم کی غلط فہمی و بدگمانی سے بچنے کی انتہائی کوشش کی۔ اور اُس وقت اِنگلستان و جرمنی کے تعلقات نہایت خوشگوار ہو گئے۔ جس پر جرمن پریس نے اپنے آپ کو مبارک بادیں کہیں۔ اور انگریز مدبّر بھی اِس خوشگوار جذبہ کی حوصلہ افزائی کے لئے مضطرب تھے۔ انگریزی سفیر نے جرمن گورنمنٹ کو اپنی مجلس وزراء کی طرف سے ایک مراسلہ پہنچایا۔ جس میں درج تھا۔ کہ اِنگلستان نے کسی سلطنت سے ایسا کوئی معاہدہ نہیں کیا۔ جس کے رُو سے وہ جرمنی کے خلاف جارحانہ کارروائی کر سکے۔ اور نہ ہی وہ ایسے کسی معاہدہ کا پابند ہے۔ جس کے رُو سے اُسے آئندہ ایسی کارروائی کرنا پڑے۔ اگر جرمنی کو اِنگلستان کی طرف سے حملہ کا خوف بھی تھا۔ تو اِس بیان سے وہ دُور ہو جانا چاہئے تھا۔ جرمنی کی طرف سے اِس مراسلہ کا جو جواب ملا وہ بڑا معنی خیز تھا؛

جرمنی نے تجویز کیا۔ کہ اِنگلستان اِس بات کا بلا شرط اقرار کرے۔ کہ جس جنگ میں بھی جرمن شریک ہو۔ اس میں اِنگلستان غیر جانبدار رہے گا۔ اِس غیر معمولی مطالبہ

کا مطلب صاف لفظوں میں یہ تھا۔کہ جرمنی عنقریب کوئی جنگ چھیڑنے والا ہے۔خاص کر ایسی صورت میں کہ ابھی ابھی جرمنی کی بحری اور بری فوج میں ایک اور اضافہ کیا گیا تھا۔ اور اب بھی ہم یہ بلا شبہ کہہ سکتے ہیں۔کہ عملی طور پر یہ غیر معمولی تجویز اُس تجویز کا پیش خیمہ تھی۔جو ۲۹۔جولای ۱۹۱۴ء کو پیش کی گئی تھی۔کہ انگلستان جرمنی کو اِس بات کی کھلی اجازت دیدے۔کہ وہ بلجیم پر دست بُرد کر سکے۔ اور فرانس کی نو آبادیاں ہضم کر جائے۔

اگر جرمن گورنمنٹ کو اس بات کا یقین ہوتا۔کہ انگلستان ایک منافقانہ حملہ کی تیاری کر رہا ہے۔تو شاید وہ اپنے مصلحتانہ طریقوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہ یقین کر لیتی۔ کہ ۱۹۱۲ء میں انگلستان نے جو اطمینان دلایا تھا وہ صریحاً لغو تھا۔اور اِس غرض سے گھڑا گیا تھا۔کہ جرمنی کو غافل رکھا جائے۔لیکن اِس بات کا ایک زبردست ثبوت یہ بھی موجود ہے۔کہ جرمنی در اصل یہ خیال نہیں کرتا تھا۔ کہ انگلستان اُس پر حملہ کرنے والا ہے۔جرمن تصانیف میں بہت عرصہ سے یہ کہہ کر خوشی کا اظہار کیا جا رہا تھا۔ کہ انگلستان بڑی بودی اور بزدل طاقت ہے۔جو جنگ سے اتنا ڈرتی ہے۔کہ نہایت شرمناک شرائط پر بھی صلح کے لئے تیار ہو جاتی ہے۔جرمن چانسلر اور وزیر خارجیہ کا بھی یہی خیال تھا۔معلوم ہوتا ہے۔کہ انھیں اس بات کا پورا یقین تھا۔کہ وہ انگلستان کو غیر جانبداری کے لئے رضا مند کر لیں گے۔برٹش سفیر سے جرمن چانسلر کی

جو ملاقات ہوئی تھی۔ اُس میں چانسلر نے کہا تھا۔ کہ اگر برطانیہ کی غیر جانبداری یقینی ہو۔ تو ہم وعدہ کرتے ہیں کہ فرانس سے اُس کی نوآبادیوں کے سوا ہم اور کچھ نہ لیں گے۔ اور بلجیم پر دست درازی کا مدعا اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ وہ ہماری مزاحمت نہ کرے۔ حتےٰ کہ اس غیر معروف تجویز پر سر ایڈورڈ گرے نے غور کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ تب بھی جرمن چانسلر اس بات کا متیقن معلوم ہوتا تھا۔ کہ انگلستان اگر جنگ کے خطرے سے بچ سکا۔ تو وہ اپنی بدنامی کی بھی پرواہ نہ کرے گا۔ چنانچہ ۴۔ اگست ۱۹۱۴ء کو جب برٹش سفیر نے جرمنی کو الٹی میٹم دے کر مطالبہ کیا۔ کہ بلجیم کی غیر جانبداری کا لحاظ رکھا جائے۔ تو برٹش سفیر کو غضبناک چانسلر سے ایک رنج دِہ گفتگو کرنی پڑی۔ جس نے بیس منٹ تک سرمن دیتے ہوئے بتلایا۔ کہ یہ بات بہت خطرناک ہے۔ کہ برطانیہ ایک کاغذ کے ٹکڑے کے لئے درپے پیکار ہو۔ برٹش سفیر کا بیان ہے کہ جرمن چانسلر ایسا برافروختہ ہو رہا تھا۔ اور ہمارے فعل سے اتنا بھڑکا ہوا تھا۔ کہ کسی کی دلیل سننا ہی گوارہ نہ کرتا تھا۔ اس لئے میں نے دلیل بازی سے شعلۂ آتش پر تیل ڈالنا مناسب نہ سمجھا۔ اس کی وجہ بجز اس کے اور کیا ہو سکتی ہے۔ کہ چانسلر کو در اصل یقین تھا۔ کہ انگلستان غیر جانبدار ہی رہے گا۔ یا بہ الفاظ دیگر وہ ایسا بزدل ہے۔ کہ اپنے اقرار مدار کو نباہنے کی بھی پرواہ نہ کرے گا۔ اور یہ ناممکن ہے۔ کہ جب وہ یہ

یقین رکھتا ہو - تو ساتھ ہی اُسے یہ بھی یقین ہو - کہ اِنگلستان نے جرمنی پر حملہ کرنے کے لئے سازش کی ہے ؛

نہیں یہ حیلہ بالکل بے اصل اور بے بنیاد ہے - کہ جنگ کا ذمّہ دار اِنگلستان ہے - اور یہ بہانہ صرف پبلک کو یقین دلانے کے لئے اختراع کیا گیا تھا - بلکہ اِس کے متعلق اور بھی کہا جا سکتا ہے - کہ جنگ کی ذمّہ وار ایک حد تک اِنگلستان سے جرمنی کی منافرت ہے - پچھلی پشت (پچیس تیس سال) میں اور بالخصوص پچھلے چند سال میں اِنگلستان کے خلاف جرمن جذبات کو خوب بھڑکایا گیا ہے - جو بالکل غیر معمولی بات ہے - اور اِس کی صرف ایک ہی وجہ ہو سکتی ہے ؛

برلن کے فصیح البیان پروفیسر ٹریشکے Treitschke کے عہد میں یہ منافرت پورے عروج پر تھی - پروفیسر موصوف جس کے سامنے اُس کی موت تک جو ۱۸۹۶ء میں وقوع میں آئی - جرمن سوسائٹی زانو تہ کرتی رہی - طاقت کے اصول کا زبردست حامی تھا - جس کے اندر کہ اِنگلستان سے منافرت کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا - پروفیسر مذکور ہمیشہ اِس بات کی تلقین کرتا رہا - کہ جرمنی کو سمندر پر اِنگلستان کے برابر اقتدار حاصل کرنا چاہئے - اور اس کی بڑھی ہوئی جابرانہ - مکّارانہ اور ظالمانہ طاقت کو نیچا دکھانا چاہئے - جرمن مورخوں میں ٹریشکے سب سے زیادہ ہر دلعزیز مورّخ ہے - کیونکہ اُس کی تصانیف جرمنی میں سب سے زیادہ پڑھی جاتی ہیں - اور اُس نے جرمنوں

کے پولیٹکل خیالات پر بہت اثر و اقتدار حاصل کیا ہے۔
جس اثر کی وسعت اور گہرائی کو انگریزوں نے اب محسوس
کرنا شروع کیا ہے۔ کیونکہ اُس کی کتابوں کا کبھی انگریزی
زبان میں ترجمہ نہیں ہوا ؛

لیکن انگریزوں کے خلاف منافرت کا خیال ٹریشکے یا اُس
کے شاگرد برن ہارڈی تک ہی محدود نہیں۔ بلکہ یہ خیال
جرمن رائے کے اکثر رہنماؤں کی مدد سے اشاعت پاتا رہا
ہے۔ ۱۹۱۲ء میں ایک معزز فرانسیسی اخبار نویس مسٹر
ایم جارج بورڈن Mr Georges Bourdon
اخبار فیگرو Figaro کی طرف سے تمام جرمن لیڈروں سے
ملاقات کرنے گیا۔ اور اُسے امید تھی۔ کہ میں فرانس
و جرمنی کے مابین دوستی کو ممکن بنا دوں گا۔ چنانچہ اسی
توقع کے مطابق اکثر جرمن لیڈروں نے کہا۔ کہ تمام جرمن
فرانسیسیوں سے دوستانہ چاہتے ہیں۔ مگر ساتھ ہی اکثر نے
کہا۔ کہ انگلستان جرمنوں کا جانی دشمن ہے۔ مسٹر بورڈن
نے وزیر خارجیہ کدرلن واکٹر Kiderlen Waechter سے ملاقات
کی۔ جس نے جرمن آرمی ایکٹ کو جائز قرار دیتے ہوئے
کہا۔ کہ اگر ہمیں دھمکی دی جاتی ہے۔ جیسا کہ بظاہر معلوم
ہوتا ہے۔ تو کیا ہمیں یہ نہیں دکھلانا چاہئے۔ کہ ہم بھی
اپنی حفاظت کی قدرت و ہمت رکھتے ہیں؟ مگر جرمنی
کو دھمکاتا کون ہے؟ اِس سوال کا جواب وزیر موصوف
نے دیا "انگلستان"۔

پھر مسٹر بورڈن جرمن پارلیمنٹ کے ایک لبرل ممبر سے

ملا - جس نے کہا - کہ " ہمیں انگلستان کے خلاف شکائتیں ہیں۔ جن پر جرمن دانت پیس رہے ہیں"۔ مسٹر بورڈن بڑے بڑے پنڈتوں پروفیسر سمولر Schmoller اور پروفیسر ویگنر Adolph Wagner سے ملا - اُن میں سے ایک نے کہا - کہ " فرانس کی مخالفانہ روش کا ایک ثبوت یہ ہے - کہ اُس نے جرمنی کے دشمن انگلستان کے ساتھ عہد و پیمان کر لیا ہے" دوسرے نے کہا - " ہمارا اصل مخالف انگلستان ہے - کیونکہ وہ اِس بات سے در گذر نہیں کرتا - کہ ہم نے اس کی صنعت و حرفت پر حملہ کیا ہے - اور تجارتی فوقیت حاصل کر لی ہے - وہ اب ہمارا ایسا ہی دشمن ہے - جیسا کہ کبھی تمہارا (فرانس) دشمن تھا - اخبار نویس اور پرنس لکنوسکی Lichnowsky سے ملا - جو کہ ۴ - اگست ۱۹۱۴ء تک لندن کا ہر دلعزیز جرمن سفیر تھا - اُس نے کہا - کہ " بلا شُبہ فرانس کی نسبت انگلستان ہماری توجہ کو زیادہ کھینچتا ہے - اور اُس کی وجہ یہ ہے - کہ اُس کی تجویزوں اور جنگی تیاریوں سے بے اطمینانی پیدا ہوتی رہتی ہے"

مسٹر بورڈن پھر ایک بڑے زمیندار پرنس ہیز فلٹ Hatzfeldt سے ملا - جس نے کہا - کہ جس سلطنت کی طرف ہمارا رویہ زیادہ سے زیادہ سخت ہو رہا ہے - وہ انگلستان ہے" اِن ملاقاتوں سے مسٹر بورڈن نتیجہ نکالتا ہے - کہ ہر ایک جرمن کے دل میں انگلستان کے خلاف بڑا کینہ ہے - خواہ وہ اِس کا اظہار جوش و خروش سے کرے اور چاہے دبی زبان سے کہے - آخر مسٹر بورڈن ایک مشہور نکتہ چین

اہلِ قلم Herr Alfred Kerr سے ملا - جس نے نہ تو لفاظی سے کام لیا اور نہ کوئی راز رکھا - بلکہ غیر معمولی صاف بیانی سے معاملہ کی اصلیت کو ظاہر کر دیا - اور کہا - کہ "ہمارا تمہارے (فرانس کے) ساتھ کوئی ذاتی جھگڑا نہیں ہے - بلکہ تم یاد رکھو - کہ یہ ملکی فوائد کا سوال ہے - تمام جرمنی پر فائدہ کے سنہری ہرن کا جادُو چلا ہوُا ہے - تم دولت مند ہو - اِس لئے تمہاری مقبوضات پر نگاہ ہے - جرمنی کی اِصطلاح میں دُنیا کے امن کے معنی نو آبادیوں پر جرمنی کا قبضہ ہے - اور تمہاری نو آبادیاں دِلکش ہیں - لیکن مَیں یہ ضرور کہوں گا - کہ تمہاری نسبت اِنگلستان کی طرف ہماری زیادہ نگاہ ہے - سچّی بات تو یہ ہے - کہ جنگ برابر دھمکا رہی ہے - اور جنگ فیشن کے متضاد بھی نہیں - یہ آج نہیں تو کل ضرور ہوگی " یہ کہہ کر وہ اپنی نشست پر بیٹھ گیا - اور سامنے دیوار پر لہراتے ہوئے جھنڈوں اور آتش بار توپوں کی جو تصویریں لٹک رہی تھیں - اُن کی طرف اشارہ کر کے کہا " کہ ہمارا اِن پر اعتماد و بھروسہ ہے -"

واقعی یہ صاف گوئی ہے - اور ایسی انتہائی صاف بیانی ہے - کہ جس کی بہت تھوڑے جرمنوں سے توقع ہو سکتی ہے - جو کہ دوسروں کی طرح ہی اپنے جذبات کو الفاظ کے غلاف میں ڈھانپنے کے عادی ہیں - لیکن اِس سے ایک بات کا پتہ چلتا ہے - کہ اِنگلستان جس کے بندرگاہ جرمن جہازوں کے لئے بھی ویسے ہی کشادہ ہیں جیسا کہ اُس کے اپنے جہازوں کے لئے ہیں - پھر اِس کے خلاف جرمنوں کو

اتنی نفرت کیوں ہے ؟ اِس کی وجہ صرف یہ ہے - کہ جو چیزیں جرمنی اپنے قبضہ میں دیکھنی چاہتا ہے - اُن پر انگلستان قابض ہے - اور بقول پروفیسر ٹریشکے یہ سلطنت ظالم- جابر اور مکّار ہے - جس کا کوئی حق نہیں ہے - کہ اُس نام نہاد عظیم اور مہذب قوم (جرمن) کے راستہ میں حائل ہو-

ایم بورڈن کی تحقیقات سے ایک اور قابلِ ذکر بات یہ معلوم ہوئی ہے - کہ اُس کے اکثر ملاقاتیوں کے قول کے مطابق جرمنی میں آزاد پبلک رائے کچھ نہیں - ان میں سے ایک کہتا ہے - کہ "ہمارے نزدیک رائے وہ قدیم اور تاریخی مطلع (استائی) ہے - کھیل کا جزو نہیں ہوتا - بلکہ ایکٹروں کے ساتھ آتا ہے" دوسرے نے کہا - کہ "رائے سلامی کا وہ گیت ہے - جو حکومت کی چوب کے ساتھ گایا جاتا ہے" ایک اور ساہوکار نے کہا "ہم اُس معاملہ پر رائے قایم کرنی ضروری نہیں سمجھتے - جس سے ہمیں براہِ راست کوئی تعلق نہ ہو - پالٹیکس گورنمنٹ کا معاملہ ہے - اور اِس کے متعلق وہ خود مختار ہے" اِس میں شبہ نہیں - کہ اِن بیانات میں کچھ مبالغہ بھی ہوگا - لیکن اِس میں صداقت کا عنصر بھی کافی مقدار میں موجود ہے جرمن لوگ بلا شبہ اپنی قوم کے نیک و بد کو شہنشاہ اور اس کے فتح مند وزیروں کے حوالے کر دینے کے لئے اُس سے زیادہ تیار و آمادہ ہیں - جس قدر کہ اہلِ برطانیہ اور اہلِ فرانس اپنے منتخب قائم مقاموں کے حوالے کر دینے کے لئے تیار و آمادہ نہیں ہیں - اور جرمن مدبّروں کی نظر میں پرنس بسمارک کے

زمانہ سے نظامِ سلطنت کی ہنرمندی میں یہ ہنر بھی خاص مرتبہ رکھتا ہے۔ کہ ایک تربیت یافتہ با اثر پریس (اخبارات و مطابع) کے ذریعے پبلک رائے کو ترتیب دیا جائے۔ جس فن کا کہ پرنس بسمارک خود موجد تھا۔ پرنس بسمارک ہر ایک لڑائی سے پہلے پریس کی وساطت سے پبلک رائے کو فراہم کرتا تھا۔ اور جس ہم آہنگی سے "انگلستان دشمن ہے" اور "روسی بھوت" یہ دو گیت پچھلے چند سال سے گائے جا رہے ہیں یہ بھی جنگی تیاریوں کا ایک جزو سمجھنا چاہیئے۔ اِس لئے ہمارا دوسرا موضوع یہ ہے۔ کہ جرمنی نے آسٹریا۔ سرویہ کے سوال پر جو جنگ چھیڑی ہے۔ اُس کی مکمل تیاری پہلے سے ہو چکی تھی۔ اور بالخصوص پچھلے تین سال سے اِس کا ٹھیک اُسی طرح علم تھا۔ جس طرح پرنس بسمارک کی لڑائیوں کی تیاری اور علم پہلے سے ہوتا تھا اور یہ جنگ یورپ اور نو آبادیوں کو حاصل کرنے کے لئے جارحانہ وضع کی گئی ہے۔ نیز سرجیوا میں ولیعہد آسٹریا پر گولی نہ چلائی جاتی تو بھی یہ جنگ ضرور ہوتی ؞

(۳) جرمنی نے جنگ وحشیانہ اور مذموم طریق پر کی ہے۔

جرمنی نے دو چھوٹی سلطنتوں لکسمبرگ اور بلجیم کی غیر جانبداری پر دست درازی کی۔ جنگ اِس لئے شروع

ہوئی ہے ۔ اور ان دونو سلطنتوں کو جرمنی پہلے اُن کی غیر جانبداری ملحوظ رکھنے کا یقین دلا چکا تھا ۔ لکسمبرگ کی غیر جانبداری ۱۸۶۷ء میں لنڈن کے مقام پر ایک بین الاقوامی کانگریس میں تسلیم کی گئی تھی ۔ جو در اصل خود جرمنی کی تحریک کا نتیجہ تھی ۔ بلجیم کی غیر جانبداری کا عہد نامہ ۱۸۳۹ء میں ہوا ۔ اسی قسم کی غیر جانبداری کا ایک اور عہد نامہ سوئٹزرلینڈ کے متعلق ۱۸۱۵ء میں ہوا تھا ۔ اِن عہد ناموں میں سے کسی ایک کی خلاف ورزی بھی ۱۹۱۴ء سے پہلے کسی سلطنت نے نہیں کی ۔ یہ عہد نامے یوروپ کی عزت و اعتبار کا نشان تھے ۔ جن سے کہ چھوٹی سلطنتوں کے حقوق کی حفاظت مقصود تھی ۔ اور بعض لوگوں کے خیال کے مطابق یہ باہمی امداد و حفاظت کا پہلا قدم تھا ۔ جس پر کہ یورپ کا امن قائم رہ سکتا ہے ۔ جس سلطنت نے اِن عہد ناموں کی خلاف ورزی کی ہے ۔ اُس نے بین الاقوامی عزت اور بین الاقوامی قوانین کے طریق پر مُہلک وار کیا ہے ۔ اُس نے اپنے آپ کو بھی ذلیل کیا ہے ۔ اور اب نا ممکن ہے ۔ کہ اُس کے ساتھ کوئی سلطنت عہد و پیمان کے تعلقات قائم رکھ سکے ۔ کیونکہ اُس کی بات کا اعتبار ہی جاتا رہا ۔ ۱۸۷۰ء میں فرانس اور جرمنی کے مابین جو جنگ ہوئی تھی اُس وقت بھی یہ اندیشہ تھا ۔ کہ ایک نہ ایک فریق بلجیم کی غیر جانبداری پر دست درازی کرے گا ۔ اِس لئے انگلستان نے فرانس اور جرمنی سے مطالبہ کیا ۔ کہ وہ بلجیم کی غیر جانبداری ملحوظ رکھنے کا اطمینان دلائیں ۔ اور اُس

نے صاف کہدیا - کہ جو فریق اِس عہد نامہ کی خلاف ورزی کرے گا - برطانیہ کی ساری طاقت اُس کے خلاف استعمال ہوگی - اور اُس نے یہ سب کچھ اِس لئے کیا - کہ اُس وقت کے وزیر اعظم مسٹر گلیڈ سٹون کے الفاظ میں "وہ اُس سے یہ نہیں ہو سکتا تھا - کہ چُپ چاپ پاس کھڑے ایسے سنگین جُرم کا ارتکاب ہوتے دیکھے - جس سے کہ تواریخ کے صفحے داغی ہوں - اور اِس طرح گناہ کا حصہ دار بنے ؟"

اِنگلستان کے اِس مطالبہ پر دونو طاقتوں نے عہد نامہ کے احترام کا یقین دلایا - اور جرمنی نے تو یہاں تک کہا - کہ "جرمنی کے صاف وعدے کی موجودگی میں ایسا استفسار ہی بے معنی ہے" چنانچہ اِس کی لفظ بہ لفظ تعمیل کی گئی - جرمنی نے اپنے زخمی سپاہی بھی بلجیم کے علاقہ سے گذارنے سے احتراز کیا - اور جب فرانس کی فوج سیڈن میں بلجیم کی سرحد پر پہنچ گئی - تو اُس نے سرحد کو ناقابلِ عبور دیوار سمجھ کر ہتھیار ڈال دیئے - جس سے کہ جرمنی کو فتح نصیب ہو گئی ؛

موجودہ معاملہ میں بھی اِنگلستان نے ٹھیک وہی طریقہ اختیار کیا ہے - جو کہ ۱۸۷۰ء میں کیا تھا - ۳۱- جولائی کو پیرس اور برلن کے برطانوی سفیروں کو ہدایت کی گئی کہ دونو سلطنتوں سے باضابطہ اطمینان لیا جائے - کہ اگر جنگ چھوٹ پڑی تو بلجیم کی غیر جانبداری پر دست درازی نہ ہوگی - اور ظاہر ہے - کہ اِس موقعہ پر جرمنی سے ایسا مطالبہ فضول اور غیر ضروری نہ تھا - کیونکہ اِس سے دو دن پہلے ۲۹- جولائی

۱۴ ستمبر ۱۹۱۴ء کو جرمن چانسلر نے اپنی غیر معروف تحریک پیش کرتے ہوئے صاف کہہ دیا۔ کہ اگر جرمنی بلجیم سے گذر کر فرانس پر حملہ کرے۔ تو انگلستان غیر جانبدار رہے۔ اِس شرط پر کہ اگر بلجیم نے جرمنی کی مزاحمت نہ کی۔ تو اُس کا علاقہ واپس دے دیا جائے گا

انگلستان کے سوال پر فرانس اور جرمنی نے جو جواب دئے۔ اُن دونو میں نمایاں فرق تھا۔ فرانس کی گورنمنٹ نے فوراً اطمینان بخش طور پر پورا یقین دلایا۔ مگر جرمن وزیر خارجیہ نے کہا۔ کہ میں قیصر اور چانسلر سے مشورہ لئے بغیر کوئی جواب نہیں دے سکتا۔ اور ساتھ ہی اُس نے شبہ ظاہر کیا۔ کہ قیصر اور چانسلر شاید ہی اِس سوال کا کوئی جواب دیں۔ کیونکہ اِس جواب دینے کے یہ معنی ہوں گے۔ کہ وہ اپنی تدابیر جنگ کو قبل از وقت ظاہر کر دیں +

اُسی دن ۳۱- جولائی کو برسلز میں اِس سوال پر بات چیت ہوئی۔ جہاں جرمن وزیر سے پوچھا گیا۔ کہ آیا بلجیم اپنے آپ کو جرمن حملے سے محفوظ سمجھ سکتا ہے۔ اور اُسے دو با ضابطہ بیانات کا حوالہ بھی دیا گیا۔ جو ۱۹۱۱ء اور ۱۹۱۳ء میں جرمن چانسلر اور وزیر خارجیہ کی طرف سے کئے گئے تھے۔ جن میں اونہوں نے کہا تھا کہ جرمنی کا ارادہ بلجیم کی غیر جانبداری پر دست درازی کرنے کا نہیں ہے۔ برسلز میں جرمن وزیر نے جواب دیا۔ کہ وہ وعدے اب تک بحال ہیں۔ ۱۹۱۱ء اور

۱۳ ۱۹ء کے دونو بیانات اُس وقت کئے گئے تھے - جبکہ جرمنی جنگی تیاریوں میں مصروف تھا - اور اس میں ذرا بھی شک نہیں - کہ اُن کا مدّعا یہ تھا - کہ بلجیم اپنی حفاظت کی تیاری نہ کرے - اور ۳۱ - جولائی ۱۹۱۴ء کو جرمن وزیر کے اطمینان دلانے کے معنے صاف لفظوں میں یہ تھے - کہ بلجیم کو جھوٹا اطمینان دلا کر آخری لمحہ تک غافل رکھے - یکم اگست کو جرمن گورنمنٹ نے لکسمبرگ کو اطلاع دی کہ وہ لکسمبرگ کے علاقہ پر قابض ہونا چاہتی ہے - اور ۲ - اگست کو جرمن افواج لکسمبرگ کے پایہ تخت میں داخل ہو گئیں - اور لکسمبرگ کی گورنمنٹ نے تمام سلطنتوں کے نام شکایتی مراسلے بھیج دیئے - اُسی دن یعنی ۲ - اگست کو برسلز کے اُسی جرمن وزیر نے جس نے تین دن پہلے بلجیم کو حملے سے محفوظ ہونے کا اطمینان دلایا تھا اپنی گورنمنٹ کی طرف سے بلجیم سے مطالبہ کیا - کہ وہ جرمن افواج کو بلا مزاحمت گذر جانے دے - اور ساتھ ہی دھمکی دی - کہ بصورتِ دیگر جرمنی اُسے اپنا دشمن سمجھے گا - حیرانی اس بات کی ہے - کہ جرمن وزیر کو یہ پیغام دیتے ذرا شرم نہیں آئی - دو دن بعد جرمن افواج بلجیم کے علاقہ میں داخل ہو گئیں - اور گورنمنٹ برطانیہ نے جرمنی کو الٹی میٹم دے دیا - ۴ - اگست کو آدھی رات سے جرمنی اور انگلستان میں جنگ ہو گئی

اس طرح مکر و فریب کی پوری صفائی سے اُس فعل کا ارتکاب ہو گیا - جو بقول مسٹر گلیڈ سٹون کے " تواریخ

کے اوراق داغی کرنے والا نہایت ہی شرمناک جرم تھا "
جرمن وزیر نے برسلز میں جو دو متضاد پیغام پیش کئے -
اُن کی نظیر جدید تواریخ میں ایک نہیں ملتی - صرف ایک
نظیر پر نظر پڑتی ہے - اور وہ بھی جرمنی کی تاریخ سے
ہی یاد آتی ہے - جرمنی کی تواریخ کے بڑے ہیرو جسے
جرمن لوگ بڑے فخر سے شاہِ اعظم کا خطاب دیتے ہیں
اُس کی تواریخ کا ایک قصہ ہے - کہ اُس نے اپنے شکار
ملکہ میریا تھرسیا Queen Maria Theresa کو اُس وقت
تک دوستی کے پیغامات سے تھپکی دئے رکھی - جب تک
کہ خود اُس کے مُلک پر حملہ کرنے کے لئے تیار نہ ہو گیا
جس کی حفاظت کا کہ وہ اخلاقاً ذمہ وار تھا - لیکن بادشاہ
مذکور نے تو تین مہینے تک اِنتظار کیا - اور اُس کے زمانۂ
حال کے شاگردوں نے اُسے بھی پس پشت ڈال دیا -

جرمن گورنمنٹ نے جنگ شروع ہونے کے بعد
اپنے فعل کو جائز ثابت کرنے کے لئے بہت حیلے
حوالے تراشنے کی کوشش کی - اُس نے پہلے تو یہ کہا
کہ حملہ کی ابتداء فرانسیسیوں نے کی ہے - کہ اونہوں نے
اپنے ہوا باز سرحد کے پار بھیج دئے - لیکن جب وزیر بلجیم
نے یہ سُن کر دریافت کیا - کہ ایسا واقعہ کہاں گذرا ہے -
تو جواب دیا - کہ " جرمنی میں " جس کا جواب وزیر بلجیم
نے دیا - کہ " پھر اِس صورت میں اس معاملہ میں بلجیم سے
خط و کتابت کا مدعا و ضرورت کیا تھی - تاہم جرمنی کی
طرف سے بلجیم کی غیر جانبداری پر دست درازی کا یہی

ایک جواز پیش کیا گیا تھا - پھر یہ بیان کیا گیا - کہ جرمن گورنمنٹ کے پاس اس بات کا خاص ثبوت موجود ہے کہ فرانس بلجیم کے راستے جرمنی پر حملہ کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ اس لئے جرمنی کو طریقِ حفاظت خود اختیاری پر عمل کرنا پڑا۔ لیکن اُس نے ثبوت پیش کوئی نہیں کیا - اور ہمارے سامنے صرف ۳۱- جولای والے جرمن اور فرانسیسی اعلان ہیں - آخر یہ بھی کہا گیا - کہ بلجیم نے فرانس اور انگلستان کے ساتھ مل کر جرمنی کے خلاف ایک سازش کی تھی - اور اس کی تائید میں ایک دستاویز کا حوالہ دیا گیا ہے - جس کی نسبت فرض کیا گیا ہے - کہ وہ برسلز سے ملی تھی - اور اس میں اس مسئلہ پر بحث کی گئی ہے - کہ بلجیم کو برٹش ممی فوج کس طرح بھیجی جائے - لیکن اس دستاویز سے صرف اتنی بات ظاہر ہوتی ہے - - کہ بلجیم اور فرانس دونو جنگ سے پہلے یقین رکھتے تھے کہ جرمن حملے کا خطرہ ہے - اور سوچ رہے تھے - کہ اگر حملہ ہو - تو اُنہیں کیا کرنا چاہیئے ۔

در اصل جرمنی مذکورہ بالا امور میں سے کسی ایک سے بھی متاثر نہیں ہؤا - اور اُس کے دل کی بات خود اُس کے چانسلر (وزیر اعظم) نے جنگ شروع ہونے پر اپنی پارلیمنٹ میں کہہ دی تھی - جرمن چانسلر نے تسلیم کر لیا - کہ جرمنی نے بلجیم کے خلاف ایک جرم کیا ہے - لیکن اس کی وجہ یہ بتلائی - کہ ضرورت ہی ایسی آ پڑی تھی - کیونکہ جرمنی کو اِدھر سے گذرے بغیر چارہ

نہیں تھا - چنانچہ وزیر مذکور نے یہ بھی وعدہ کیا تھا - کہ خاتمہ جنگ پر بلجیم کو اِس جرم کا معاوضہ (تاوان) دے دیا جائے گا - لیکن پھر معاوضہ نے یہ صورت اختیار کر لی - کہ گرجے - شہر اور گاؤں جلائے گئے - ہزاروں معصوم اور بے ہتھیار شہری نشانہ بندوق کئے گئے - ہزاروں کو فاقہ کشی کے لئے جنگلوں میں دھکیلا گیا - یا اجنبیوں کی خیرات پر گذارہ کرنے کے لئے ملک بدر کیا گیا - اور آخر کار تمام سلطنتِ بلجیم کو جرمنی کے ایک صوبہ کی صورت میں ملحق کر لیا - اہلِ جرمن چاہے اسے عزت سمجھیں - لیکن دنیا کی نظر میں کسی قوم کی بے عزتی اِس سے زیادہ کچھ نہیں ہو سکتی - کہ اُسے جرمن جیسی ذلیل قوم میں شامل کر دیا جائے - راستہ حاصل کرنے کی ضرورت کے متعلق ہم پہلے ہی لکھ چکے ہیں - کہ اِس سے جرمنی کی جنگی مشکلات میں تخفیف نہیں ہوئی - بلکہ اضافہ ہوا ہے - اس سے انگلستان کی شمولیت کے سبب اُس کے دشمنوں میں اضافہ ہو گیا - دنیا بھر کے معززِ الشان جرمنی سے بیزار ہو گئے - اور یہ بات صاف ظاہر ہو گئی - کہ جرمن گورنمنٹ کا اُس کی موجودہ ساخت میں کوئی وعدہ کسی حالت میں قابل اعتبار نہیں ہے ؎

بعض لوگ جرمنی کی حرکت کی اہمیت گھٹانے کے لئے کہتے ہیں - کہ بلجیم پر جرمنی کا حملہ اُس حملہ سے بُرا نہیں جو کہ انگلستان نے ۱۸۰۷ء میں ڈنمارک پر کیا تھا - جبکہ ڈنمارک کے تمام بحری بیڑے کو اطاعت کا حکم دیا گیا تھا - اور جبراً

اُسے ایسا کرنے کے لئے مجبور کیا گیا تھا۔ اگر یہ نظریں یکساں ہوں۔ تو بھی دو سیاہیوں سے ایک سفیدی نہیں بن سکتی لیکن دونو معاملات یکساں نہیں ہیں۔ یہ فرق کوئی معمولی بات نہیں۔ کہ اِنگلستان نے کبھی ڈنمارک کی غیر جانبداری قایم رکھنے کا عہد نہیں کیا تھا۔ اور انگریزی گورنمنٹ کے پاس ثبوت موجود تھے۔ جنہیں تواریخ بھی صحیح تسلیم کر چکی ہے۔ کہ نپولین جو اُس وقت سارے یورپ کے مالک روس کا حلیف تھا۔ اِنگلستان پر حملہ کرنے کے لئے ڈنمارک کے بیڑے پر قبضہ کر لینے کا ارادہ رکھتا تھا۔ ایک اور بھی بہت نمایاں فرق ہے۔ کہ ڈنمارک والے معاملہ کے متعلق اِنگلستان کی تمام پارٹیاں جنہیں گورنمنٹ کی خفیہ اِطلاع کا علم نہیں تھا۔ گورنمنٹ کے فعل پر ملامت کرنے کے لئے متفق و ہم آہنگ تھیں۔ اگرچہ انہیں آج کے جرمنوں سے زیادہ اِس بات کا کوئی اختیار نہیں تھا۔ کہ جس معاملہ کے متعلق اُن سے پہلے مشورہ نہیں لیا گیا۔ اُسے منسوخ یا موقوف کر دیں۔ لیکن وہ اِس کے خلاف اظہار ناراضگی کر سکتے تھے۔ جو اونہوں نے کر دی۔ کنسر وٹیو لیڈر سڈ مؤتھ Sidmouth نے تلخی سے کہا۔ کہ "میں یہ دیکھ کر اپنے مُلک کی طرف سے دِل شکستہ ہو رہا ہوں کہ وہ بونا پارٹ کے ساتھ اُسی کے ہتھیاروں سے لڑ رہا ہے۔ جن میں طاقت تو ہے۔ مگر راستی مطلق نہیں۔ اور جو سرِ دست مفید تو ہیں۔ مگر اُن میں انصاف ملحوظ نہیں ہے لبرل لیڈر شیریڈن Sheridan نے کہا۔ کہ بونا

پارٹ یہ دیکھ کر خوش ہؤا - کہ ہمارا اخلاق بھی اُسی جیسا ہو گیا ہے " ہر ایک پارٹی کے اور بہت سے لیڈروں نے بھی پارلیمنٹ میں خط و کتابت میں اور اخبارات کے اندر شرم و ملامت کا اِظہار کیا - لیکن جہاں تک جرمنی کے متعلق معلوم ہؤا ہے - وہاں کسی نے بلجیم کی غیر جانبداری پر دست درازی کرنے کے خلاف اظہار ناراضگی کا ایک لفظ بھی نہیں کہا - حالانکہ جرمنی کی یہ حرکت یقیناً انگلستان کی حرکت سے کہیں زیادہ شرمناک ہے - بلا شُبہ یہ مکّاری موجودہ تواریخ میں اپنی کوئی نظیر نہیں رکھتی ۔

جو جنگ اِس طرح شروع ہوئی - وہ جنگی کارروائی کے متعلق بھی عہد و پیمان کی اُسی شرمناک خلاف ورزی کے ساتھ برابر لڑی جا رہی ہے - ہیگ کانفرنس جس کا مدّعا جنگ کے خطرات کو بالخصوص غیر مُسلح آبادی کے خلاف گھٹانا تھا - جرمنی بھی اُس کی کارروائی میں شامل تھا اور اُس نے کانفرنس کی تمام شرائط کو قبول کیا ہؤا ہے لیکن روزِ اول سے ہی اُسنے جب ضرورت پڑتی ہے - فوراً اُسے توڑ ڈالتا ہے - اور برابر اُس کی خلاف ورزی کئے جاتا ہے - ہمیں اِس بات پر زور دینے کی ضرورت نہیں - کہ زمانہ حال کی تمام لڑائیوں میں دمدم کی گولی کے اِستعمال - ہلالِ احمر پر نشانہ بازی - دھوکے سے سُفید جھنڈے کا اِستعمال اور غیر مسلح رعایا کو گولیوں کی باڑھ کے آگے لگانا - وغیرہ کِس قسم کے اِلزامات عائد ہوتے ہیں - اور دونو طرف سے برابر لگائے جاتے ہیں - یہ معلوم کرنا بھی بہت آسان

ہے ۔ کہ آیا یہ حرکات اتفاقیہ ظہور میں آ سکتی ہیں یا کہ نہیں؟
اگرچہ اِس بات کی بھاری اور زبردست شہادت موجود ہے ۔ کہ غیر مسلح عورتوں اور بچّوں کو گولیوں کی باڑھ کے آگے دھکیلا گیا ہے ۔ لیکن ہم صرف انہیں سنگین الزامات پر اکتفاء کرتے ہیں ۔ جو قوانینِ ہیگ کے خلاف ہیں ۔ اور جن کی نسبت اکثر حالتوں میں جرمنی اقبال کرتا ہے ۔ بلکہ اُن پر فخر کرتا ہے +

(۱) قوانینِ ہیگ کی ایک دفعہ ہے ۔ کہ جن بندرگاہوں شہروں ۔ گاؤں اور عمارتوں کی حفاظت کا انتظام نہ کیا گیا ہو ۔ اُن پر کسی حالت میں گولہ باری نہیں کی جائے گی ۔ اور جن شہروں کی حفاظت کا انتظام ہو ۔ اُن پر بھی باقاعدہ محاصرہ کی کارروائی کا جزو سمجھ کر اور پہلے اطلاع دے کر گولہ باری کی جائے گی ۔ مگر جرمن جہاز گوبن اور بریسلو نے بونا Bona اور فیلی پیویل Philippeville کے کھلے شہروں پر اور ایمڈن نے مدراس پر بلا اطلاع گولہ باری کی ۔ جرمن فوج نے بلجیم کے لووین Louvain Namur میلنز Malines ٹرمنڈ Termonde ڈینانٹ Dinant اور دوسرے غیر محفوظ شہروں پر گولہ باری کی ۔ حتیٰ کہ اُنہیں تباہ کر دیا ۔ ہوائی جہاز رات کی تاریکی میں قلعوں پر نہیں بلکہ اینٹ ورپ کی سول آبادی پر بم گرانے کے لئے بھیجے گئے ۔ جن کا مدّعا بلجیم کی ملکہ اور اُس کے بچّوں کو قتل کرنا تھا ۔ مگر نتیجہ یہ ہوا ۔ کہ چند غیر مسلح اور بے پناہ شہری مارے گئے ۔ اِن ہوائی

جہازوں کے بھیجنے سے پہلے کوئی اطلاع نہیں دی گئی۔ اور جس وقت جرمن سپاہ ساٹھ میل کے فاصلہ پر پڑی تھی تو جرمن ہوائی جہاز مکرر سہ کرر پیرس پر دھاوا کرتے اور بلا اطلاع بم گراتے رہے۔ جن سے ایسے معصوم لوگ مرتے رہے جیسا کہ ایک بوڑھا وکیل (Solicitor) اپنی پوتی سمیت گرجا گھر جاتا ہوا ہلاک ہو گیا۔

(۲) قوانین ہیگ کی پہلی دفعہ کا مدعا یہ ہے۔ کہ جنگ کے معمولی قواعد ہر قسم کی ملیشیہ (محافظ) فوج اور والنٹیروں پر بھی عائد ہوں گے۔ بشرطیکہ وہ ایک خاص اور مقررہ وردی پہنے ہوں۔ اور دوسری دفعہ یہ ہے۔ کہ جس ملک پر حملہ ہو۔ اس کی تمام رعایا ہتھیار اٹھا سکتی ہے۔ اور وہ وردی پہنے ہو یا نہ پہنے ہو۔ بہر حال جنگجو تسلیم کی جائے گی۔ اور ان کے ساتھ ویسا ہی سلوک کیا جائے گا۔ جیسا کہ سپاہیوں کا حق ہے۔ جرمنی نے پہلی دفعہ کو اس طرح رد کر دیا ہے۔ کہ برسلز اور دوسرے شہروں کی Garde civique سول کی محافظ فوج کو فوج تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ حالانکہ وہ ایک مقررہ وردی پہنتی ہے۔ اور اسے دھمکی دی ہے۔ کہ اگر وہ اپنی جماعت کے غیر مسلح شہریوں کی طرف سے کسی قسم کی مزاحمت کرے گی۔ تو اسے سزا دی جائے گی۔ اور ان کے غیر مسلح شہریوں کی بے آئینی کے صدقے میں انہیں منتشر کر دیا۔ اور دوسری دفعہ کی خلاف ورزی جرمنی بلجیم کے تمام معرکہ میں کرتا رہا ہے +

(۳) ایک اور شرط یہ ہے۔ کہ کوئی جماعت اُن افراد کے افعال کی جوابدہ نہ ہوگی۔ جن پر کہ اُسے کوئی قابو نہیں ہے۔ اِس شرط کا مدعا یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ اول تو وہ دِقّت رفع ہو جائے۔ جو حملہ آور فوج پر بے ترتیب شہریوں کی نشانہ بازی سے ہونی ممکن ہے۔ کیونکہ جب کسی ملک پر حملہ ہوتا ہے۔ تو یہ صورت ہمیشہ پیدا ہو جاتی ہے۔ جبکہ وہاں کے شہریوں کے دِل اپنے گھر بار اور کھیتوں پر فاتح دشمن کو قابض ہوتے دیکھ کر مایوسی سے تاریک ہو جاتے ہیں۔ اور حملہ آور غنیم کو اپنے سپاہیوں کی حفاظت کے لئے ضروری تدابیر اختیار کرنی پڑتی ہیں۔ جیسا کہ اِس سخت تدبیر کے منظور کئے جانے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ (حملہ آور فاتح) جس مکان سے گولیاں چلتی دیکھے۔ اُسے جلا دینے کا مستحق ہے۔ اور جو شہری گولی چلاتا ہؤا گرفتار ہو یا جس کے قبضہ میں ہتھیار پائے جائیں۔ اُسے بھی گولی سے مار دے ۔

اگرچہ بعض اقوام مثلاً امریکن لوگ میکسیکو کی بغاوت میں ایسی حرکات سے محترز رہے ہیں۔ لیکن جرمن لوگ اِس سے بھی بہت آگے نِکل گئے ہیں۔ اور بطور ایک مقررہ پالیسی کے متواتر اِس قاعدہ کی بے توقیری کرتے رہے ہیں۔ ہر ایک گاؤں اور شہر میں اونھوں نے میونسپل کمیٹیوں کے پریزیڈنٹ (mayors) اور پادریوں اور دوسرے معززین کو اُن کے ہموطنوں کی روش کے لئے بطور یرغمال گرفتار کر لیا۔ حالانکہ یہ لوگ اپنے ہموطنوں

کو قابو میں نہیں رکھ سکتے تھے۔ خاص کر ایسی حالت میں جبکہ خود اُنہیں جیل میں مقفّل رکھا گیا ہو۔ لیکن جرمنوں نے شہریوں کی طرف سے ایک گولی چلتے ہی اُن قیدی اور محبوس پادریوں وغیرہ کو نشانۂ بندوق کر دیا۔ اور شہریوں کے مجمعوں پر بھی گولی چلا دی۔ اور بہت سے لوگوں کو بلا تحقیقات صرف اِس بہانہ سے بطور غلاموں کے جبراً جرمنی کو بھیج دیا۔ کہ اُنہوں نے گولی چلائی تھی۔ اور جرمنوں نے صرف ایسے ہی گھروں کو نہیں جلایا۔ جہاں سے گولی چلی تھی۔ بلکہ تمام گلی کوچوں حتّےٰ کہ شہروں کو جلاکر خاک سیاہ کر دیا۔ لووین کے شہر میں اُنہوں نے تمام آبادی کو غیر مسلح کر دیا۔ حتّےٰ کہ عجائب گھر میں رکھے ہوئے ہتھیاروں کے نمونے بھی فراہم کر لئے۔ اس کے بعد یہاں تک شہادت موجود ہے۔ کہ جرمن سپاہیوں نے بے چینی کے وقت بعض اپنے ہی ساتھیوں کے گولی مار دی۔ ایسا ہوا یا نہیں ہوا۔ مگر جرمن افسروں کی بعد کی کارروائی نے ہمیشہ کے لئے اُن کا نام داغی کر دیا ہے سینکڑوں بے گناہ اِنسان مارے گئے۔ عورتیں اور بچے رات کے وقت بے خانمان کئے گئے۔ جہانتک اکثر سنگدل اور ظالم سپاہیوں نے عورتوں کی عصمت دری کی۔ جو لوگ بچ گئے وہ نا معلوم مقامات کو بھیج دیئے گئے۔ جہاں کوئی روز تک اُنہیں بے آب و دانہ رکھا گیا۔ تہذیب کا پورانا مرکز شہر لووین پہلے لوٹا اور پھر جلایا گیا۔ آخرش اس کے مکانات جن میں دار العلوم کا ایک بڑا کتب خانہ

بھی تھا بے تحاشا گولہ باری سے مسمار کئے گئے - جرمنی
کی تواریخ میں بھی اِس نا قابلِ بیان جُرم کی کوئی نظیر نہیں
ملتی - ٹلی (Tilly) کی تاخت میگڈ برگ Magdeburg
اِس کے مقابلہ میں ہیچ ہے - اور آلارک alaric
کی غارتِ روم Rome اِس کے سامنے
کوئی حقیقت نہیں رکھتی - یہ بات بیسویں صدی کی ایک
مہذب قوم کے لئے باقی تھی - کہ وہ تاریخ دنیا کے
نہایت ہی وحشیانہ اور ظالمانہ واقعات کو بھی مات کر دے
حالانکہ چند سال پہلے جرمنی نے عہد کیا تھا - کہ کوئی جماعت
مجموعی طور پر اُن افعال کی ذمہ وار نہیں ہو سکتی - جو
اِس کے چند افراد سے ظہور میں آئے ہوں ؀

(۴) قوانین ہیگ میں دو دفعات اِس مطلب کی ہیں -
کہ غیر مسلح شہریوں کی ذاتی جائداد بلکہ سرکاری جائداد کے
سوا ہر قسم کی جائداد دست بُرد سے محفوظ رہے گی -
اور جنگی ضروریات کی صورت میں صرف اُسی نقدی یا جائداد
پر قبضہ کیا جائے گا - جو سلطنت کی خالص ملکیت ہو -
ایک اور دفعہ اِس مضمون کی ہے - کہ اگر کسی شہر کو
جبراً بھی لیا جائے - تو اُسے تاخت و تاراج نہیں کیا
جائے گا - مگر جرمن لوگ جس شہر میں بھی گئے - اُنہوں
نے سیدھے بنکوں پر دھاوا کیا اور تمام کی تمام نقدی
جو یقیناً پرائیویٹ ملکیت تھی - اُس پر قبضہ کر لیا - جن
مقامات پر اُنہوں نے اپنی دانست میں اچھے سے اچھا
سلوک کیا ہے - وہاں بھی اُن لوگوں کے مکانات کو لوٹ

لیا ہے جن کے مالک گھر بار چھوڑ کر جلا وطن ہو گئے تھے - اور
اکثر حالات میں عام لوٹ مار کی - لا بے کے محل Chateau
of la Baye میں جاگیر داری (Baroneau) کی غیر حاضری
میں خود ولیعہد جرمنی نے اُس کی تصویریں اور دوسرا قیمتی سامان
لوٹ لیا - ہر ایک بڑے شہر میں جس پر کہ انہوں نے قبضہ
کیا بھاری تاوان کا مطالبہ کیا گیا - جیسا کہ برسلز سے اسّی
لاکھ پونڈ (ایک کروڑ بیس لاکھ روپیہ) طلب کیا گیا - ظاہر ہے
کہ جرمنی نے یہ رقم اِس بات کا معاوضہ لیا ہے - کہ وہ
اُن افعال سے باز رہا ہے - جن کا اُس نے عہد کیا تھا
یہ تاوان بھی بذاتہ ہیگ کانفرنس کے قوانین کی خلاف
ورزی ہے - کیونکہ ضروری ہے - کہ تاوان پرائیویٹ اشخاص
سے وصول کیا جائے - اور یہ بالواسطہ اور آسان طریقہ لوگوں
کی ذاتی جائداد ضبط کرنے کا ہے +

(۵) آگے ایک اور دفعہ ہے - جس میں اِس بات کی
اجازت ہے - کہ مفتوحہ علاقہ کے لوگوں سے ضروری چیزیں
اور خدمات کیونکر لی جا سکتی ہیں - اِس میں مذکور ہے -
کہ (الف) انہیں خدمات کا معاوضہ دیا جائے گا (ب)
سامانِ ضروریات کا مطالبہ مُلک کے حالات کے تناسب سے
ہوگا - اور (ج) خدمت کے متعلق یہ شرط ہے - کہ اُن سے
خود اپنے ملک کے خلاف لڑنے کی غرض سے جنگی خدمات
نہیں لی جائیں گی - جرمنوں نے جو سامانِ ضروریات لیا ہے
وہ ایسے ظالمانہ طریقہ پر لیا ہے - کہ ملک تباہ ہو گیا ہے -
اور پھر اِس کا معاوضہ یا تو دیا ہی نہیں گیا یا فرانسیسی

بنکوں کے نام چھوٹے چکوں کی صورت میں دیا گیا ہے۔
اور مفتوحہ علاقہ کے لوگوں سے جو خدمات لی گئی ہیں۔ اُن میں اِس قسم کا کام بھی شامل ہے۔ کہ وہ خود اپنے ہموطنوں کے خلاف استعمال کئے جانے کے لئے خندقیں کھودیں ٭

(۶) بالآخر دفعہ ۵۶ کا مدعا یہ ہے۔ کہ تمام مذہبی۔ خیراتی اور تعلیمی عمارات خواہ سرکاری عمارات ہی کیوں نہ ہوں۔ اُن سب کا اِحترام ملحوظ رہے گا۔ اور تمام ایسی عمارات۔ تاریخی یادگاروں اور صنعت و سائنس کے کاموں کو کسی حالت میں گرایا یا نقصان نہیں پہنچایا جائے گا۔ یہ کہنا بالکل بے سُود ہے۔ کہ جرمنوں نے اس دفعہ کی خلاف ورزی دل کھول کر کی ہے۔ لووین۔ میلنز۔ ریمز میں جو کچھ ظہور میں آیا۔ وہ اِس کا بیّن ثبوت ہے۔ اور ایسے اور سینکڑوں ثبوت موجود ہیں ٭

اِن تمام اور ایسے ہی دوسرے امور میں جرمنی نے ہیگ کے قوانین کے ساتھ بھی وہی سلوک کیا ہے۔ جو کہ بلجیم کی غیر جانبداری کے عہد نامہ سے کیا تھا۔ کہ وہ کاغذ کا پرزہ ہے اِس طرح اُس نے اپنے دستخطوں کی تحقیر ہی نہیں کی۔ اور اتنی ہی بے اعتباری پیدا نہیں کی۔ کہ جس عہدنامہ میں بھی وہ کوئی فریق ہو۔ اُس عہد نامہ پر کوئی بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ جنگ کی وحشیانہ باتوں کو اعتدال اور طریقہ میں لانے کے متعلق اب تک بنی نوع اِنسان نے جو ترقی کی تھی۔ اُسے بھی دریا بُرد کر دیا ہے

کیونکہ اتحادی طاقتیں بھی جتنی کوشش چاہیں کریں۔ لیکن وہ تمام امور میں نہیں تو کم از کم بعض امور میں وہ جرمنی کی تقلید کی تحریص سے نہیں بچ سکتیں۔ اگر بلجیم فرانس اور انگلستان کو جرمن جہازوں کے حملوں سے بچانا ہو۔ تو اُس کا بہترین اور موثر ترین طریقہ یہی ہے۔ کہ جرمن شہروں پر ہوائی جہازوں سے حملے کئے جائیں۔ اگرچہ اب تک ہم نے صرف ہوائی جہازوں کے کارخانوں پر ایسے حملے کئے ہیں۔ جنگ میں سب سے بڑی طاقت روپیہ ہے۔ اگر جرمنی اُن ملکوں سے ڈھائی کروڑ پونڈ (ساڑھے سینتیس کروڑ روپیہ) تاوان کے طور پر مانگ سکتا ہے۔ تو اتحادی طاقتیں بھی اِس بات کی ضرورت محسوس کرنے میں حق بجانب ہوں گی۔ کہ اگر موقعہ آئے۔ تو وہ جرمن شہروں سے اسی طرح مانگیں۔ پھر کہئے۔ ہیگ کے قواعد اور قوانین کے کیا معنی ہیں ؟

صرف ایک ہی طریقہ ہے۔ جس سے کہ اِن قواعد کی تعمیل پابندی سے ہو سکتی ہے۔ جنہیں تمام مہذب دُنیا نے بہ رضا و رغبت منظور کیا ہے۔ وہ طریقہ یہ ہے۔ کہ تمام غیر جانبدار اور بے تعلق ممالک اُن الزامات کی تحقیقات کریں۔ جو اِن معاہدوں کی خلاف ورزی کے متعلق لگائے جاتے ہیں۔ اور تحقیقات بھی صرف اِسی بات کی نہیں۔ کہ کس نے کیا جرم یا قصور کیا ہے۔ اور نہ صرف اِن جرائم کا آیندہ کے لئے انسداد کیا جائے۔ بلکہ جہاں تک ممکن ہو ساتھ ہی اِس بات کا بھی فیصلہ کریں۔ کہ قصوروار

اس کا کیا معاوضہ دے - اور انکار کی صورت میں وہ ملک اُن امور کا انتقام لینے پر آمادہ ہوں - جن سے کہ اُن کا تعلق ہے - لیکن ظاہر ہے - کہ ایسی کوئی کارروائی نہیں کی جائے گی - اور ہیگ کانفرنس کا کام دریا بُرد ہونے دیا جائے گا *

اِن معاملات میں جرمن کارروائی کی وجہ بلاشُبہ ظاہر ہے - جسے نہ تو جوش کہا جا سکتا ہے اور نہ محض تباہی کی جاہلانہ خوشی اور ظلم سے تعبیر لیا جا سکتا ہے - اگرچہ اب یہ جذبات جرمنی کے بد ترین سپاہیوں میں بہت کچھ مُنتشر ہو گئے ہیں - لیکن وہاں کے لیڈروں کے لیئے یہ ویسی ہی صریح اور مقررہ پالیسی ہے - جیسا کہ بلجیم کے کاغذ کے ٹکڑے کو پھاڑنے کی حرکت تھی - اِس کا مُدعا دہشت پیدا کرنا تھا - جیسا کہ قیصر نے چین کو بھیجتے ہوئے اپنی افواج کو ہدایت کی تھی - کہ جس ملک سے جرمن فوج گذرے - اُسے ایسا سیدھا کر دے - کہ وہاں کے باشندوں کو ناتحوں سے کتنی ہی نفرت اور ناراضگی کیوں نہ ہو - مگر اُن کے خلاف ہاتھ ہلانے کی جُرأت نہ ہو - اِس پالیسی سے فوجی آرام تو ضرور ہے - کیونکہ اِس سے مفتوحہ ملک پر بہت تھوڑی سپاہ سے قبضہ رکھا جا سکتا ہے - اور خبر رسانی کے رُسل رسائل کے ذرائع محفوظ رہ سکتے ہیں - ایک مُحب وطن بلجیین جو اپنے ملک کے نقصان اور تباہی کے سبب غم و غصہ سے جل رہا ہو - کسی ریلوے سرنگ کو اُڑانے یا گاڑی کو روک دینے پر آمادہ ہو سکتا ہے

لیکن جب اُسے یہ معلوم ہو۔ کہ اس کا نتیجہ بریں صورت نمودار ہوگا۔ کہ قریبی گاؤں کا ہر ایک گھر جلا دیا جائیگا اور اُس کے مرد رشتہ داروں کو مار دیا جائے گا۔ اُس کی بیوی اور بچوّں کو سڑکوں پر فاقہ کشی کے لئے خانہ بدر کر دیا جائے گا۔ تو وہ ایسی حرکت سے تامل کرے گا۔ اِس پالیسی کا اور فائدہ یہ ہے۔ کہ دوسری چھوٹی قوموں مثلاً ہالینڈ کے لئے ایک عبرت ناک نظیر قایم ہو جائے گی۔ کہ جب کبھی "تہذیب" کی خاطر اُن ملکوں پر قبضہ کرنے کی ضرورت ہو۔ تو وہ مزاحمت نہیں کریں گی۔ کیونکہ وہ جانتی ہیں۔ کہ ان کی مزاحمت کا نتیجہ کیا ہوگا۔ واہ! واقعی یہ پالیسی مفید تو ضرور ہے۔ مگر دوزخی پالیسی ہے۔ اور دنیا پر نیا ست کاری پرماتما کا راج ہے۔ اِس لئے اِس کی سزا دئے بغیر نہ رہے گی۔

پس جرمنی کے خلاف یہ تین نقوے ہیں (۱) یہ جنگ جو انسانی تواریخ میں سب سے زیادہ خوفناک جنگ ہے جرمنی نے جبراً چھیڑی ہے (۲) اُس نے اِس جنگ کی تیاری اور سامان برسوں سے کیا ہوُا تھا۔ اور اُس کے پہلو سے یہ جنگ صریحاً جارحانہ ہے (۳) یہ جنگ ایسے طریقہ پر کی گئی ہے۔ جس سے جرمن سلطنت ہمیشہ کے لئے بے عزت ہو گئی ہے۔ اور اُسے انسانی تہذیب کی شریف ترین خوبیوں کا دشمن ٹھیرانا ہے۔ اِس بات کا اندازہ کرنا ناظرین کا کام ہے کہ یہ تینوں باتیں پایۂ ثبوت کو پہنچی ہیں یا کہ نہیں؟

دوسرا باب

جرمنی کے سیاسی مسائل

پچھلے باب میں واقعات کا جو سلسلہ بیان کیا گیا ہے۔ اور ان سے ایک عظیم یوروپین طاقت کے مدعاؤں اور طریقوں پر جو غیر معمولی روشنی پڑی ہے۔ وہ ایسی تعجیل سے ہم پر گذرے ہیں۔ کہ بہت سے لوگ ان سے جکا چوند اور بد حواس ہو گئے ہیں۔ وہ انہیں مشکل سے سمجھ سکتے ہیں۔ اور ان انکشافوں کے پورے خطرات کو باور نہیں کر سکتے۔ جو لوگ جرمنی اور اہلِ جرمنی سے محبت رکھتے ہیں۔ جنہوں نے جرمن یونیورسٹیوں کے فاضل اُستادوں سے تعلیم پائی ہے۔ جن کی روحیں Beethoven بیتھووِن اور Wagner ویگنر جیسے ماہرانِ موسیقی کے کمال سے فیضیاب ہو چکی ہیں۔ جو اس بات کو تسلیم کر چکے ہیں۔ کہ کینٹ Kant اور ہیگل Hegel موجودہ (جدید) فلسفہ کی رُوحِ رواں تھے۔ جو لوگ Goethe کی بے داغ انسانیت کی عزت کرتے ہیں۔ ایسے انسان جن کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ اور ہر ایک مُلک میں بہترین انسانوں میں شمار ہوتے ہیں۔ وہ تسلیم نہیں کرتے۔ کہ ایسے افعال جن کا ہم نے اُوپر ذکر کیا ہے۔ جرمنی میں سرزد ہو سکتے ہیں۔ اور جس سپرٹ سے ایسے افعال کا ارتکاب ممکن ہے

وہ اہلِ جرمنی جتنے کہ اُس کے حکمرانوں کے دل پر بھی قبضہ کر سکتی ہے۔ لیکن اِس میں بھی شُبہ نہیں۔کہ یہ شرمناک واقعہ کسی نہ کسی حد تک ظہور میں آیا ہے۔ پھر اِس کا کیا جواب ہو سکتا ہے؟

ایک حد تک تو شائد یہ اِس بات کا نتیجہ ہے۔کہ پچھلے پچیس تیس برس میں اہل جرمنی کے دل میں خود پسندی۔ خود نمائی اور خود اطمینانی کا مادہ بہت بڑھ گیا ہے۔ بہت سے آدمی جنہیں جرمنوں سے واسطہ پڑا ہے۔ دیکھ چکے ہیں۔کہ اُن کی یہ عادت ناقابلِ برداشت ہے۔ وہ اپنی بات چیت میں ہمیشہ اِس دعوے کو پیش کرتے رہتے ہیں۔کہ دنیا میں سب سے عظیم قوم ایک ہی ہے۔اور وہ جرمن قوم ہے۔اور جرمنی کی ہر ایک چیز مکمل اور بالکل عجیب ہے۔اور دوسری قوموں کی چیز نکمی اور بیہودہ ہے جو معدوم ہو جانی چاہیئے۔ یہ عادت دوسروں کے لئے بڑی رنج دِہ ہے۔ لیکن انگریزوں اور اہل امریکہ کو اِس سے مقابلتہً کم رنج ہونا چاہیئے۔ کیونکہ وہ خود بھی اِس سے بالکل پاک نہیں ہیں۔اور جرمنوں کی یہ غیر معمولی خود پسندی اِس لئے شاید واجب بھی ہو۔کہ پچھلی نصف صدی میں اُنہوں نے نہایت شاندار ترقی کی ہے۔

پچاس سال گذرے۔ تو جرمن قوم بہت سے حِصّوں میں منقسم تھی۔اُس کے فاضل تو دنیا بھر میں ممتاز تھے۔ لیکن پولٹیکل دنیا میں وہ فرانس۔ روس اور انگلینڈ کے مقابلہ میں بہت پیچھے تھی۔ جرمنی کا ملک ابھی بہت غریب ملک

تھا - اور اس کی صنعت و تجارت کسی شمار و قطار میں نہ تھی - نصف صدی کے اندر ہی اُس میں ایک عظیم انقلاب واقع ہو گیا ٭

جرمنی یا اس کی بڑی ریاست پرشیا نے تین لڑائیاں لڑی ہیں - جن میں سے دو اپنے وقت میں یورپ کی بڑی طاقتوں آسٹریا اور فرانس کے خلاف تھیں - ہر ایک لڑائی میں اُس نے اپنے دشمن کو چند ہفتے میں ہی زیر کر لیا - اور یورپ کو فوراً تسلیم کرنا پڑا - کہ وہ قوم جسے اب تک بالکل ہیچ سمجھا جاتا رہا ہے - دنیا کی عظیم ترین بڑی طاقت بن گئی ہے - جس آسانی سے جرمنی نے یہ لڑائیاں فتح کر لیں - اُس سے اہلِ جرمنی یہ سمجھنے لگے - کہ ہمیں کوئی فتح نہیں کر سکتا - اور کسی دوسری قوم کا سپاہی ہمارا مقابلہ نہیں کر سکتا - اور جن خاص وجوہات سے انہیں یہ آسانی فتح ہو گئی تھی - اُن کو کوئی وزن نہ دینے کے لئے جرمنوں کو الزام نہیں دیا جا سکتا - اور جرمنی کو اُن لڑائیوں کی بدولت جو لاتعداد فوائد پہنچے - اُن سے قدرتاً اُس نے یہی نتیجہ نکالنا چاہا تھا - کہ ہماری تمام قومی ترقی کا فخر ہماری فوج اور اُس کے افسروں کو حاصل تھا ٭

چونکہ اِن فتوحات سے جرمنی میں اتحاد پیدا ہو گیا - اور اُس نے ایک دفعہ متحد ہو کر ہر ایک صیغہ میں صفِ اوّل حاصل کرنے کے لئے غیر معمولی سُرعت سے کوشش شروع کی - اُس کے علماء جنہیں وہ اپنی فتحمندی کا ویسا ہی موجب سمجھتا ہے - جیسا کہ اپنے سپاہیوں کو خیال

کرتا ہے - اُس وقت تک یورپ میں علوم و فنون کے رہنما تھے - اور اگر حال میں وہ اپنے مرتبہ کو قائم نہیں رکھ سکے - جیسا کہ پہلے رکھتے آئے ہیں - اگر جرمن علوم دوسرے صیغوں کی طرح کامیابی سے کسی قدر مادی صورت اختیار کر گئے ہیں - اور صداقت کا اِتنا لحاظ نہیں رکھتے جتنا کہ نتائج کا رکھتے ہیں - تو بھی علم کی بہت سی شاخوں میں ان کے کمال سے کوئی شخص اِنکار نہیں کر سکتا - اس کے نظم و نسق اور انتظام کے کمال نے ساری دنیا کو اپنا مدّاح بنا لیا - اور کسی ملک کے شہر ایسے با ترتیب اور اچھے بنے ہوئے اور مہذب زندگی کے سامانوں سے آراستہ نہیں تھے - کوئی دوسری قوم اپنے جنگلوں - دریاؤں اور ریلوں کا انتظام ایسے سائنٹفک طریقوں سے نہیں کرتی تھی - نہ کسی دوسری قوم کا طریقۂ علم ایسا معقول اور اعلےٰ تھا - نہ کسی دوسری قوم نے غریبوں کی مُصیبت دُور کرنے کے لئے ایسے سائنٹفک طریقے اختیار کئے تھے - بالآخر اس کی صنعت و تجارت بے نظیر تندی سے بڑھ گئی - پچاس سال ہوئے - جرمنی کی حالت بہ لحاظ تجارت و صنعت کے ادنےٰ درجہ کی تھی - اور اب جرمنی چند صنعتوں میں ساری دُنیا سے بڑھا ہوُا ہے - اور باقی ہر ایک صیغہ میں بھی خاص درجہ رکھتا ہے - اُس کے جہاز ہر ایک سمندر پر تیرتے نظر آتے ہیں - جن میں بعض نہایت ہی اعلےٰ قسم کے ہیں - اُس کی دولت بے اندازہ و لاتعداد ہو گئی ہے *

پھر یہ کیا تعجب کی بات ہے ۔ کہ اہل جرمنی اپنی عظمت اور اور اپنے مُلک کی ترقی پر نازاں ہیں ۔ اور اپنے ملک کو دنیا کی ملکہ سمجھتے ہیں لیکن خود پسندی ایک رُوحانی عیب ہے ۔ اور جس شخص میں یہ عیب موجود ہو ۔ اُس پر بہت مُضر اخلاقی اثر ڈالتا ہے ۔ پھر اس میں بھی تعجب کی کونسی وجہ ہے ۔ کہ اوسط درجہ کا جرمن شہری بھی اس طریقِ حکومت کا پورا وفادار ہے ۔ جس سے یہ تمام حیرت انگیز برکتیں نصیب ہوئی ہیں ۔ اور جن اصولوں پر کہ یہ حکومت چل رہی ہے ۔ اس کا بلا چون و چرا یا زیادہ نکتہ چینی سے فرمانبردار ہو جائے ۔ اگرچہ جرمنی میں قائم مقامانہ پارلیمنٹ بھی موجود ہے ۔ لیکن اہل جرمنی اس بات پر بالکل قانع ہیں ۔ کہ ہر ایک قسم کے موثر اختیارات پارلیمنٹ سے باہر اُنھی طاقتوں کے ہاتھ میں دیدیئے جائیں ۔ جنہوں نے کہ زمانہ گذشتہ میں ایسے شاندار طور پر کام کیا ہے ۔ اور جن کا مرکز خاندان ہوہن زالرن Hohenzollern کا خود مختار بادشاہ ہے ۔ اور اس کا دائیاں ستون فوجی افسروں کا مجمع ہے ۔ اور بائیاں ستون اہلِ پرشیا کی بے مہر نوابی ہے ۔ پرنس بُولو کہتا ہے کہ اہل جرمنی اپنے بڑے بڑے کام ہمیشہ مضبوط مستقل اور مستحکم رہبروں کی بدولت انجام دیتے ہیں ۔ کوئی اور قوم اِتنی خوش رضائی سے ضابطہ کی پابندی گوارا نہیں کرتی ۔ شاید یہی وجہ ہے ۔ کہ وہ اپنے پولٹیکل ضمیر کو بھی اپنے روایتی حکمرانوں کے حوالے کر دیتے ہیں ۔ اور اُس کی رائے میں پبلک اوپینین ایک مطلع یا استائی ہے ۔

جو گورنمنٹ کی چوب کے جواب میں گائی جاتی ہے۔ اور بلاشبہ یہی وجہ ہے۔ کہ جرمن گورنمنٹ بہ آسانی اِس راے کو مجتمع کر سکی ہے۔ اور بغیر کسی قسم کی کھلی یا ظالمانہ مداخلت کے پبلک حتّے کہ یونیورسٹیوں کی وساطت سے قابو کر اور کام لے سکی ہے۔

جرمنی میں ایک عرصہ سے یونیورسٹیاں حکومت کا ایک محکمہ بن گئی ہیں۔ اور بالواسطہ وہ بالکل گورنمنٹ کا ایک آرگن ہیں۔ پروفیسروں کا تقرر گورنمنٹ کے اختیار میں ہے۔ اور کسی پروفیسر کی شہرت یا ترقی حاصل کرنے کا (باوجود اپنی لیاقت کے) یہی ایک طریقہ ہے۔ کہ وہ جدید جرمنی کی ترقی کا راگ گائے۔ اور اُس کے وسیع پولٹیکل اغراض کی اِشاعت کرے جرمنی میں پولٹیکل پروفیسر کا اِتنا اثر ہے۔ کہ دنیا کے کسی اور ملک میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ حتےّ کہ اپنی کمزوری کے ایام میں بھی وہ جرمنی کے قومی خیال اور جرمن فخر و اُمید کا واعظ تھا۔ آج اور معقول عرصہ پہلے شاید یہ پروفیسر ہی پبلک راے کے اجتماع کا موثر ذریعہ ہوتا رہا ہے۔ جیسے ہم جرمن طریقِ حکومت کا ایک ضروری حصّہ بتلا چکے ہیں۔

لیکن جرمنوں کی خود پسندی اور تمام جرمن چیزوں کی خوبی کا دعوے۔ اپنی گورنمنٹ کے متعلق عام اطاعت شعاری۔ پبلک راے کی فراہمی صرف اِتنی چیزیں ہی ان باتوں کے ظہور میں آنے کے لئے کافی نہیں ہیں۔ جن کی تشریح کہ پچھلے باب میں کی گئی ہے۔ بلکہ اِن سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ اپنی گورنمنٹ کے مسلمہ اصولوں کا کس طرح

بہ آسانی شکار ہو جاتے ہیں ؛

اِن نتائج کو حاصِل کرنے کے لئے جرمن دل میں کونسا زہر بھرا گیا ہے ؟ وہ کونسی جماعت ہے - جو کہ ان خیالات کو دِلنشین کرتی ہے - جن سے پچھلے چند ماہ کے واقعات ظہور پذیر ہوئے ہیں ؟ یہ خیالات کہاں سے نشو و نما پاتے ہیں - انہیں جرمنی کے عام باشندے حکمران جماعتیں یا ذہنی لیڈر با دِل خواستہ قبول کرتے ہیں یا با دِل ناخواستہ ؟ یہ سوالات صرف علمی مسائل ہی نہیں - بلکہ وہ یوروپ کے مستقبل اور اُس تہذیب کے لئے نہایت اہم سوالات ہیں - جس میں اِس قوم نے خاص حصّہ لیا ہے - اور ہمیشہ حصّہ لیتی رہے گی

پچھلے چند ہفتوں میں تمام اِنگلستان میں ایک قابِلِ ذکر کتاب زیرِ مطالعہ رہی ہے - جو کہ اِن تمام سوالات کا کچھ نہ کچھ جواب دیتی ہے - اِس کتاب کا مُصنّف پرشیئن (جرمن) فوج کا ایک اعلےٰ رُکن جنرل وان برن ہارڈی ہے - اور اِس کی کتاب میں جرمنی کے فوجی مسائل کی تشریح اور اُس کا پولٹیکل پروگرام ہی ظاہر نہیں کیا گیا - بلکہ وہ بنیادی اصول بھی بیان کیئے گئے ہیں - جن پر کہ جرمن فوجی مسائل اور پولٹیکل پروگرام کا مدار ہے - جب پہلے پہل ۱۹۱۲ء میں یہ کتاب شائع کی گئی - تو اِنگلستان میں اِس پر زیادہ توجہ نہیں دی گئی - کیونکہ اِس کے بنیادی خیالات ہی انگریزی طبیعت کے خلاف تھے - اور جو پولٹیکل پروگرام اِس میں ظاہر کیا گیا تھا - وہ ایسا تلخ معلوم ہوتا تھا - کہ جنہوں نے پڑھا - اُنہوں نے اِس کتاب کو غیر ذمہ دارانہ اور انتہا

پسندانہ تصنیف سمجھ کر نظر انداز کر دیا۔ کیونکہ اِس قِسم کی کتابیں دوسرے ملکوں میں بھی بہت شائع ہوتی رہتی ہیں اور لوگوں نے یہ خیال کرنا بھی بیہودہ اور نامناسب سمجھا کہ اِس کتاب میں جِس پالیسی کا اظہار کیا گیا ہے۔ وہ اہلِ جرمنی یا اس کے حکمرانوں کی پالیسی ہو سکتی ہے۔ چنانچہ اب بھی بہت سے آدمیوں کا خیال ہے۔ کہ برن ہارڈی کی کتاب میں جن باتوں کا اظہار کیا گیا ہے۔ انہیں باور کر لینا اہلِ جرمنی کے ساتھ صریحاً نا اِنصافی ہے۔

لیکن کوئی شخص یہ خیال کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ کہ دنیا کی نہایت ہی باقاعدہ آئینی فوج کا جنرل نا معقولیت سے ایسی کتاب شائع نہیں کر سکتا۔ جِس میں دعوےٰ تو یہ کیا گیا ہو۔ کہ اِس میں اُس کے مُلک کی پالیسی اور اصول درج ہیں۔ اور در اصل انہیں بُری طرح بدنام کیا جائے۔ اور جب ہم کو معلوم ہے۔ کہ ولیعہد جرمنی نے اس کتاب کی بابت سفارش کی ہے۔ کہ ہر ایک اچھے جرمن کو یہ کتاب پڑھنی اور مطالعہ کرنی چاہئے۔ اور جب ہم دیکھتے ہیں کہ برن ہارڈی نے جو کچھ بھی لکھا ہے۔ موسمِ گرما کی جنگ اور صلح کے دوران میں اُس کی عملی طور پر تصدیق اور تعمیل ہوتی رہی ہے۔ تو کتاب کو معمولی درجہ دینا اور بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ علاوہ ازیں اِس کتاب کی تاریخ اشاعت بھی معنی خیز ہے۔ کیونکہ وہ ۱۹۱۱ء میں عین اُس وقت شائع ہوئی تھی جبکہ جنگ کی سہ سالہ تیاریوں کی ابتدا ہوئی۔ جن کے متعلق ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔ اِس کتاب کے ذریعہ جرمن رعایا کو

اِس بات کے لئے تیار کیا گیا تھا - کہ وہ پے درپے غیر معمولی فوجی قوانین (آرمی ایکٹ) اور بحری اضافے منظور کر لیں - جو اِن تین سالوں کی نمایاں یادگار ہیں - اور اِن ایکٹوں سے اخراجات میں جو بھاری اضافہ ہونے والا تھا - اُن کا بوجھ برداشت کر لیں - کیا یہ ممکن نہیں ہے - کہ یہ کتاب بھی اجتماع پبلک رائے کا ایک جزو تھی - جس کا پیدا کرنا جرمن گورنمنٹ خوب طرح جانتی ہے - اور جسے پرنس بسمارک نے اپنی لڑائیوں کی باقاعدہ تیاری کے وقت کبھی فراموش نہیں کیا ؟ اگر ایسی بات ہے - تو برن ہارڈی کی کتاب اول درجہ کی اہم دستاویز ہے - اور اسے نہایت غور کی نظر سے دیکھنا چاہیئے ؛

اگرچہ برن ہارڈی کا طرز بیان پیچیدہ اور طویل ہے - اور اُس کے اکثر خیالات اُلجھے ہوئے ہیں - مگر اُس کے مدعا اور اصلی بحث کے سمجھنے میں غلطی کا ذرا بھی اِحتمال نہیں - اپنی کتاب کے دیباچہ میں جو کہ اکتوبر ۱۹۱۱ء میں یعنی پہلا آرمی ایکٹ پاس ہونے کے بعد لکھا گیا وہ اِس بات پر اظہار افسوس کرتا ہے - کہ جرمن پارلیمنٹ Reichstag جنگی اخراجات میں قطع و بُرید کرنے کی بہت شایق ہے - اور لکھتا ہے کہ اِن حالات نے مجھے اِس کتاب کے لکھنے پر آمادہ کیا ہے - اُس کی کتاب سر بسر اِس بات کی تائید کرتی ہے کہ جرمنی کو ایک بڑی جنگ کی تیاری کے لئے جو بہت جلد ہونی یقینی ہے - فوراً اپنی افواج میں بھاری اضافہ کرنا چاہیئے - وہ لکھتا ہے - کہ "ہمیں اپنی قوم کی

طاقت فراہم کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے"۔ اِس لئے یہی ایک نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے۔ کہ اِس کتاب کا مدعا دوسرے اور تیسرے آرمی ایکٹ کے لئے راستہ تیار کرنا تھا۔ جو کہ عنقریب ہی پاس کئے جانے والے تھے۔ اور اِس مطلب کے لئے صلح کی خطرناک محبت کا مقابلہ کرنا ضروری تھا۔ جو کہ اہلِ جرمن کی جنگی سپرٹ کو کمزور کرتی تھی۔ اور برن ہارڈی کی کتاب یہی مدعا حاصل کرنے کے لئے لکھی گئی تھی ؛

برن ہارڈی اپنی کتاب کو جنگ کے توصیفی راگوں سے شروع کرتا ہے۔ اور لکھتا ہے۔ کہ لڑائی تکلیف دِہ اور مجبوری ضرورت ہی نہیں۔ بلکہ بذاتہ ایک اچھی چیز ہے کہ دنیا میں تندرست ترقی اِسی پر مبنی ہے۔ یہ ایک اخلاقی ضرورت ہے۔ جس کا پولٹیکل معقولیت مطالبہ کرتی ہے۔ اور جسے خود قدرت نے تجویز کیا ہے۔ صرف جنگ کے ذریعہ ہی نا قابل سے قابل چھانٹے جائیں گے۔ تب ترقی کا اِمکان ہوگا۔ اِس وجہ سے ہر ایک سلطنت کے لئے جنگ کرنی نہ صرف جائز ہے بلکہ اس کا فرض ہے۔ کیونکہ "وہ اُس وقت تک اپنے عظیم اخلاقی انجام حاصل نہیں کر سکتی۔ جب تک کہ اُس کی پولٹیکل طاقت بڑھ نہیں جاتی"۔ طاقتور سلطنتیں چھوٹی سلطنتوں کو کمزور کرنے کا محض اِس لئے حق رکھتی ہیں۔ کہ وہ طاقت رکھتی ہیں۔ اور چھوٹی سلطنتیں صرف اِس جُرم کی پاداش میں تباہ ہونی چاہیئں۔ کہ وہ چھوٹی اور کمزور ہیں۔ طاقت سب

سے بڑا حق اور راستی ہے - اور علمِ زندگی کا منصفانہ فیصلہ جنگ کی عدالت سے صادر ہوتا ہے - کیا تم اسے حق تلفی کہتے ہو؟ - یہ کون کہہ سکتا ہے - کہ حق کیا ہے - حق صرف سلطنت کو کہتے ہیں - سلطنت سے بالا اور کوئی طاقت نہیں ہے - اور اُس کے فوائد کی کوئی حق مخالفت نہیں کر سکتا - کیا تم کہتے ہو - کہ یہ بات عیسائیت کے خلاف ہے - جس کی کہ بنیاد محبّت کے قانون پر رکھی گئی ہے؟ برن ہارڈی اِس سوال کا جواب یوں دیتا ہے - کہ محبّت کے قانون کا سلطنتوں کے تعلقات سے کوئی واسطہ نہیں - بلکہ وہ صرف ایک سلطنت کے باشندوں کے باہمی تعلقات تک محدودؔ ہے - اگر تم عیسائیّت کو پالٹیکس (ملکی اُمور) پر عائد کرو گے - تو تم فرائض کا تصادم کر دو گے - کیونکہ خود یسوع مسیح نے فرمایا ہے "میں دنیا پر صلح کرانے نہیں آیا - بلکہ تلوار دینے آیا ہوں" ہمیں جنگ کو پسند کرنا چاہیئے - اور جنگ مٹانے کے لئے جو کوششیں کی جاتی ہیں - اُنہیں نہ صرف بے وقوفی کہنا چاہیئے - بلکہ بالکل خلافِ اخلاق اور بنی نوع انسان کے لئے ہیچ سمجھنا چاہیئے - ہمیں سمجھ لینا چاہیئے - کہ پالیسی کا منتہائے خیال کبھی اور کسی حالت میں حصولِ امن نہیں ہو سکتا"

"سلطنتوں کے افعال کا اندازہ شخصی اخلاق کے معیار سے نہیں ہو سکتا - بلکہ سلطنت کے اخلاق کا اندازہ اس کی اپنی سرشت اور مطلب سے ہونا چاہیئے - اور سلطنت کی غایت

و غرض ہی صرف طاقت ہے - اِس لئے جب وُہ اپنی طاقت میں اضافہ ہوتا دیکھے - تو اُس کا فرض اور حق ہے - کہ جنگ کرے - اُسے یقیناً وقت بھی ایسا اِنتخاب کرنا چاہئے جو کہ اُس کے لئے مفید ہو - سلطنت کو جنگ اُس وقت کرنی چاہئے - جبکہ (۱) اُسے معلوم ہو - کہ اُس کے رقیب فوجی ذرائع میں اس سے طاقتور ہوتے نظر آتے ہیں - یا (۲) جب اُس کے رقیب اندرونی یا بیرونی دھندوں سے دبے ہوئے یا کمزور ہو گئے ہوں - ایسے موقعوں سے فائدہ نہ اُٹھانا مدبّروں کے نزدیک ایک گناہ ہے - سلطنت کی طاقت بڑھانے کے لئے کُھلم کُھلا اور جارحانہ جنگ کرنے کی اہمیت کی مثالوں سے جرمنی کی تواریخ بھری پڑی ہے - اور اس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے - کہ جرمنی نے ساری عظمت جنگ سے حاصل کی ہے "

برن ہارڈی اس کے بعد دکھلاتا ہے - کہ اِس وقت جرمنی کو جنگ کی ضرورت ہے - اُسے اپنے اِتحاد کے لئے جنگ کی ضرورت ہے - کیونکہ بہت سے جرمن یعنی ڈچ (ہالینڈ کے باشندے) اور سوئس (سوٹزرلینڈ کے باشندے) سلطنت جرمنی سے باہر ہیں - جب تک کہ بڑے جرمن دریا "رائین" Rhine کا منبع اور دہانہ دونوں جرمن علاقہ سے باہر ہیں - جرمنی کو اِس لئے جنگ کی ضرورت ہے - کہ وہ دنیا کی تہذیب (Culture) کا رہنما ہے - اور اُس کی تاریخی مشن اُسے مجبور کرتی ہے - کہ دنیا پر اپنی تہذیب کی

اِشاعت کرے - جرمن خیالات کی اِشاعت اُس کی پولٹیکل طاقت کی ڈھال سے ہی ہو سکتی ہے - اَور جب تک ہم اِس خیال کی پیروی نہ کریں - ہم اپنے انسانی فرائض سے غافل رہیں گے کہ اِس لئے معلوم ہوتا ہے - کہ جرمنی کا تاریخی مشن یہ ہے - کہ وہ ساری دنیا کو مطیع کر کے اُس پر جبراً جرمن تہذیب پھیلا دے - اور بقول برن ہارڈی کے " جرمنی کو جنگ کی آخری ضرورت اِس لئے ہے (اور یہ وجہ سب سے زیادہ اہم معلوم ہوتی ہے - کیونکہ اِس پر خاص طور پہ زور دیا گیا ہے) کہ اُسے نو آبادیوں کی ضرورت ہے - تا کہ وہ اِسے خام اجناس مہیا کریں - اُس کے مصنوعات کے لیے منڈیوں کا کام دیں - اور جرمنی کی زائد آبادی کیلئے ایسی نو آبادیاں بہم پہنچائیں - جہاں اُن کی قومیت بھی بحال رہے - جس وقت کرہ کی تقسیم ختم ہوئی تھی اُس وقت تک جرمنی کا شمار دنیا کی بڑی طاقتوں میں نہیں ہوتا تھا - اِس لئے ہم اب جو کچھ حاصل کرنا چاہتے ہیں - اُسے لڑ کر حاصل کرنا ہو گا - اَور لڑائی سلطنتوں کی زبردست طاقتوں کے ساتھ ہوگی - جرمنی کے لئے یہی موقعہ ہے - کہ وہ عالمگیر سلطنت بن جائے یا تباہ ہو جائے - اِس لئے ہمیں فیصلہ کرنا چاہئے - کہ کیا ہم عالمگیر سلطنت بننا چاہتے ہیں ؟ کیا ہم اِتنی قربانی کرنے کے لئے تیار ہیں جتنی کہ اِس انجام کو حاصل کرنے کے لئے کرنی پڑے گی ؟ آج ہمارے سامنے زندگی اَور موت کا سوال ہے - ہم دنیا میں اپنی پوزیشن قائم کرنے کے لئے کسی حالت

میں جنگ سے نہیں ٹل سکتے۔ اور سب سے اہم یہ سوال ہے۔ کہ اس جنگ کو زیادہ عرصہ کے لئے ملتوی نہ کیا جائے۔ بلکہ بہترین موافق حالات میں شروع کر دیا جائے"

لیکن وہ دشمن کونسے ہیں۔ جن کے خلاف عالمگیر سلطنت بنانے اور جرمن تہذیب کے پھیلانے کے لئے اتنی جلدی ایسی مقدس اور ضروری جنگ شروع کرنے کی ضرورت ہے؟ اس سوال پر بھی برن ہارڈی بغیر کسی شک و شبہ کے کہتا ہے۔ کہ "جرمنی کو تین حلیف سلطنتوں کے ساتھ جنگ کرنی ہوگی۔ جن میں سے ہر ایک جرمنی کا مختلف وجوہات سے قدرتی دشمن ہے۔ روس سلافیہ تحریک کا قائم مقام ہے۔ جس سے جہالت پھیلنے کا اندیشہ ہے۔ مگر برن ہارڈی کو اس کی چنداں فکر نہیں۔ فرانس کے متعلق وہ کہتا ہے:-

"ہماری پولیٹیکل حالت تب ہی معقول طور پر مستحکم ہوگی۔ جبکہ ہم کو اس خطرے سے قطعی اطمینان ہو جائے۔ کہ فرانس ہم پر موقعہ تاڑ کر حملہ کرے گا۔ اس لئے فرانس کو ایسا کچل دینا چاہیئے۔ کہ وہ کبھی ہمارے سدِّ راہ ہی نہ ہو سکے۔ لیکن یہ اپنا انجام حاصل کرنے کے لئے ایک تدبیر ہے۔ اور اس سے ہم بین الاقوامی پالیسی کے متعلق بالکل آزاد اور خودمختار ہو جائیں گے"

برن ہارڈی کی رائے میں جرمن حملے کا اصلی نشانہ انگلینڈ ہے۔ جس کی خوشگوار نو آبادیاں ساری دنیا پر پھیلی ہوئی ہیں انگلینڈ کے ساتھ عہد معاہدہ ایک دھوکا اور بیہودہ خیال ہے

جیسے کوئی سمجھدار جرمن مدبّر دھیان میں نہیں لا سکتا - انگریزوں کے ساتھ لڑائی کا اِمکان ہمیشہ ہمارے پیش نظر رہنا چاہئے اور ہمیں اپنی پولیٹیکل اور فوجی تدابیر کو اِسی کے مطابق ڈھالنا چاہئے حتٰے کہ اِنگلستان کے مکرّر اِتّحاد کی کوشش سے بھی اندھے ہو کر اصلی حالت بھولنا نہیں چاہئے - ہمیں اِن باتوں سے صرف اِتنا فائدہ اُٹھانا چاہئے - کہ اِس ضروری اور اٹل جنگ کو اُس وقت تک ٹالے جائیں - جب تک کہ ہمیں کامیابی کی کچھ اُمید نہ ہو جائے" ٭

اِس کے متعلق یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے - کہ پچھلے دو سال میں جرمن چانسلر اَور جرمن اخبارات اِنگلستان اور جرمنی کی بڑھتی ہُوئی دوستی کا اِعلان کرتے رہے ہیں -

برن ہارڈی کا یقین ہے - کہ سلطنتِ برطانیہ زوال پر ہے - اُس کی بڑی بڑی نو آبادیاں الگ ہونے کی فکر میں ہیں - اَور وہ ہندوستان اَور مصر کی قوم پرست تحریکوں سے خوف زدہ ہے - اِس کی تجارتی خوشحالی کو امریکہ اور جرمنی سیندھ لگا رہے ہیں - اور اس کا خیال ہے - کہ اِنگلستان نے یہ ناقابلِ تلافی غلطی کی ہے - کہ امریکہ کی خانہ جنگی میں جنوبی ریاستوں کی مدد کر کے ریاستہائے متحدہ کو تباہ نہیں کر دیا - چنانچہ برن ہارڈی دوسری سلطنتوں کو نصیحت کرتا ہے - کہ انہیں ایسی غلطی نہیں کرنی چاہئے - اگرچہ وہ اِس بات کو تسلیم کرتا ہے - کہ اِنگلستان ایسا ملک نہیں جس پر آسانی سے حملہ کیا جا سکے - کیونکہ وہ سمندر پر بلا شرکت غیری حکومت کرتا ہے ٭

برن ہارڈی نے اپنی کتاب کا ایک باب "اگلی بحری جنگ" کی نذر کیا ہے۔ یہ جنگ انگلستان اور جرمنی کی جنگ ہے۔ اِس کے متعلق برن ہارڈی نے جو سلسلہ بیان کیا ہے۔ اب اُسی پر عن وعن عمل ہو رہا ہے۔ کہ اصلی بیڑا قلعوں اور سرنگوں کے پیچھے چھپا ہوًا ہے۔ اور آبدوز کشتیوں اور ہوائی جہازوں کی مدد سے انگلستان کی فوقیت کو توڑنے کی کوشش ہو رہی ہے۔ لیکن ظاہر ہے۔ کہ برن ہارڈی اِس تدبیر کے چنداں کامیاب ہونے کی اُمید نہیں رکھتا۔ بلکہ اُس کا عقیدہ زیادہ تر پولٹیکل سازشوں کے حق میں ہے۔ اور اس کا خیال ہے۔ کہ ٹرکی کے ساتھ گانٹھ لینے کا یہ فائدہ ہوگا۔ کہ مصر اور ہندوستان میں پین اسلامی تحریک سے انگریزوں کے خلاف بے چینی پھیل جائے گی۔ اور امریکہ کے ساتھ اِس لئے دوستی بڑھانی چاہیئے۔ کہ وہ انگلستان کا تجارتی رقیب ہے۔ اِن دو بڑی سلطنتوں میں امن و مصالحت کے متعلق جو بات چیت ہوتی رہتی ہے۔ اُسے برن ہارڈی مکارانہ بیہودگی کہتا ہے۔ اٹلی کے متعلق اگرچہ برن ہارڈی خیال کرتا ہے۔ کہ "اُس نے عملی طور پر اتحاد ثلاثہ سے کنارہ کر لیا ہے۔ اور غالباً غیر جانبدار رہے گا" لیکن اُس کا قیاس ہے۔ کہ بحیرہ روم میں برطانیہ کی فوقیت کا اندیشہ اُس پر ضرور اثر انداز ہوگا۔ جیسے کہ روس کی نسبت بھی وہ خیال کرتا ہے۔ کہ ایران میں دونو سلطنتوں یعنی انگلستان اور روس کے فوائد ٹکر کھاتے ہیں۔ اِس لئے دانائی کے ساتھ اُسے بھی انگلستان سے جُدا کیا جا سکتا ہے۔

لیکن یہ سب کچھ کہہ دینے کے بعد برن ہارڈی کہتا ہے۔ کہ "ہم اُس وقت تک فیصلہ کن بحری فتح کی امید نہیں رکھ سکتے۔ جب تک کہ ہمیں خشکی پر فتح نصیب نہیں ہوتی اِس لئے اِنگلستان پر قابو پانے کا پہلا قدم برّ اعظم یورپ کی فتح ہے۔ اسی وجہ سے جرمن اپنی برّی افواج کی تقویت کو اِتنی اہمیت دیتا ہے"

برن ہارڈی اپنی سکیم کے مطابق نہایت احتیاط سے اُن افواج کی پڑتال کرتا ہے۔ جن کے ساتھ کہ جرمنی کو مقابلہ کرنا ہوگا۔ اُس کا اندازہ ہے۔ کہ فرانس ۲۳ لاکھ اعلےٰ جنگجو سپاہی میدان میں لا سکتا ہے۔ اور شاید ساڑھے بارہ لاکھ دوسرے درجہ کی سپاہ رکھتا ہے۔ اور وہ ایک لاکھ بیس ہزار ٹارکوز بھی الجیریا سے منگا سکتا ہے۔ کچھ عرصہ بعد وہ اپنی افریقن افواج کی تعداد بھی بڑھا سکتا ہے۔ اور یہی ایک نمایاں وجہ ہے۔ کہ اُس پر جلدی حملہ ہونا چاہیئے۔ تا کہ اُسے افواج کی تعداد بڑھانے کا موقعہ نہ ملے۔ روس کے پاس آدمیوں کی تعداد بہت زیادہ ہے لیکن وہ مغربی رزمگاہ میں بیس لاکھ سے زیادہ نہیں لا سکتا۔ اِنگلستان ایک لاکھ تیس ہزار آدمی کی مہمی فوج یورپ میں بھیج سکتا ہے۔ اِس سے زیادہ ہرگز نہیں بھیج سکتا۔ اس کی انگلستانی فوج باہر کام نہیں دے سکتی ہندوستانی فوج ہندوستان کی بغاوت فرو کرنے میں مصروف ہوگی۔ اور برطانیہ کی نو آبادیوں میں میلیشیہ کے سوا اور کوئی فوج ہی نہیں جو یورپین جنگ میں لڑنے کے قابل

ہو - یہ بری افواج ہیں - جن کے ساتھ جرمنی کو واسطہ پڑے گا - برن ہارڈی ایک مہمل بات لکھتا ہے - کہ اُسے اپنے کارگذار حلیف آسٹریا اور ٹرکی پر بھروسہ ہے - مگر اس بات کی تفصیل دینے سے ٹلتا ہے - کہ جرمنی اور اس کے حلیف کتنی سپاہ میدانِ جنگ میں لا سکتے ہیں - اگرچہ وہ اِس بات کو تسلیم کرتا ہے - کہ دشمن کی سپاہ کی تعداد جرمنی سے زیادہ ہوگی - اس لئے اُسے ہر ایک مرد کو جنگی خدمات کے لئے تیار اور ہتھیاروں سے مسلح کرنا چاہیئے۔ مگر برن ہارڈی کی رائے میں اِتنا ہی کافی نہیں - اس لئے تاکید کرتا ہے - کہ" ہمیں دشمن پر فتح پانے کے لئے دوسرے ذرائع اختیار کرنے چاہئیں - اور یہ ذرائع روحانی مملکت میں ہی دستیاب ہو سکتے ہیں"

برن ہارڈی اِس بات کی تشریح نہیں کرتا - کہ روحانی ذرائع سے اُس کی کیا مُراد ہے - اور تعجب یہ ہے کہ جارحانہ جنگ ایسی چیز کے لئے روحانیت پر بھروسہ کرتا ہے - جِس کا کہ وہ اتنا حامی ہے - وہ صرف اِتنا بتلاتا ہے - کہ" جرمنوں کو اُن ذرائع میں فوقیت حاصل کرنی چاہیئے - جن پر کہ آخری فیصلہ کا دار و مدار ہے - اس طریق عمل سے ہمیں دشمن پر روحانی - اور نتیجۃً مادی فتح نصیب ہوگی" اِس سے ظاہر ہوتا ہے - کہ یہ روحانی ذرائع ۱۷ انچ کی کرپ کی توپیں - زیپلن قسم کے ہوائی جہاز اور ظالمانہ طریقے تھے -

برن ہارڈی بری جنگ کی تفصیلات پر اُس آزادی سے

بحث نہیں کرتا - جس سے کہ بحری جنگ کی تفصیلات پر کرتا ہے - لیکن ایک بات صاف ہے - کہ وہ اپنی کتاب کے بہت بڑے حصّہ میں یہی کہتا ہے - کہ حملہ جرمنی کے دشمنوں کی طرف سے ہوگا - اگرچہ وہ اِس بات کو دباتا ہے - کہ پہلا وار جرمنی کرے گا - تاکہ اُسے ابتداء کرنے کے فوائد حاصل ہوں - اور اگرچہ وہ ایک جگہ اِس بات کو تسلیم بھی کرتا ہے - کہ انگلستان اپنی تجارت کی بربادی کے اندیشہ سے جرمنی پر پہلے حملہ کبھی نہیں کرے گا - اور اِس طرح وہ چالاکی سے اپنے تاجروں اور اور امن پسند شہریوں کو اپنی معصومیّت کا اطمینان دلاتا ہے ۔

برن ہارڈی مذکورہ بالا نُقطۂ خیال کو مدِّ نظر رکھتا ہؤا صاف لکھتا ہے - کہ انگلستان اور فرانس ہالینڈ اور بلجیم کے راستے سے جرمنی پر حملہ کریں گے - اور ان دونو ملکوں کی غیر جانبداری پر دست درازی کرنے سے بھی کوتاہی نہیں کریں گے - اِس سے بہ آسانی قیاس کیا جا سکتا ہے - کہ برن ہارڈی کی رائے میں جنگ شروع کرنے کے لئے مذکورہ بالا دونو یا اُن میں سے ایک کی غیر جانبداری پر دست درازی ضروری اور بالکل قدرتی بات تھی - اور شاید بلجیم پر حملہ کرنے کی پہلے سے تیاری تھی اِس لئے وہ سوال اُٹھاتا ہے - کہ "پچھلی صدی کے ابتداء میں جو عہد نامے کئے گئے تھے - کیا وہ ہمیشہ کے لئے قائم رہ سکتے ہیں یا رہنے چاہئیں ؟ اور کہنا

ہے۔ کہ جب بلجیم کی غیر جانبداری تسلیم کی گئی۔تو کسی کو اس بات کا وہم و گمان بھی نہ تھا۔ کہ وہ افریقہ کے ایک بہت بڑے اور زرخیز علاقہ پر قابض ہو جائے گا۔ اس لئے سوال ہو سکتا ہے۔ کہ کیا یہ ملک گیری بذاتہ غیر جانبداری کی خلاف ورزی نہیں ہے؟ بتلائیے۔ ایک مسلمہ عہد نامے کی خلاف ورزی کے لئے اس سے زیادہ کمزور اور بیہودہ دلیل اور کیا ہو سکتی ہے؟ برن ہارڈی یہ نہیں بتلاتا۔ کہ جب اُس نے کانگو فری سٹیٹ قائم کئے جانے کی رضا مندی دی تھی۔ تب جرمنی نے یہ اعتراض کیوں نہیں اُٹھایا۔ لیکن اُس کا مقصد تو اُن عذرات کی تلاش و جُستجو ہے۔ جن کی بناء پر جرمنی عہد نامہ غیر جانبداری کو توڑ سکے۔ جس کے لئے کہ وہ نہایت مضطرب ہے مگر جرمن چانسلر نے اس عُذر سے فائدہ نہیں اُٹھایا۔ بلکہ اُس نے صرف اتنا کہا ہے۔ کہ "راستہ حاصل کرنے کے لئے مجبوری تھی" ۔

ذرائع چاہے کچھ ہی ہوں۔ اور جد و جہد کا طریقہ کچھ ہی ہو۔ مگر بقول برن ہارڈی کے "سب سے ضروری بات یہ ہے۔ کہ سلہ ۱۹ع میں جرمنی نے محسوس کیا۔ کہ جتنی جلدی بھی ممکن ہو۔ سارا زور لگا کر اُسے عالمگیر طاقت بن جانا چاہیئے۔ چنانچہ برن ہارڈی کہتا ہے۔ کہ "ہمیں قدرت نے اپنی افواج کو جمع کرنے اور خوفناک جنگ کی تیاری کے لئے جو مہلت دی ہے۔ وہ جلدی ہی گذر جائے گی۔ ہمیں اس سے فائدہ اُٹھانا چاہیئے۔ یہ

نقطۂ خیال ہے ۔ جس سے کہ ہمیں بحری اور بری جنگ کے لئے تیاری کرنی چاہئے ۔" اور اس کے بعد ۱۹۱۲ء و ۱۹۱۳ء کے فوجی ایکٹ اور بحری تخمینے منظور ہوئے ۔

برن ہارڈی کی کتاب کا یہ خلاصہ ہے ۔ ساری قوم کی طرف سے جارحانہ حملہ کا پروگرام اس سے واضح کبھی ظاہر نہیں کیا گیا ۔ اور اگر ہم اسے جرمن گورنمنٹ کا نیم سرکاری اعلان سمجھیں ۔ تو یہ کتاب اتنی ہی توجہ کی مستحق ہے ۔ جتنی کہ ہم نے اسے دی ہے ۔ اگرچہ وہ بہ لحاظ خوبیوں کے بالکل حقیر ہے ۔ اور اس کتاب کو نیم سرکاری اعلان سمجھنے کے لئے یہ دلائل بہت کافی ہیں ۔ کہ وہ ایسے وقت اور ایسے حالات میں شائع کی گئی ہے ۔ اس کی اتنی قدر ہوئی ہے ۔ اور جنگی تیاریوں اور پولٹیکل چالوں اور واقعات جنگ کے متعلق اس میں جو خیالات ظاہر کئے گئے تھے وہ عملی طور پر تقریباً ایسے ہی ظہور میں آئے ہیں ۔

اگر برن ہارڈی کی کتاب ہی اکیلی ہوتی ۔ یا اگر جرمن گورنمنٹ اور جرمن پریس اس سے کسی طرح بے واسطگی ظاہر کر دیتا ۔ تو بلا شبہ ہم اسے جرمن رعایا یا جرمن گورنمنٹ کا جذبہ نہ سمجھتے ۔ لیکن یہ کتاب ہی اکیلی نہیں ۔ برن ہارڈی کی کتاب میں کئی نئی اور نمایاں چیزیں ہیں ۔ مثلاً (۱) اُن افواج کا صحیح اندازہ جن سے جرمنی کو مقابلہ کرنا ہے (۲) یہ بیان کہ ۱۹۱۱ء میں موقعہ تھا ۔ کہ وہ یا تو کھلم کھلا جارحانہ کارروائی شروع کر دے ۔ یا ہمیشہ کے لئے دوسرے درجہ کی سلطنتوں میں شامل ہو جائے

(۳) اُس کا یہ مطالبہ کہ جرمنی کو فوراً اِس بات کے لئے آمادہ ہو جانا چاہئے ۔ کہ اپنی تمام طاقت کو اُن جنگی تیاریوں میں لگا دے ۔ جو کہ کتاب شائع ہونے کے بعد جنگ چھڑنے تک کے عرصہ میں ہوتی رہی ہیں (۴) وہ خیالات جو کہ بنیادی پولٹیکل مسائل اور جرمنی کے حقیقی فوائد کی نوعیت کے مظہر ہیں ۔ اور جن پر یہ نتائج مبنی ہیں ۔ اور جن اُمور سے یہ نتائج اخذ کئے گئے ہیں ۔ یہ سب باتیں پچھلے کئی سال تک جرمنی میں پولیٹکل خیالات کی ایک عظیم درسگاہ کے لئے بحث و مباحثہ کا مضمون بنی رہی ہیں ۔ در اصل برن ہارڈی کے بیانات اور تجاویز اُن بیانات و تجاویز کے مقابلہ میں نہایت معتدل ہیں ۔ جو بعض لیگوں (سوسائٹیوں) اور کلبوں کی طرف سے شائع ہوئے ہیں ۔ جن کی مستعدی پچھلے چند سال سے جرمن پالٹیکس کا ایک نمایاں عنصر رہا ہے +

مذکورہ بالا مجلسوں اور جماعتوں میں سب سے زیادہ اہم نیوی لیگ (صیغۂ بحری کی مجلس) ہے ۔ جس کے ممبر لاتعداد ہیں ۔ اور اِن ممبروں میں ہزاروں سکول ماسٹر (مدرس) بھی شامل ہیں ۔ نیوی لیگ براہِ راست امیر البحر وان ٹرپز Admiral von Tirpitz کی سرپرستی میں چلتی ہے ۔ جو کہ بحری سکرٹری کی حیثیت سے عرصہ تک جرمن گورنمنٹ کا سب سے طاقتور ممبر رہا ہے ۔ وہ دیکھتا ہے کہ چانسلر اور وزیر خارجیہ آتے اور جاتے ہیں ۔ مگر

وہ اپنی جگہ پر اٹل قائم ہے - قیصر کے ہمراہ نئی جرمن بحری طاقت کا جنم داتا ہونے کے علاوہ تا سے اس پالیسی کا سب سے زبردست حامی سمجھا جائے۔ تو بالکل بجا ہے ۔جس کی خاطر جرمنی کی بحری طاقت بنائی گئی ہے لیکن نیوی لیگ اکیلی مجلس نہیں - ایک آرمی لیگ (فوجی مجلس) بھی قائم ہے - جس کا کام یہ تھا - کہ فوج کی ابتدادی کے حق میں پبلک رائے پیدا کرے ان سب سے بالا تر ایک پان جرمنسٹ لیگ (عالمگیر جرمن مجلس) ہے ۔جس کے مقاصد یہ ہیں - کہ اول مدارس اور دوسرے ذرائع سے اُن جرمنوں کی جماعتیں ترتیب دے - جو دوسرے ملکوں (بالخصوص جنوبی امریکہ) میں آباد ہیں - تا کہ وہ اپنی علیحدہ قومیت کو قائم رکھیں۔ دوسرے جرمنی اعظم کے نام نہاد بکھرے ہوئے حصّوں ہالینڈ - بلجیم - سوئٹزرلینڈ - آسٹریا اور روس کے اُن صوبجات کو جو بحیرۂ بالٹاک سے ملحق ہیں - اُنہیں پھر مادرِ وطن سے متحد کرنے کا مطالبہ کرے -اور عام طور پر شاہ پرستی کا جذبہ پیدا کیا جائے - وقتاً فوقتاً جب پان جرمنسٹ لیگ کا جوش خروش بہت بلند ہو جاتا تھا - جیسا کہ مراکو کے مبحث کی مختلف منزلوں میں ظہور پذیر ہوتا رہا ہے - تو گورنمنٹ کی طرف سے اِس کی نگہداشت بھی ہوتی رہی ہے - لیکن اِس نے اپنا فرض اسی پبلک رائے کی سلامی میں ادا کیا ہے - جس پر کہ گورنمنٹ کو اچھی طرح قابو حاصل ہے - سلامی کے گیت میں ڈھول

کی آواز تان کو چاہے لگاڑ دے - مگر اس کے یہ معنی نہیں - کہ سلامی میں ڈھول کا کوئی حصّہ نہیں - یہ تمام مجلسیں سالہا سال تک مختلف طریقوں سے انہیں اصولوں کا وعظ کرتی رہی ہیں - جنہیں حال میں برن ہارڈی نے ظاہر کیا ہے ۔

اس سے بھی زیادہ اہم بات یہ ہے - کہ جرمن مؤرخوں کے اس گروہ کی تصانیف میں جنہوں نے انیسویں صدی کے آخری نصف حصّہ میں نہ صرف جرمن علوم کی تواریخ بلکہ جرمن پولیٹیکل عقائد میں بھی خاص حصّہ لیا ہے - جنرل برن ہارڈی کے خیالات در اصل زیادہ صاف اور بعض اوقات معقول طور پر واضح ہیں [illegible] ڈرائے سن [illegible] سائبل اور باقیوں نے اپنی لیاقت اور شاعرانہ طاقتوں کو کثیر التعداد رسالوں میں ہی نہیں لگا دیا - بلکہ بہت بڑی گرمجوشانہ تاریخی کتابیں بھی اس مقصد کے لئے وقف کردی ہیں - کہ جرمنی کی شان و شوکت سے ہی پہلے جرمن اتحاد ہوگا - اور جرمن عظمت حاصل ہوگی چونکہ جرمنی ایسا ملک ہے - جہاں بڑی کتابیں خاص دلچسپی سے پڑھی جاتی ہیں - اور لوگ ان کتابوں سے بڑے متاثر ہوتے ہیں - اور وہ علماء کی تحریروں کی قدر کرتے ہیں - اس لئے جرمن مورخوں کا ہر دلعزیزی کے پیدا کرنے میں نمایاں حصہ ہے - جو بسمارک کے کام سے جرمنی میں حاصل ہوئی ہے - حتےٰ کہ بہت مورخوں نے محبّ الوطنی کا درجہ علوم سے اونچا کر دیا ہے - اور ان کا مقولہ ہے -

کہ راستی بہت مرفع چیز ہے ۔ مگر جرمنی کی محبت اُس سے مرفع تر ہے ۔ چنانچہ اکثر موّرخوں کو اِس بات کا اطمینان تو ہوگیا ۔ کہ اُنہوں نے جرمنی میں حب وطن کی زبردست لہر پیدا کر دی ۔ مگر اُن کی کتابیں جلدی ہی لوگوں کی نظر سے گر گئیں ۔ کیونکہ ان تمام لوگوں کو معزولی نصیب ہونی لازمی اور یقینی ہے ۔ جو کہ کسی معاملہ کو ثابت کرنے ۔ کسی مقصد کو حاصل کرنے یا صداقت پسندی کے علاوہ کسی اور غرض سے تاریخ نویسی کا کام کرتے ہیں ۔ یہ موّرخ اپنے خیال کی پیروی میں متعصب شائقِ جرمنی کی ہر ایک حرکت کو جائز قرار دیتے ہوئے بہت سے ایسے افعال و اعمال کو بھی جائز بلکہ بعض اوقات مقدس بتلاتے تھے ۔ جن پر صادق تاریخ نویسی بلا تامل ملامت کرتی ہوگی ۔ جیسا کہ فریڈرک اعظم کے افعال تھے ۔ چونکہ جرمنی کی عظمت در اصل وحشیانہ افعال اور اکثر عہد و پیمان کی خلاف ورزی سے حاصل کی گئی ہے ۔ اِس لئے اُنہوں نے اُس فلسفہ کی بنیاد رکھی ۔ جس کا کہ برن ہارڈی نے حال ہی میں اظہار کیا ہے ۔

بلاشبہ جرمن موّرخوں میں سب سے بڑا موّرخ ہنری وان ٹریٹشکے Heinrich von Treitschke تھا ۔ یہ پرکالۂ آتش فصیح اور تند خو شخص جس کی ہمدردی کہ ہمیشہ سخت اور جابرانہ افعال کے ساتھ رہی اگر بہرہ نہ ہوتا ۔ تو پروفیسر کی بجائے سپاہی بنا ہوتا ۔ وہ جرمنی کی خاطر پروفیسری کی کرسی پر اُسی جانبازی

سے لڑتا رہا ہے - جس تن دہی سے کہ خندقوں میں لڑتا رہیگے Ranke جو بے لاگ تواریخ کا حامی ہے برلن یونیورسٹی میں ایسے اندھے طرفدار پروفیسر کے تقرر پر افسوس کرتا تھا - لیکن بائیس سال کے عرصہ میں جبکہ وہ ۱۸۷۴ء سے ۱۸۹۶ء تک برلن میں پروفیسری کرتا رہا - تو اُسے حیرت انگیز عروج حاصل رہا - اُس کے لیکچر کا کمرہ نہ صرف طالبعلموں سے بھرا ہوتا تھا - بلکہ شہزادے - سپاہی - مدبر اور حکام بہ کثرت موجود ہوتے تھے - وہ دار السلطنت پرشیا بن جرمنی کی حکمران جماعتوں کا محرک اور اُستاد تھا - جس کی کتابوں کا وُہی اثر تھا - جس کا مقابلہ انگلینڈ میں میکالے اور کارلائل کے متفقہ اثر سے کیا جا سکتا ہے - لیکن تحریر و تقریر کی دُنیا میں جو ساحرانہ قدرت نہ صرف لیکچر کے کمرے کے اندر بلکہ جرمن پارلیمنٹ میں پروفیسر ٹریٹشکے کو حاصل تھی - وہ ایسی چیز تھی - کہ نہ کارلائل کو نصیب ہوئی اور نہ ہی میکالے کو پورے طور پر ملی تھی - اُس کے کام کی شہرت جرمنی کے باہر کبھی نہیں ہوئی - حتےٰ کہ اُس کی سب سے بڑی تصنیف "انیسویں صدی کی جرمن تواریخ" جو اپنی فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے اپنے زمانہ کی عظیم ترین تاریخی کتابوں میں شمار ہوتی ہے - وہ بھی کبھی انگریزی میں ترجمہ نہیں ہوئی - اِس کی وجہ ظاہر ہے - وہ ابتداءً مورخ کی حیثیت سے نہیں بلکہ جرمنی کے نبی یا مدّاح کی طرح

لکھنا شروع کرتا ہے۔ اور جرمنی سے مُراد متحدہ جرمنی لیتا ہے جس کی ترتیب اور انتظام پرشیا کے ہاتھ میں ہو۔ اور اس کی رہبری میں ساری دنیا کو فتح کرنے کی آرزو رکھتا ہے۔ پرشیا اور جرمنی کے سوا وہ تمام قوموں کو قابلِ نفرت اور حقیر سمجھتا ہے۔ جن میں سب سے زیادہ حقیر قابلِ نفرین وہ "مکار"۔ "دھوکے باز" اور "حریص" انگلستان کو خیال کرتا ہے۔ جس کا نام کہ وہ تبرّہ سُنائے بغیر لینا گوارا نہیں کرتا۔ کیونکہ انگلستان نے جرمنی کی کمزوری کے دنوں میں بیرونی دنیا کے حصّوں پر چالاکی اور مکاری سے قبضہ کر لیا۔ جن پر کہ جرمنی کی زبردست "تلوار کا حق تھا"۔ ٹریشکے نے جس طرح مورّخ کی حیثیت سے کام کیا۔ اُسی طرح شاعر کی حیثیت سے جدید جرمنی کے دل کو اُس کے ماضی کے غرور سے بھر دیا۔ اور ساتھ ہی مستقبل کے متعلق بھی رعونت سے بھرپور کر دیا۔ اور سلطنت پرشیا کی تواریخ میں اُس نے اُن ہتھیاروں کو بتلا دیا ہے۔ جن سے کام لے کر کے اپنے مستقبل کو حاصل کیا جائے گا۔

ٹریشکے نے صرف تاریخی مضامین پر تقریر یا تحریر نہیں کی۔ بلکہ اُس پولیٹیکل مسئلہ اور اُن اصولوں پر بھی لکھا اور بولا۔ جن کی نسبت کہ وہ کہتا ہے۔ کہ یہ سلطنت پرشیا (جرمنی) کے عمل کا ترجمہ ہے۔ جس کی مثالیں الکٹر اعظم Great Elector فریڈرک اعظم اور پرنس بسمارک نے پیش کی ہیں۔ یہ

پولیٹیکل تھیوری لیکچروں کی دو جلدوں میں بیان کی گئی ہے
جن کا عنوان ڈائی پالٹک Die Politik ہے -
اور یہی کتاب برن ہارڈی کے مسائل کا منبع و ماخذ ہے
ٹریشکے اُن چھ مصنفوں میں سے ایک ہے - جن کا کہ
برن ہارڈی نے اپنی کتاب میں حوالہ دیا ہے - دوسرا مصنف
کلازوز Clausewitz ہے - جو کہ جرمنی کے جنگی
مسائل کا مسلمہ شارح ہے - لیکن جہاں کلازوز کا ایک
مرتبہ حوالہ دیا گیا ہے - وہاں ٹریشکے کا بیس مرتبہ دیا
ہے - بات بات میں وہ "قومی مورخ" کا حوالہ دیتا ہے
گویا وہ اِسے سب سے بڑی سند اور کتاب ڈائی پالٹک
کو جرمن پولیٹکل مسائل کی اِنجیل مانتا ہے ؞

اِس مشہور کتاب کے مضمون کی مفصل چھان بین کی
ضرورت نہیں - کیونکہ ہم نے موٹے طور پر اُس کی پڑتال
کر دی ہے - جس صورت میں کہ اُسے برن ہارڈی نے
پیش کیا ہے - ٹریشکے کہتا ہے - کہ انسانی تاریخ میں
سب سے بڑی چیز سلطنت کی ہستی ہے - دنیا میں
سلطنت سے بڑی کوئی چیز نہیں - اِس لئے اِنسانیت
اور تہذیب کے موہوم دعاوی کو اِس سے اونچی جگہ نہیں
دی جا سکتی - سلطنت کا سب سے بڑا اخلاقی فرض
اپنی حفاظت اور اپنی طاقت کی استقامت و وسعت
ہے - کیونکہ سلطنت طاقت ہے اور انصاف یا آزادی
نہیں - بلکہ طاقت ہی اِس کا اکیلا مقصد و مدعا ہے
جو بات سلطنت کی طاقت کو بلند کرتی اور جائز ٹھیراتی

ہے۔ یہی ہے ۔ کہ اس کی موجودگی سے تہذیب کی موجودگی ممکن ہو جاتی ہے۔ اور اس کی ترقی سے تہذیب کی ترقی کا امکان ہے ۔ لیکن جس تہذیب کی اشاعت سلطنت کا فرض ہے ۔ وہ عام تہذیب و اخلاق نہیں ۔ بلکہ خاص قسم کا اخلاق و تہذیب ہے ۔ جس نے اپنی خاص حدود کے اندر نشو و نما پائی ہو ۔ قدرتی ذریعہ جس سے کہ ایک سلطنت طاقت حاصل کرتی اور اپنی تہذیب کو پھیلاتی ہے ۔ جنگ ہے ۔ جو کہ سلطنت کا سب سے بڑا کام ہے ۔ جنگ سب سے زیادہ شفا بخش ہے۔ کیونکہ وہ شہری کی سپرٹ اور اپنے آپ کو اپنی سلطنت کی عظمت کے لئے قربان کرنے پر آمادہ رکھتی ہے ۔ زندہ خدا دیکھے گا ۔ کہ جنگ انسانیت کے لئے ہمیشہ خوفناک دوائی کی صورت میں یاد رہے گی ۔ یہ قانونِ قدرت ہے ۔ ایک اخلاقی ضرورت ہے ۔ ترقی کے لئے یقینی ذریعہ ہے ۔ کیونکہ جو سلطنت جنگ میں فتح حاصل کر سکے اپنی مردنگی کا ثبوت دیتی ہے ۔ یہی سلطنت ہے ۔ جس کی تہذیب کو بقا کا حق حاصل ہے اس کے یہ معنی نہیں ۔ کہ وہی سلطنتیں کچھ قدر و قیمت رکھتی ہیں ۔ جو اپنی اور اپنی تہذیب کی حفاظت کر سکتی ہیں ۔ چھوٹی سلطنتیں شریر ہیں ۔ کیونکہ وہ خوف سے اپنی زندگی بسر کرتی ہیں ۔ اور اس لئے کسی مردانہ تہذیب کو ترقی نہیں دے سکتیں ۔ تواریخ میں ترقی کا قانون یہی ہے ۔ کہ چھوٹی سلطنتوں کو بڑی سلطنتیں

نِگل [illegible] چہ سلطنت ہی طاقت ہے۔ جو کسی
قانون پر عملدر آمد کرانے کا ذریعہ ہو سکتی ہے۔ تاہم
بین الاقوامی قوانین بھی "کچھ لے اور کچھ دے" کے اصول
پر بنائے جا سکتے ہیں۔ جو بڑی اور ہمسایہ سلطنتوں کے
تعلقات پر اثر انداز ہو سکتے ہیں۔ لیکن بین الاقوامی
قانون ایک خاص حد تک موثر ہوگا۔ اور وہ کسی
سلطنت کی خود حفاظتی یا اُس کی طاقت کی اِستقامت
میں مانع نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ سلطنت کے لیے
یہ دونو فرض مقدم تر ہیں۔ کوئی سلطنت مستقبل
کے لیے اپنے آپ کو پابند نہیں کر سکتی۔ اِس لیے
جو معاہدے کہ کسی سلطنت کی طرف سے کیے جائیں
وہ اُس وقت تک جائز اور اثر پذیر ہوں گے۔ جب
تک کہ حالات تبدیل نہ ہو جائیں۔ یا یوں کہو۔ کہ
جب تک وہ معاہدے سلطنت کی تہذیب۔ ہستی یا
طاقت کی کسی حالت میں مانع و مخالف نہ ہوں۔ اور
چونکہ سلطنت سے بڑی کوئی طاقت نہیں۔ اِس لیے
سلطنت ہی اس بات کا فیصلہ کرے گی۔ کہ آیا اِس
کے پہلے معاہدے اس کی تہذیب۔ طاقت یا فوائد کے
خلاف تو نہیں۔ کسی سلطنت کا نا قابلِ عفو گناہ یا
یوں کہو کہ خدا کی نظر میں پولٹیکل گناہ ضعف و ناتوانی
ہے۔ جس کمزوری کی وجہ سے کہ وہ اپنی طاقت کو
بڑھا نہیں سکتی۔ جو کہ سب سے بڑا اخلاقی فرض ہے
اور جس کمزوری کی وجہ سے وہ اپنے آپ کو معاہدوں

میں باندھنا منظور کرتی ہے - خواہ وہ کیسے ہی حالات اور اوقات میں کئے گئے ہوں - یہ معاہدے سلطنت کی طاقت کے لئے آیندہ مفید نہ ہونگے " ہم نے ان الفاظ میں پروفیسر ٹریشکے کے اصول کی مختصر کیفیت بیان کردی ہے یہ باتیں نہ صرف برن ہارڈی کی کتاب میں بلکہ بعد میں ۱۹۱۴ء کے سرما کے سلطنت جرمنی کے افعال میں جس طرح ظہور میں آئی ہیں - وہ [illegible] جس قسم کے مسائل کی ہم نے تشریح کی ہے - اسے آج کل کے جرمن اکثر اصلی پالٹیکس Real politik کہتے ہیں - وہ پالٹیکس جن سے کہ واقعات کو اصلی صورت میں پیش کیا جاتا ہے جن میں حقیقتوں کا ذکر ہوتا ہے اور [illegible] جذبات سے ڈھانپا نہیں جا سکتا - [illegible] اپنے ہیرو فریڈرک اعظم کی تعریف کرتا ہے کہ وہ سب سے بڑا راست باز تھا - جب ہم اس بات کا خیال کریں کہ یہ اصطلاح ایسے آدمی کے لئے استعمال کی گئی ہے - جس نے جدید تواریخ میں سب سے زیادہ عہد شکنی کی ہے - تو نہایت تعجب ہوتا ہے - لیکن اس سے ٹریشکے کی یہ مراد ہے - کہ فریڈرک اعظم نے کبھی مصنوعی باتوں سے دھوکا نہیں کھایا - اور کبھی جھوٹے حیلے نہیں کیے - اس نے اپنی قدرت بڑھانے اور اپنے فوائد کے حاصل کرنے کے لئے ہر ایک قسم کے ذرائع اختیار کیے - جیسا کہ دوسرے لوگ بھی کرتے ہیں - لیکن اس نے اس بات کو چھپانے کے [illegible]

کوئی چیلے حوالے نہیں کئے۔ اور ٹریٹشکے انگلستان سے کیوں بہت متنفر تھا۔ اس کی ایک وجہ یہ تھی۔ کہ (بقول ٹریٹشکے کے) انگلستان اگرچہ خود اپنی طاقت کو بڑھانے کے لئے دوسری سلطنتوں کی نسبت زیادہ حرص اور کامیابی سے کام لیتا تھا۔ لیکن وہ ظاہر ہمیشہ یہی کرتا تھا۔ کہ وہ نہایت ہی اونچے خیالات سے یعنی آزادی کی محبت اور مظلوم قوموں کی ہمدردی کی تمام عہد و پیمان کر کے حکومت کرتا ہے۔ یعنی ٹریٹشکے کے نزدیک محض جھوٹ اور محض ذہنی بزدلی فریڈرک اعظم کے اس کھلم کھلا اعتراف سے بدرجہا بدتر ہے۔ کہ سب سے بڑا اخلاقی مقصد زبردستی طاقت حاصل کرنا ہے۔ اور یہ کہ سلطنتیں اسی طرح جنگ کے ذریعہ قدرتی اور جائز طور پر یہ چیزیں حاصل کرتی ہیں۔ جس طرح کہ جنگل کے درندے حاصل کرتے ہیں۔

ہم ایسے اصولوں کی بابت کیا کہہ سکتے ہیں۔ انہیں صرف یہ کہہ کر رد کر دینا کافی نہیں۔ کہ وہ وحشیانہ تمام اخلاق اور نفرت انگیز ہیں۔ ممکن ہے۔ یہ ایسے ہی ہوں یا شاید صحیح بھی ہوں کیا ہم نہیں کہہ سکتے۔ کہ انسانی سوسائٹی کی زندگی پر ڈارون کا قاعدہ لگانا کہ زندگی کے لئے جد و جہد ضروری ہے۔ نہ صرف غلط ہے۔ بلکہ ان امور کے سراسر خلاف ہے۔ جو انسان کو حیوانوں سے ممتمیز کرتے ہیں۔ اور جو در اصل تہذیب کا لازمی جزو ہیں۔ انسان کا فوتسلہ

ہے۔ کہ قدرت کا عمل چاہے کچھ ہی ہو۔ اگر اس سے
ہو سکا۔ تو کمزور کو تباہ و پامال نہیں ہونے دے گا۔
اور وہ اپنی سلطنتیں جن وجوہات سے ترتیب دیتا ہے
اُن میں ایک بھاری وجہ یہ ہے۔ کہ وہ نہ صرف
محسوس کرتا ہے۔ کہ کمزور ہستیاں اکثر اوقات طاقتوروں
کی نسبت اِس بات کی زیادہ مستحق ہیں۔ کہ اُن کی
زندگی بچائی جائے۔ بلکہ چاہتا ہے۔ کہ کمزور اِس لئے
زندہ رہیں۔ کہ وہ کمزور ہیں۔ اگر تمہیں یہ دیکھنا
منظور ہو۔ کہ اِنسان اپنے اِس ارادے میں نہ صرف
اپنے بہادروں اور مہاتماؤں کے متعلق بلکہ معمولی آدمیوں
کے متعلق کتنا مضبوط ہے۔ تو فوا ٹائی ٹانک *Titanic*
جہاز کے ڈوبنے کا تصور کرو۔ جو گہرے سمندر میں برف
کے تودے کے پاس کھڑا ہے۔ اُس بڑے مجمع میں جو
ناگہانی طور پر یقینی موت کے مُنہ میں جانا پڑتا ہے۔
زبردستوں کی بقا یا جاہلانہ طاقت کا کسی کو خیال
تک نہیں آتا۔ بلکہ جس بات کا وہ فخر سے یقین
دلاتے ہیں۔ وہ کمزوروں کا بچاؤ ہے۔ اور وہ مرتے دم
عورتوں اور بچوں کو کشتیوں پر سوار کراتے ہیں۔
اگر اِس کا جواب دیا جائے۔ کہ یہ شخصی اخلاق ہے۔
اور اِس کا سلطنتوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ تو
جواب یہ ہے۔ کہ سلطنتیں بھی افراد کا مجموعہ ہیں
اور افراد ہی ان کا انتظام کرتے ہیں۔ جو اپنے افعال
میں اپنے بنیادی عناصر سے متاثر ہوئے بغیر نہیں

رہ سکتے۔ اور اِن عناصر میں حرص۔ خوف اور نفسانیت وغیرہ کئی بڑے جذبات موجود ہیں۔ لیکن اُن میں غیرت اور ناانصافی کی نفرت بھی شامل ہے۔ اور ایک با عزت انسان کے لئے ناممکن ہے۔ کہ وہ بلجیم کی پامالی پر غصہ سے پامالی کرنے والے کو سزا دینے کی خواہش نہ کرے۔ کیونکہ یہ ایسا ہی حملہ ہے۔ جیسا کہ ایک بچہ پر دست درازی کی جائے۔ انسانوں میں جو بہترین انسان ہیں۔ وہ یقین نہیں کرتے۔ کہ طاقتور کو کمزور کے کچل دینے کا حق ہے۔ بلکہ اُن کا عقیدہ ہے۔ کہ کمزور کی حفاظت کرنی چاہئے ؛

یہ محض غلط ہے۔ کہ سلطنت کا ایک ہی اعلےٰ ترین مُدعا طاقت حاصل کرنا ہے۔ اگر سلطنت کا مُدعا ایک ہی فقرہ میں بیان کرنا ہو۔ جو در اصل ناممکن ہے۔ تو سلطنت کی غایت و غرض انصاف کرنا ہے۔ جس کا ایک جزو آزادی ہے۔ لیکن انسانی سوسائٹی اس منزلِ مقصود کی طرف نہایت سُستی اور رنج سے جاتی ہے۔ تاہم وہ اِس طرف بڑھتی ضرور ہے۔ اور شائد ترقی کی اصطلاح کے صحیح معنی یہ ہیں۔ کہ وہ انصاف اور آزادی کے معانی کو بہت مستحکم اور گہرے طور پر محسوس کرنے لگی ہے۔ جن سلطنتوں نے تواریخ میں سب سے زیادہ نمایاں کام کئے ہیں۔ اور عرصہ تک قائم رہی ہیں۔ وہ اس لئے ایسا کر سکی ہیں۔ کہ اُن کی طاقت کے معنی زیادہ تر یہ تھے۔ کہ دنیا پر انصاف

کی ترقی ہو - جیسا کہ رُوم کی سلطنت کا حال تھا - اُور جن سلطنتوں کا مُدعا صرف طاقت حاصل کرنا تھا - اُن کی عمر بہت چھوٹی رہی - جیسا کہ اٹیلا کی سلطنت اور اُس کی حکمران قوم ہنز مسسہلر کا حال ہؤا ہے - اور اگر یہ صحیح ہو - کہ سلطنتوں کے مابین مناسب اورمساوی انصاف اس کی نسبت زیادہ دشوار ہے - جتنا کہ کسی سلطنت کے افراد کے مابین ہو سکتا ہے - تو اس صورت میں بھی یہ شریف جذبہ دِن بدن مضبوط ہو رہا ہے - جو اس بات کا مطالبہ کرتا ہے - کہ کمزور اس لئے زندہ رہنے چاہئیں - کہ وہ کمزور ہیں - محض یہ دیکھ کر کہ ایک زبردست سلطنت دوسری کمزور سلطنت پر حملہ کر رہی ہے - مُہذب دُنیا میں نفرت اور جوش پھیل جاتا ہے - اور ہر شخص طاقتور سلطنت سے بیزار ہو جاتا ہے کیا وجہ ہے - کہ جرمنی اور اس کے ساتھ ہی دنیا کا بہت بڑا حصہ جنگ بوئر کے وقت انگلستان سے سخت ناراض تھا ؟ اس کی یہی وجہ تھی - کہ جرمنی کا یقین تھا - کہ انگلستان اپنی طاقت کو ایک چھوٹی سلطنت کو پامال کرنے کے لئے بے رحمی سے استعمال میں لا رہا ہے - جن کی بابت پروفیسر ٹریشکے کہتا ہے - کہ انہیں زندہ نہیں رہنا چاہئے - اور چونکہ جرمن لوگ دِل سے اپنے نبی (ٹریشکے) کے اصُول کو تسلیم نہیں کرتے - اگر انہیں اس میں یقین ہوتا - تو وہ انگریزوں کے فعل کو پسند کرتے - خواہ اس کی وجہ خود اُن کی اپنی غلط فہمی ہوتی

اور ہم اِس سے پہلے ہی اُنیسویں صدی میں اِس بیہودہ اور لا علاج جذبہ سے تجاوز کر کے کمزور سلطنتوں کے حق میں تھے - ہر ایک کی دوسرے سے حفاظت کرنے کے لیے یورپ بین الاقوامی قانون کے سکیم پر رفتہ رفتہ عمل کر رہا تھا - اور اِس قانون کا نہایت ہی اہم حصّہ معاہدوں کا وہ مجموعہ تھا - جن کے ذریعہ بلجیم اور دوسری چھوٹی چھوٹی سلطنتوں کی غیر جانبداری کا یقین دلایا گیا تھا ۔

طاقت کا اُصول جس پر ٹریٹشکے کے شاگردوں نے عمل کیا ہے - اُس نے فی الحال اُس تمام ترقی کو جو اِس پہلو میں کی گئی تھی - تباہ کر دیا ہے - لیکن اِسے عارضی بات سمجھنا چاہیئے - اِنسانیت پھر بھی انصاف کو جابرانہ حکومت پر ترجیح دے گی - اور جو سلطنت ٹریٹشکے کے اصولوں پر عمل کرتی ہے - بالآخر اپنے فعل کا خمیازہ اُٹھائے گی -

بقول مادہ پرستوں کے یہ صحیح ہے - کہ سلطنتوں کے افعال خود غرضی کے ماتحت ہوتے ہیں - جیسا کہ بعض فلاسفروں کا قول ہے - کہ افراد کے افعال خوشی کی خواہش کے ماتحت ہوتے ہیں - لیکن بعض ایسے خیالات بھی ہیں - جن سے ایک شخص کو خوشی تو ہوتی ہے - مگر وہ اس کے اڑوسیوں پڑوسیوں کے لئے خطرے کا موجب ہوتے ہیں - اِس لئے جس شخص میں ایسے خیالات موجود ہوں - اُسے گرفتار کر کے جبراً یا تو جیل

میں بند کر دیا جاتا ہے یا پاگل خانہ پہنچا دیا جاتا ہے
ور پھر بعض ایسے خیالات بھی ہیں۔ جو سلطنت کے
لئے تو ضرور مفید ہیں۔ لیکن ان سے وہ سلطنت تہذیب
و ترقی کی دشمن بن جاتی ہے۔ اور ساری دنیا کو اپنے
بر خلاف کر لیتی ہے۔ سلطنت کے فوائد کی بہت سی
قسمیں ہیں۔ لیکن سچے فوائد وہی ہیں۔ جن کا نتیجہ
تہذیب کی ترقی ہو۔ انہیں سے دیر پا کامیابی نصیب
ہوتی ہے۔ ایک سلطنت یہ سمجھ سکتی ہے۔ کہ عزت
اور اپنی حفاظت کے بعد امن ہی اُس کا سب سے
بڑا مفاد ہے۔ اور دوسری سلطنت جنگ کو پسندیدہ
اور خوشگوار چیز قرار دے سکتی ہے۔ لیکن ان دونو
میں سے دنیا کی بھلائی کے لئے کونسا خیال اچھا
ہے؟ ایک سلطنت یہ یقین رکھ سکتی ہے۔ کہ انتہائی
آزادی پھیلانا اور آزاد قوموں کی زندگی بخش بوقلمونی
کی حوصلہ افزائی کرنا ہی اس کے لئے مفید ہے۔ لیکن
ایک اور سلطنت کا یہ یقین ہو سکتا ہے۔ کہ اُس کا
فائدہ اسی بات میں ہے۔ کہ وہ اپنی حکومت اور اپنی
تہذیب کو جبراً دوسرے لوگوں پر نافذ کرے۔ ایک
سلطنت خیال کر سکتی ہے۔ کہ جو معاہدے اُس کی
سلطنت کی وسعت میں مانع اور حارج ہوں۔ وہ جائز
نہیں ہیں۔ لیکن دوسری سلطنت یہ سمجھ سکتی ہے۔
کہ معاہدوں کا تقدس خود اُس کے لئے مفید ہے۔ کیونکہ
یہی ایک ذریعہ ہے۔ جس پر مختلف قوموں کا باہمی

اعتبار قائم ہو سکتا ہے - ایک سلطنت کا یہ عقیدہ ہو سکتا ہے - کہ شخصی عزت اور اخلاق کے قوانین بین الاقوامی تعلقات پر عائد نہیں ہو سکتے - دوسری سلطنت محسُوس کر سکتی ہے - کہ "دیانتداری سب سے اچھی پالیسی ہے" کا اطلاق جس طرح افراد کے درمیان ہوتا ہے - اُسی طرح تھوڑا بہت تو سلطنتوں کے مابین بھی ہونا چاہیئے - اور عزت کا سوال زندگی کے سوال سے بالا تر ہے - ذاتی غرض و فائدہ کے متعلق یہ مختلف پہلو ہیں - جنھیں سلطنتیں لے سکتی ہیں اور لے رہی ہیں کیا اِس میں زیادہ شبہ کی گنجایش ہے - کہ ان میں دنیا کی ترقی کے لئے کونسا پہلو سب سے اچھا ہے ؟

جو کچھ ہم نے لکھا ہے - وہ ٹریٹیکے کے اصول کا باقاعدہ منطقانہ جواب نہیں - بلکہ اِس سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے - کہ اِن معاملات کے متعلق معمولی انگریزوں کا کیا خیال ہے - اور اخلاق کا ایک قومی معیار پیش کرنا ہے - جس میں اِنگلستان افسوس کے ساتھ اکثر اوقات نا کامیاب تو ضرور رہا ہے - مگر اُس نے اِس معیار کو ہمیشہ مدِنظر رکھا ہے - بعض اوقات اُس نے مصلحت کو ملحوظ رکھا ہے - لیکن مصلحت نیکی کا صلہ ہے - اور جب تک وہ روح کو نہیں گرا دیتی - تب تک اُس صداقت سے بہتر ہے - جیسے شاہ اعظم (فریڈرک) نے پیدا کیا ہے - کیونکہ یہ جنگلی جانوروں کے اخلاق سے بلند درجہ کے اخلاقی معیار کے دعاوی کو تسلیم کرتی ہے *

خوش قسمتی کی بات ہے۔ کہ ٹریشکے نے جس قسم کے اصول کا پرچار کیا ہے۔ اُس نے خود اپنے پیرؤں کو اندھا کر کے اپنے آپ کو دنیا کی نظر میں ذلیل کر لیا ہے جرمن کتاب "حقیقی پالٹکس" کے مالک اِس بات پر فخر کرتے ہیں۔ کہ اُنھوں نے جذبات کا دروازہ بند کر دیا ہے۔ اور صرف جابرانہ واقعات پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ لیکن عزت ایک چیز ہے۔ گو وہ ظالمانہ چیز نہیں ہے۔ اِنسان کی نا قابلِ تسخیر رُوح ایک حقیقت ہے۔ اگرچہ وہ کرپ کی توپوں کی طرح سینٹی میٹر سے نہیں ماپی جا سکتی۔ اور یہ امر واقعہ ہے۔ کہ حُبّ الوطنی کا جذبہ ایک چھوٹے اور تباہ شدہ ملک میں ویسا ہی بلکہ اس سے بھی زیادہ زور سے بھڑک سکتا ہے۔ جس زور سے کہ قوت اور تہذیب کی سلطنت (جرمنی) کے باشندوں کو فخر ہے۔ یہ بھی ایک امرِ واقعہ ہے۔ جو اُس قادر اِنسان نپولین کے زمانہ نے سِکھایا ہے کہ قومیت کی سپرٹ ایک دفعہ جاگ اُٹھنے کے بعد کسی کے دبائے دب نہیں سکتی۔ اور جتنی مرتبہ کہ اِسے مادرِ وطن کے سینے پر ٹھیکو یہ دو چند طاقت سے اُبھرتی ہے۔ یہ سب حقیقتیں ہیں۔ جنہیں ٹریشکے کا مادہ پرست پیرو بھولے بیٹھا ہے۔ اور انہیں بھول کر ہی وہ عجیب و غریب غلط اندازے لگا رہا ہے۔ جنگ کا عقیدہ رکھتے ہوئے وہ یہ خیال کرنے میں تعجیل سے کام لیگا۔ کہ جو قوم امن و صلح کے لئے بہت بڑی قربانیاں

کرنے کے لئے تیار ہے۔ وہ بقول ٹریٹشکے کے کمزوری کے گناہ کی مرتکب ہو رہی ہے۔ اور حتے الامکان وہ جنگ میں مردانہ وارشامل ہونیسے مجتنب رہے گی۔ اِس بات کا عقیدہ رکھتے ہوئے کہ جو معاہدے اپنے لئے مفید تر نہیں۔ وہ بے معنی اور بے حقیقت ہیں۔ وہ اِس بات کو باور کرنا ناممکن سمجھے گا۔ کہ دنیا میں ایسی سلطنتیں بھی موجود ہیں۔ جو عہد شکنی سے مقابلہ میں تباہ ہو جانے کو زیادہ پسند کریں گی۔ سلطنت کی غایت و غرض صرف حصولِ طاقت سمجھتے ہوئے وہ یہ سمجھنے کے بالکل ناقابل ہوگا۔ کہ اُسے اپنی نو آبادیوں بلکہ اُن قوموں کو بھی جو کل اُن کی دشمن تھیں۔ کیوں آزادی دے دینی چاہئے۔ سوائے اِس کے کہ وہ اپنی حکومت کو قائم رکھنے کی طاقت نہیں رکھتی۔ اور وہ یہ دیکھ کر ششدر رہ جائیگا۔ کہ وہی ماتحت قومیں اپنی سرپرست قوم کی مدافعت کے لئے ہتھیار اُٹھاتی ہیں۔ یہی نہیں بلکہ وہ یہ دیکھ کر اَور بھی حیران ہوگا۔ کہ دُور افتادہ رعیت جس کی نسبت اُسے خیال تھا کہ غدر کر دے گی۔ اپنی تمام سابقہ شکایات کو بھول سکتی ہے۔ صرف اِس لئے کہ اُسے خدا نے انصاف کو سمجھنے کا مادہ عطا کیا ہے۔ جابرانہ طاقت میں بھروسہ رکھتے ہوئے وہ اِس بات کو بہت آسان سمجھے گا۔ کہ کمزور انسان کو جس کی حفاظت کا وہ خود ذمہ وار تھا کچل کر پیس ڈالے۔

اور یہ دیکھ کر دہشت زدہ ہو جائے گا۔ کہ سخت سے سخت ظلم بھی انہیں پامال نہیں کر سکا۔ خدا کا شکر ہے۔ کہ طاقت کا اصول جلدی یا بہ دیر خود بخود تباہ ہو جاتا۔ اور زہر ہی اس کے لئے تریاق بن جاتا ہے ؂

نوٹ ۱۔ مسٹر ریمز سے مجبور نے مذکورہ بالا فقروں میں جرمنی کے اُن بیہودہ تخیلوں اور اُمیدوں کی دھجیاں اُڑائی ہیں۔ جو وہ جنوبی افریقہ اور ہندوستان کے متعلق باندھے بیٹھا تھا۔ کہ بوئر لوگ جن پر ایک دفعہ انگلستان فوج کشی کر چکا ہے۔ جنگ یورپ چھڑ جانے پر باغی ہو جائیں گے۔ اور ہندوستان جو بعض پولیٹکل حقوق و مراعات کا مطالبہ کرتا تھا۔ اِس جنگ میں بے قابو ہو جائیگا۔ لیکن جنگ چھڑنے پر بوئروں نے نہ صرف اپنے ملک میں برطانیہ کی وفاداری کے جذبہ کو قائم رکھا ہے۔ بلکہ اب اُنہوں نے افریقہ کے جرمن علاقہ پر فوجکشی کر دی ہے۔ اور ہندوستان کے ہر ایک فرقہ اور قوم نے پوری جانثاری اور وفا شعاری کا ثبوت دیا ہے ؂

تیسرا باب

جرمنوں کے دو رُخ

ہم یہ دکھلا چکے ہیں - کہ ۱۹۱۴ء کے گرما میں جرمنی نے صلح اور جنگ دونو میں جو کار روائی کی ہے - وہ ٹریٹشکے کے وضع کئے ہوئے اصولوں کا عملی ترجمہ تھی اور یہ اصول اپنے موقعہ پر پرشین تواریخ اور پرشین بادشاہوں کے طرز عمل کے توصیفی مطالعہ سے ہیلا نے گئے تھے - اس لئے اگر ہم جدید جرمنی کی پالیسی کی تہ تک پہنچنا چاہتے ہیں - تو ہمیں پرشیا کی تواریخ پر نظر ڈالنی چاہیئے - اور بالخصوص اُن طریقوں کو دیکھنا چاہئے جن سے اُس نے باقی سلطنت جرمنی پر اقتدار حاصل کیا تھا ؟

پرشیا اور باقی جرمنی میں ہمیشہ تضاد رہا ہے - اور اگرچہ پچھلی نصف صدی کے اندر اُن وجوہات سے جن کا ہم آگے ذکر کریں گے - اس میں بہت تخفیف آگئی ہے - تاہم یہ تضاد اب تک موجود ہے - بہت تھوڑا عرصہ پہلے تک پرشیا نے اس ذہنی مستعدی میں

بہت تھوڑا حصّہ لیا تھا ۔ جو اہلِ جرمن کے لئے سب سے زیادہ فخر و شان کا باعث ہے ۔ پرشیا کی قوت خیال اور قیاس میں نہیں ۔ بلکہ اُس کے عمل ۔ طاقت اور اپنی فوجی ترتیب اور اپنے طریقِ انتظام کی خوبی میں وابستہ ہے ہر ایک جرمن اِس اختلاف کا دل سے قائل ہے ۔ تھوڑا عرصہ ہوا ۔ اِس خیال کو سلطنت جرمنی کے سابق چانسلر (وزیرِ اعظم) شہزادہ بُولو Prince Bülow نے نہایت خوبصورتی سے ظاہر کیا تھا ۔ جو خود بھی پرشین نژاد اور پرشین ہے ۔ وہ کہتا ہے ۔ کہ "جرمن دماغ پہلے ہی (اُنیسویں صدی کے آغاز میں) پرشیا کی مدد کے بغیر نصف النہار پر پہنچ چکا تھا ۔ جرمنی کی ذہنی زندگی جس کی ساری دنیا [illegible] ہے ۔ اس نے جنوب مغرب میں نشو و نما پایا تھا ۔ اور جرمن سلطنت اور حکومتی اقتدار نے پرشیا میں فروغ پایا ۔ پرشیا کی حکومتی زندگی اور جرمنی کی ذہنی زندگی ایک دوسرے سے مخلوط ہو جانی چاہیئے ۔ ابھی یہ اختلاط حاصل نہیں ہوا ۔" اگر ہم جدید جرمنی کے دل اور کام کو سمجھنا چاہیں ۔ تو ہمیں جرمن زندگی کے ان دونو صیغوں کی چھان بین ان کے ابتداء تک کرنی چاہیئے ۔ اور جہاں تک بادی النظر میں ممکن ہو ۔ دیکھنا چاہیئے ۔ کہ ان دونو میں کتنی طاقت اور کمزوری ہے ۔ اور انھوں نے ایک دوسرے پر کیس طرح متبادلہ اثر کیا ہے ۔ ہم اپنی تحقیقات بہ آسانی ڈھائی صدی پہلے سے

شروع کر سکتے ہیں - چنکہ جرمنی نے اپنی سب سے بڑی تاریخی مصیبت یعنی تیس سالہ جنگ سے مخلصی پائی تھی - اور وہ نہایت پریشان - پراگندہ اور ابتری کی حالت میں اپنی نواحی قومی سلطنتوں کے رحم پر زندگی بسر کرتی تھی - یہ بدنصیب قوم عملی طور پر تین سو سے زیادہ خود مختار ریاستوں میں منقسم تھی - جن میں سے اکثر کے ذرائع اور اثر بالکل بے حقیقت تھے - حتے کہ ایک کے سوا بڑی سے بڑی ریاست کو یورپ کے معاملات میں کوئی دخل نہیں تھا - اور وہ مستثنےٰ ریاست آسٹریا کی تھی - لیکن آسٹریا کا اثر زیادہ تر اُس بڑے علاقے پر مبنی تھا - جو کہ جرمنی کی حدود سے باہر واقعہ تھا - اور جس میں غیر جرمن لوگوں کی مخلوط رعایا آباد تھی - آسٹریا کو بکھری ہوئی جرمن سلطنت کی سرکردگی نصیب ہوئی تھی - جسے مقدس سلطنت روم کہتے تھے - لیکن اِس مُردہ دنیاوی سی خیال کے کھنڈرات قوم کو متفق کرنے کے لئے بالکل ناکافی تھے - اور آسٹریا کے بڑے بڑے فوائد جرمنی کی حدود سے باہر واقعہ تھے - اس کا نتیجہ یہ ہوا - کہ یورپ کے معاملات میں جرمنی فوائد کا کوئی معقول محافظ یا نگہبان موجود نہ تھا - تین سو چھوٹے چھوٹے شہزادے اپنی رعایا کو صرف باجگذار سمجھتے تھے - اور دربار فرانس کی رسوم اور خطابات کے پیچھے بے طرح پڑے رہتے تھے - یہ صورت حالات جو کہ سترھویں

صدی کے آخری نصف حصّہ میں پورے عروج پر تھی ۔ اِس سے جرمن رعایا کے نصیبے کی بدترین حالت کا پتہ چلتا ہے ۔ اِس کی ندامت اب تک قوم کے حافظہ پر نقش ہے ۔ اُس نے نفاق اور ضعف کا کثیف پیالہ پیا تھا ۔ اور اسے بھُول نہیں سکتی تھی ۔ جن طاقتوں نے جرمنوں کو اِس شرمناک درجہ سے اُٹھا کر دُنیا کی قوموں کی اگلی صف میں لا کھڑا کیا ہے ۔ وہ قوم کے شکریہ کے اِس قدر مستحق ہیں ۔ جو کسی مبالغہ کا محتاج نہیں ۔ اور یہی سچّا اور حقیقی جذبہ اس بات کا مظہر ہے ۔ کہ جن طریقوں سے یہ نتائج حاصل کئے گئے ہیں ۔ اُنہیں قبول کرنے اور جائز سمجھنے کے لئے وہ بڑے مستعد ہیں ؛

تیس سالہ جنگ کے بعد جو افلاس اور ذِلّت نصیب ہوئی ۔ اُس کے دوران میں ۱۶۴۸ء اور انقلاب فرانس کے مابین آہستہ آہستہ دو باتیں نمودار ہوئیں ۔ جنہوں نے بہتری کی اُمید دلائی ۔ اور جن سے کہ جرمنوں کو دوسری اقوام میں اپنی ہستی قائم رکھنے کی خواہش بڑھ گئی ۔ اِن دو میں سے ایک تو جرمن عُلوم کی بڑھتی ہوئی طاقت اور شہرت تھی ۔ اور دوسرے شجاعت کی ترقی اور پرشین سلطنت کی حکومت ۔

سترھویں صدی کے آخری حصّہ میں بھی دو ایسے جرمن موجود تھے ۔ جن کا سارا یوروپ معترف و مداح تھا ۔ یہ دونو صاحب علم و فضل تھے ۔ لیب نز

Leibnitz تو فلاسفر تھا۔ اور پفنڈورف Puffendorf اُن لوگوں میں سے تھا۔ جنہوں نے بین الاقوامی قانون کے سائینس کی بنیاد رکھی تھی۔ جو کام اُنہوں نے شروع کیا۔ اُس کی تکمیل جرمن یونیورسٹیوں نے کی۔ جرمنی اِس پہلو سے بڑا خوش نصیب ہے۔ کہ وہاں یونیورسٹیوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ اور ۱۶۹۴ء و ۱۷۳۷ء میں دو اور بڑی یونیورسٹیاں ہیل Halle اور گوٹنجن Gottingen میں قائم ہوئیں۔ علماء کے جن گروہوں نے ان مقامات پر محنت و مشقت کی ہیں۔ انہیں یورپ میں کوئی شہرت نصیب نہیں ہوئی تھی۔ مگر اٹھارھویں صدی میں اُنہوں نے تحقیقات کے نئے طریقے اختیار کئے۔ جن میں صبر اور بے خوفی سے کام لیا گیا۔ اور جو زیادہ صحیح تھے۔ اِس سے وہ تمام نتائج ممکن ہوگئے۔ جو بعد میں حاصل ہوئے۔ جیسے کہ اٹھارھویں صدی میں کانٹ کے غیر معمولی فلسفیانہ ذہن نے جرمنی کو فلسفہ کے کمال پر پہنچا دیا۔ اور یونیورسٹیوں نے جو ذہنی کمال حاصل کیا۔ اُس نے لٹریچر کو بہت بلند کردیا۔ جرمن لٹریچر کے کمال کا زمانہ جس کا پھر کوئی جانشین نظر نہیں آیا۔ فرانس کے انقلاب سے پہلے اپنے اوج پر تھا۔ جبکہ جرمن کے پولیٹیکل اتحاد کی تحریک کہیں وہم و گمان میں بھی نہ تھی۔ لیسنگ Lessing اور ہرڈر Herder گذ چکے تھے اور شلر Schiller ۱۷۸۹ء میں گوئٹے Goethe یا تو

اپنا کام مکمل کر چکے تھے یا اپنی طاقت کے اَوج پر تھے۔ اِسی زمانہ میں جرمنی نے دنیا کو اپنا سب سے اعظم تحفہ یعنی فنِ موسیقی دیا تھا۔ بیک Bach گلک Gluck موزرٹ Mozart ہیڈن Haydn اور ہینڈیل Handel یہ سب اٹھارہویں صدی سے تعلق رکھتے ہیں۔ اَور بیتھووِن Beethoven نے عین اُس وقت کمال حاصل کیا تھا۔ جبکہ اِنقلابِ فرانس پھوٹ پڑا تھا۔ اُنیسویں صدی میں جرمنی نے جو عظیم ذہنی کارنامے دکھلائے ہیں۔ وہ بہت عظیم ہونے کے باوجود تیئے پن اور قدر و قیمت کے لحاظ سے اُن کارناموں سے اعلےٰ نہیں ہیں۔ جو کہ اُس وقت حاصل کئے گئے تھے۔ جب جرمنی کا پولیٹکل اثر نہیں تھا۔ حتےٰ کہ اُس وقت پولیٹکل اِتحاد کا خواب بھی نہیں آیا تھا۔ جرمن تہذیب کی سب سے بڑی فتوحات سلطنت کی امداد کے بغیر حاصِل کی گئی تھیں۔ جس کی نسبت ٹریشکے کہتا ہے۔ کہ وہ تہذیب کی ترقی کے لئے نہایت ضروری چیز ہے ؎

اِس حیرت انگیز ذہنی ترقی میں پرشیا کی ریاست کا حِصّہ بہت تھوڑا ہے۔ اور جرمن علوم۔ جرمن فلسفہ۔ اور جرمن فنون کا مرکز در اصل پرشیا کی حدودِ ریاست سے باہر ہے۔ اور اِن علوم کے بہت سے رہنماؤں نے در اصل پرشیا کی سپرٹ اور طریقوں کو نہایت ناپسند کیا ہے۔ اِس لئے کہ وہ مادی امور پر زیادہ زور دیتا ہے۔ اُس کا آئین کڑا ہے۔ جو اپنی رعایا کے جسم اور دل پر بھی حکومت

کرنے کی آرزو رکھتا ہے۔ لیسنگ Lessing یا گوئٹے Goethe کی روحوں کے لئے تلوار کی مملکت ناگوار تھی۔ ان کا تعلق روحانی دنیا سے تھا۔ جو کہ سلطنت کی حدود کے اندر محدود نہیں رہ سکتی۔ وہ انسانی ہمدردی کے قائل تھے۔ قوم پرست نہیں تھے۔ کیونکہ خیال کی دنیا قومیت کی پابندیوں سے آزاد ہے۔ لیسنگ نے تو یہاں تک کہا ہے۔ کہ حب الوطنی ایک پاپ ہے۔ کیونکہ وہ انسان کی ہمدردی کو محدود کرتی ہے۔ یہ عالمگیر سپرٹ نہ صرف اٹھارہویں صدی میں بلکہ انیسویں صدی میں بھی بہت عرصہ تک یونیورسٹیوں میں زور سے پھیل رہی تھی۔ جو جدید جرمن یونیورسٹیوں کی سپرٹ کے بالکل متضاد ہے۔ جن کے رجحان سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ اپنے آپ کو صرف جرمن صوبہ سمجھتی ہیں ٭

تمام عالمگیر اخوت کے باوجود جرمن یونیورسٹیاں ان دنوں اصلی معنوں میں جرمن سپرٹ کے مرکز اور قلعے بنی ہوئی تھیں۔ جرمن قوم کے لئے یہ ایسا علاقہ تھیں جن پر سب سے زیادہ فخر کیا جاتا تھا۔ اور اپنے ڈھنگ میں بالکل عجیب چیز تھیں۔ ان سے جرمنوں کو محسوس ہوتا تھا۔ کہ وہ بھی دنیا میں کوئی چیز ہیں اور ایسی چیز ہیں۔ جو کہ جسمانی طاقت کی نسبت بہت بھاری ہے۔ اس زمانہ میں جرمنی زندگی میں یونیورسٹیوں کو جو مرتبہ حاصل تھا۔ اس کا ایک نتیجہ خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ وہ قوم کے دل پر ایک علمی کیرکٹر کا

سِکّہ بٹھاتی تھیں۔ اور افعال کی تشریح اور اُن کا جواز
مسائل اور تجاویز سے کرنے کا وہاں عجیب شوق تھا
اور اِن تجاویز کو انتہائی نتائج تک پہنچانے کا رُجحان
تھا۔ اِس رجحان سے جرمن لوگ اُن خیالات اور
پالیسی کے اثر میں آنے کے عادی ہو گئے۔ جن کی کہ
محض خیالی یا نیم علمی وجوہات سے تائید ہوتی ہے۔
عملی کاموں سے ذہنی زندگی کے عام اخراج کا یہ
نتیجہ تھا۔ جس کا اثر کہ مُستقبل پر پڑنا ضروری تھا۔

فلاسفروں۔ عالموں۔ شاعروں اور ماہرانِ موسیقی کی
اِس نفیس اور موثر دُنیا کے مقابلہ میں جو کہ جرمنی کے
لئے روحانی سلطنت کو تسخیر کر رہی تھی۔ پرشیا کی
ریاست کھڑی ہو گئی۔ جس کی روز افزوں طاقت
اِس زمانہ کی پولیٹکل تواریخ کا سب سے اہم واقعہ
ہے۔ اور اِس سلطنت کے ایک چھوٹی سی جرمن
ریاست سے یورپ کی ایک بڑی طاقت بن جانے
کا باعث خاندان ہوہن زولرن Hohenzollern
(شاہانِ پرشیا کا خاندان) کے متعدد شہزادوں کا کام تھا
جن میں تین بڑے شہزادے ہیں۔ اول گریٹ ایلکٹر۔ جس نے
۱۶۴۰ء سے ۱۶۸۸ء تک حکومت کی۔ دوم فریڈرک ولیم
اول جس نے ۱۷۱۳ء سے ۱۷۴۰ء تک حکومت کی۔ اور
سوئم سلطنتِ پرشیا کا سب سے بڑا ہیرو فریڈرک اعظم تھا
جس نے ۱۷۴۰ء سے ۱۷۸۶ء تک حکومت کی۔ جو
پرشین سپرٹ اور طریقوں کا سب سے بڑا حامی تھا۔

اور جس کو جرمن مُصنّف شاہِ اعظم لکھنے کے عادی ہیں۔ اِن لوگوں نے پرشین پالیسی کے طریقے ایجاد کئے اور اُن کو رواج دیا۔ جن پر عمل کر کے پرنس بسمارک نے جرمن سلطنت قائم کرنے میں کامیابی حاصل کی۔ اور جنہیں ٹرلیشکے نے پولٹیکل اصولوں کی صورت میں پیش کیا ۔

اگر ہم سلطنت پرشیا کی اصلیت سے واقف ہونا چاہیں۔ تو ہمارے لئے یہ سمجھنا ضروری ہے۔ کہ اِس ابتدائی زمانہ میں سلطنت مذکور کا علاقہ زیادہ تر دریائے ایلب Elbe کے مشرق میں واقعہ تھا۔ جو در اصل پہلے جرمنی کے اندر نہیں تھا۔ بلکہ صدیوں تک چھوٹی چھوٹی لڑائیاں کر کر وہاں کے سلاوی باشندوں سے فتح کیا گیا تھا۔ اِس لئے سلطنت پرشیا ابتدا ہی سے فوجی وضع کی تھی۔ اور یہ سرحدی صوبہ تھا۔ جہاں کہ ہمیشہ سلافیوں کے علاقہ میں جرمن سپاہ خیمہ زن رہتی تھی۔ اور اس کے خاندانی رئیس جو جدید خاندان جنکر Junker کے بزرگ تھے۔ روایتی جنگ جو قوم تھے۔ جنہوں نے محض تلوار کی بدولت جاگیریں حاصل کی تھیں۔ اور وُہ اِس بات کو کبھی نہیں بھولے تھے ۔

جب الکٹر اعظم نے ۱۶۴۸ء میں اپنی چھوٹی سی ریاست کو ایک زبردست طاقت بنانے کا کام اپنے ہاتھ میں لیا۔ تو اُس نے دیکھا۔ کہ یہ دو ٹکڑے

بڑے حصّوں میں منقسم ہے - جو ایک دوسرے سے کسی قدر فاصلہ پر واقع ہیں - ان میں سے ایک تو برانڈنبرگ کی سرحد Mark of Brandenburg کا علاقہ تھا - جس کے نام سے کہ اُس نے اپنا لقب حاصل کیا - اور جس کا زیادہ تر حصّہ دریائے ایلب کے مشرق میں واقع تھا - اِس علاقہ کا مرکز یا دارالخلافہ برلن بالکل بنجر اور ویران علاقہ میں آباد تھا - ریاست کا دوسرا حصّہ پرشیا کا وہ بلٹک نما علاقہ تھا - جسے حال کے نقشوں میں مشرقی پرشیا دکھلایا گیا ہے - الکٹر کے بیٹے نے اِس علاقہ کے نام پر اپنا شاہی خطاب حاصل کیا تھا - اگرچہ یہ علاقہ جرمن کہلاتا تھا - مگر یہ جرمنی میں ہرگز واقع نہیں تھا - بلکہ پولینڈ کا ایک تعلقہ تھا - جسے ٹیوٹانک نائٹ Teutonic Knights کے نام کے جنگجو درویشوں نے قائم کیا تھا - جو کہ پرشیا کے بُت پرستوں میں تلوار کے زور سے مسیحی مذہب کا پرچار کرتے تھے - اور اصلی باشندوں کو رعیّت بنا کر اپنے لئے جرمن آبادکاروں سے ایک سلطنت آباد کرتے تھے - عیسائی مذہب کی اِصلاح کے وقت ماسٹر آف دی آرڈر (بڑا پادری) ہاہن زولرن نسل کا ایک شخص تھا - جس نے کہ بہ آسانی اپنے پروٹسٹنٹ ہونے کا اعلان کر کے اپنے علاقہ کو اپنی ایک ریاست بنا لیا - اور اِس سے وہ اصلی خاندان ہاہن زولرن کے قبضہ میں

آ گئی ۔ اِس طرح چھوٹی سی ریاست کے دونو حصے جبراً حاصل کئے گئے ۔ اور ایک ان میں سے ایک قسم کے فریب سے ہاہن زولرن خاندان کے ہاتھ آ گیا ۔ پرشیئن تواریخ کی بنیاد میں ہی سلطنت کی قائمی کے ذرائع جبر اور دھوکا رہے ہیں ۔ اور ظاہراً جبر اور فریب سے ہی ایک کمزور چھوٹی سی بکھری ہوئی ریاست جو دشمنوں سے گھری ہوئی تھی ۔ ایک عظیم سلطنت بن گئی ۔

ٹکڑے ٹکڑے اور بکھری ہوئی سلطنت میں یقیناً قومیت یا حُبّ الوطنی کا جذبہ پیدا نہیں ہو سکتا ۔ اِس لئے حب الوطنی یا قومیت کی جگہ اِس بات نے لی ۔ کہ مزارعہ مالکانِ اراضی کے وفادار رہیں ۔ اور سپاہی اپنے کمانڈر کے تابع فرمان ہوں ۔ یہی بات تھی ۔ جس نے ہوہین زو لرن کی سلطنت کو متفق کر دیا ۔ لیکن یہ وفاداری مُسلسل تب ہی قائم رہ سکتی ہے ۔ کہ فوجی ترتیب بحال اور جنگ کے لئے تیاری ہمیشہ بنی رہے اِس لئے نہ صرف بیرونی معاملات کے لئے بلکہ سلطنت پرشیا کے اندرونی تعلقات کے لئے بھی اِس بات کی ضرورت رہی ۔ کہ جنگی جوش کو اُبھارا جائے ۔

ترقی کے زمانہ کے تینوں پرشیئن شہزادوں کے طریقے بالکل یکساں تھے ۔ سب سے مقدم اور سب سے زیادہ اُن کی کوشش یہ تھی ۔ کہ وہ اپنی بڑی اور ایسی جرّار فوج بہم پہنچائیں ۔ جو اُن کی رعایا

کی دولت اور آبادی کے تناسب سے کہیں زیادہ ہو۔
الکٹر اعظم کا علاقہ اگرچہ تیس سالہ جنگ سے برباد
اور ویران ہو گیا تھا۔ تاہم اُس نے پرشیا کی
مستقل فوج کی بنیاد رکھ کر اُس کی تعداد کو تیس
ہزار کے حیرت انگیز اعداد تک پہنچا دیا۔ اِن افواج
کے افسروں کی بھرتی سے پرشیا کے جنگ جو اور کثیر التعداد
رئیسوں کے لیئے طبیعت کے موافق ایک کام مِل
گیا۔ اور اُن کی قابلیت اس وقت ظاہر ہو گئی۔ جب
فربیلن Fehrbellin کی لڑائی میں یورپ یہ
دیکھ کر حیران ہو گیا۔ کہ اُنھوں نے اہلِ سویڈن کو
شکست دیدی۔ جو اب تک کبھی مسخر نہیں ہوئے تھے
الکٹر اعظم کا جانشین یعنی پرشیا کا پہلا بادشاہ جو
اپنے خاندان کے شہزادوں میں سب سے کمزور تھا۔
اُس نے بھی اپنی سپاہ میں حیرت انگیز اضافہ کر
کے اُسے پچاس ہزار تک پہنچا دیا۔ فریڈرک ولیم
اوّل کے لیئے بھی جو سب سے بڑا کنجوس بادشاہ
تھا۔ سپاہ ایسی چیز تھی۔ کہ اُس کے اخراجات میں
کبھی کفایت یا تخفیف کی ضرورت نہیں تھی۔ اور
اگرچہ اُس کے عہد میں فوج کسی معرکہ میں شامل
نہیں ہوئی۔ تاہم وہ بادشاہ کی تمام توجہ کو
اپنی طرف کھینچے رہی۔ اُس نے اپنی افواج کے
آئین اور اسلحہ میں بہت کچھ اضافہ کیا۔ اور انہیں
زیادہ کڑے اور مرکزی انتظام میں باندھا۔ اور

علاوہ ازیں اُس نے بھی فوج کی تعداد کو بڑھایا۔ حتے کہ اُس کی وفات کے وقت پرشیا کی چھوٹی سی سلطنت کی فوج ۸۴ ہزار تھی۔ جو خوبی کے لحاظ سے بھی یورپ کی تمام افواج سے بہتر تھی۔ حالانکہ سلطنت کی ساری آبادی بمشکل بیس لاکھ نفوس کی تھی۔ یہی طاقت تھی۔ جس کی مدد سے فریڈرک اعظم نے صوبۂ سلیسیہ کو فتح کر لیا۔ اور دنیا بھر کی طاقت کے مقابلہ میں اُس پر قابض رہا۔ اسی کی بدولت اُس نے دنیا کی عظیم ترین طاقتوں میں اپنی جگہ بنا لی۔ اگرچہ اُس کا علاقہ سلیسیہ کو شامل کر لینے کے باوجود اپنے سے غریب اور چھوٹی سلطنتوں کے مقابلہ میں بہت کم تھا۔ جن سے وہ جبراً مساوات کا سلوک حاصل کرتا رہا۔ اور یہ پرشیا کی بھاری فوجی طاقت ہی تھی۔ جس کی بدولت وہ ایک آدمی کا نقصان اُٹھائے۔ اور ایک کوڑی خرچ کئے بغیر پولینڈ کے علاقہ پر قابض ہو گیا۔ حالانکہ اُس علاقہ پر اُس کا کوئی اخلاقی یا قانونی حق نہیں تھا۔ فریڈرک اعظم نے بھی دوسروں کی طرح یہی سمجھا کہ سلطنت پرشیا کی تمام عظمت فوج پر منحصر ہے اس لئے اُس نے بھی اپنے بزرگوں کی طرح اس کی ترقی کے لئے خوب کوشش کی۔ اور اسے دنیا کی بہترین افواج کی شہرت میں چھوڑ گیا۔

اٹھارہویں صدی کے یورپ کے لئے یہ بات

معجزے سے کم نہ تھی۔ کہ پرشیا جیسی چھوٹی اور محتاج
سلطنت اتنی بڑی فوج بہم پہنچالے۔ یہ معجزہ صرف
اس لئے ممکن ہو سکا۔ کہ تمدن پر خاص توجہ دی
گئی۔ اور ملک کی آبادی اور خوشحالی دونوں کی ترقی
کی کوئی کوشش اُٹھا نہیں رکھی گئی۔ پرشیا کی تمام شاہی
نسل نے اِن ضروریات کے لئے خاص توجہ دی۔ اور
شاید سب سے زیادہ اکھڑ سخت دماغ اور محنتی بادشاہ
فریڈرک ولیم اول نے کوشش کی۔ اُن تمام نے نئی
صنعتیں جاری کرنے اور زراعت کو ترقی دینے اور خبر
رسانی و رُسل و رسائل کے ذرائع کو وسعت دینے
کے لئے ہر ایک ممکن کوشش کی اور لوگوں کو معافیاں
دے دے کر وہاں آباد ہونے کی ترغیب دی۔
پرشیا کے حکمراں جس طرح ملک کی مادی ترقی کے
ذرائع پر توجہ دیتے تھے۔ اُس طرح کسی دُوسرے
یورپین ملک کے حکمران توجہ نہیں دیتے تھے۔ اور
اِس پہلو سے وہ اپنے وقت کے بہترین بادشاہ تھے
وہ یہ بات بھی خوب سمجھتے تھے۔ کہ کسی مُلک کی
خوشحالی کا مدار اُس سے اچھے اور ایماندارانہ انتظام
اور قوانین کی صحیح عملدرآمد پر ہے۔ اِن اغراض کے
لئے انہوں نے رفتہ رفتہ انتہا درجہ کی ماہر اور
کفایت شعارانہ نوابی انتظام افسروں کو رواج دیا۔ اگر
سپاہ سلطنت کا داعیاں ستون تھا۔ تو یہ نوابی بائیاں
ستون بن گیا۔ پرشیا کی حیرت انگیز نوابی اور اُس

کی دانشمندانہ یا جابرانہ قابلیت کا سکّہ اِسی زمانہ اور بالخصوص فریڈرک ولیم کے عہد میں بیٹھا ہے۔ اٹھارہویں صدی میں پرشیا یورپ کی سب سے دانشمندانہ حکومت والی سلطنت تھی۔ اور یہی وجہ ہے۔ کہ وہ اپنی اِتنی بڑی اور بے اندازہ فوج کے اخراجات کو برداشت کر سکی۔ لیکن یہ آبادی کی زیادتی اور ملک کی خوش حالی و دولتمندی کا اضافہ اِن نامی بادشاہوں کی حکومت کا آخری مقصد و مدعا نہیں تھا۔ بلکہ ایک ذریعہ تھا جس سے کہ اُن کا مقصد پورا ہونا تھا۔ اُن کی تمام قابل تعریف سرگرمیوں کا اصلی مدعا اِس بات کی بنیاد ڈالنا تھا۔ جس پہ کہ اُن کی فوج قائم رہ سکے۔ ملک کی زندگی فوج کے لئے تھی۔ اور فوج توسیع سلطنت کا ذریعہ تھی۔ سلطنت کا منتہائے خیال فریڈرک اعظم کے لئے بھی طاقت کا حاصل کرنا ہی تھا۔ جیسا کہ اس کے شاگرد اور مداح پروفیسر ٹریٹشکے کا منتہائے خیال تھا۔ ٹریٹشکے کے اُصولوں کا منبع و ماخذ یہی تھا۔ اور اِس سے اُن اصولوں کا جواز بھی ایک حد تک نظر آتا ہے کہ جب سرگرمی اور ہمّت سے طاقت حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔ تو وہ اپنے ساتھ ہی خوشحالی کو بھی لے آتی ہے۔

حصولِ طاقت کی کوشش میں کوئی ذرائع نا جائز نہیں سمجھے جاتے۔ شاہانِ پرشیا کے طریقوں میں یہ تیسری بات نظر آتی ہے۔ فریڈرک اعظم ایک یا دوسری

صورت میں اِس خیال کو بار بار کہتا ہے - کہ بادشاہ کو ایسا کوئی معاہدہ نہیں کرنا چاہیئے - جو اُس کے اپنے فوائد کے منافی ہو - اُسے عہد نامہ کو اُسی وقت نا جائز سمجھ لینا چاہیئے - جبکہ وہ اُس کے اپنے لئے فائدہ مند نہ رہے - اور وہ سخت گناہ کرتا ہے جب وہ اپنے آپ کو کسی ایسے معاہدہ کا پابند کرتا ہے - جو خود اُس کے لئے کسی طرح مفید نہیں - یہ ٹریشکے کا اصول ہے - جو خود ٹریشکے کے عہد سے ایک صدی پہلے دکھائی دیتا ہے - اور اسی اصول پر شاہِ اعظم اور اُس کے بزرگ بالخصوص شاہِ اعظم ہمیشہ عمل پیرا رہا ہے ؛

الکٹرِ اعظم نے پرشیا پر جس کا کہ وہ پہلے پولینڈ کی طرف سے باجگذار تھا - اپنے دو ہمسایوں سویڈن اور پولینڈ کے ساتھ اُلٹی سیدھی چالیں چل کر خود مختارانہ قبضہ کر لیا - اور لوئس چہاردہم کے ساتھ اور اُس کے خلاف سازشیں کر کے اِس بات کی شہرت حاصل کی - کہ یورپ کے بادشاہوں میں وہ سب سے زیادہ غیر معتبر بادشاہ ہے - کیونکہ وہ ہر طرف سے باری باری امداد لیتا رہا - حالانکہ اِس کے عوض اُس نے کام کچھ نہیں دیا - اور اِس امداد کو اپنے کاموں میں صرف کرتا رہا -

لیکن فریڈرک اعظم اپنے پڑدادا سے بھی گوئے سبقت لے گیا - جب اُس نے تخت نشین ہو کر اپنی افواج کی عنان ہاتھ میں لی - تو پانچ ماہ بعد مئی ۱۷۴۰ء

ہیں آسٹریا کی حکومت بھی نئے حکمران نوجوان شہزادی
میریا تھیریسیا کے ہاتھ آ گئی - فریڈرک کے باپ نے بھی
اُس مشہور دستاویز کو تصدیق کیا تھا - جس کے رُو
سے شہزادی میریا تھیریسیا کو اِس بات کا حق دیا گیا
تھا - کہ وہ اپنے ملک کی بلا شرکت غیرے وارث ہوگی
فریڈرک نے بھی خود بخود نئے حکمران کو چٹھی لکھی - جس
میں پہلے عہد کو تازہ کیا گیا تھا - اور اُسے بشرطِ ضرورت
اپنی فوج کی خدمات پیش کیں - اِس طرح شہزادی میریا
تھیریسیا کو غفلت میں رکھ کر تین مہینہ کے اندر ہی
وُہی فوج بھیج کر اُس کے ایک زرخیز صوبہ پر قبضہ
کر لیا - اور اِسی دھوکے اور جبر سے سلیسیہ کو سلطنت
پرشیا میں شامل کیا گیا تھا - جیسے کہ جس بہادری سے
بعد میں سات سالہ جنگ لڑی گئی تھی - اُس سے
بھی وہ پہلی مکاری کی یاد مٹ نہیں سکی - در اصل
فریڈرک کے خلاف اِتنی سلطنتوں کے جمع ہو کر حملہ
کرنے کا باعث زیادہ تر وُہ شبہ تھا - جو فریڈرک
کے طریقِ عمل سے پیدا ہو گیا تھا - اور لوگوں کو یقین
تھا - کہ وہ پھر پہلی چالیں ہی اختیار کرنے والا ہے -
جو یقین کہ بالکل بے بنیاد نہ تھا - اور جب سات
سالہ جنگ ختم ہو گئی - اور سلیسیہ محفوظ ہو گیا -
تو فریڈرک کی مکاری اور نہایت ہی مکروہ چال کی
بدولت زمانہ حال میں تواریخ کا نہایت ہی قبیحہ جرم
اِرتکاب میں آیا - کہ ۱۷۷۲ء میں پولینڈ پہلی مرتبہ

تقسیم ہو گیا ۔ جس سے پرشیا کو اور بھی زیادہ علاقہ ہاتھ آ گیا ۔ اور اس کا درجہ یورپ کی سلطنتوں میں پہلے سے بھی بلند ہو گیا ۔ درحقیقت شاہِ اعظم نے اپنی سلطنت کے رُتبہ اور رسوخ میں بہت اضافہ کر دیا ۔ جس نے جرمنی کو ایسے راستہ پر ڈال دیا ۔ جس سے کہ اِتحاد کی اُمید بندھ گئی ۔ اور یہ بات بھی شک و شُبہ سے بالا تر ہے ۔ کہ اُس نے یہ کارروائی جبر اور دھوکے سے کی ۔ سلطنت کے تمام ذرائع کو فوجی طاقت پر صرف کر دیا ۔ اور بین الاقوامی تعلقات کی عزت کے معاہدوں کو نہایت بیہودگی سے نظر انداز کر دیا ۔ پرشیا کی تاریخ کے عہد ترقی کا اخلاقی پہلو یہ ہے ۔ کہ سلطنت کا اصلی مدعا طاقت ہے ۔ طاقت حاصل کرنے کا بڑا ذریعہ فوجی طاقت ہے ۔ نہایت اعلےٰ اور سائنٹفک طریقوں پر ترتیب ہوئے تمام ذرائع سلطنت کو فوجی طاقت کی ضروریات کے لئے سمجھنا چاہیئے ۔ حصولِ طاقت کے لئے ہر قسم کے ذرائع اختیار کرنا جائز ہے ۔ اور کوئی عہد نامہ قابلِ تقدیس نہیں ہے ۔ المختصر یہ کہ جُرم جب کامیاب ہو جائے ۔ تو جُرم نہیں رہتا ۔

اِس قسم کی پالیسی کو کامیاب بنانے کے لئے جُرات اور احتیاط نہایت ضروری ہیں ۔ اِنقلاب فرانس کے زمانہ میں معلوم ہوتا ہے ۔ کہ یہ صفات پرشین پالیسی سے دور ہو گئی تھیں ۔ لیکن سلطنت کے

ملکی فوائد کی نگہداشت اور دوسرے معاملات سے لاپرواہی کا عنصر ابھی نمایاں طور پر باقی تھا - پرشین گورنمنٹ نے اِنقلاب پسند فرانسیسیوں کے خلاف حملہ میں شامل ہونے کا اِقرار کر لیا - لیکن جب اُسے جلدی ہی معلوم ہوگیا - کہ اِس سے براہِ راست جرمنی کو کوئی فائدہ نہ ہوگا - تو اُس نے فوراً اپنی افواج کو واپس بُلا لیا - اور اپنے حلیف کو منجدھار میں چھوڑ دیا - اور خود پولینڈ کی دوسری اور تیسری تقسیم کے لئے روس کے ساتھ جا شامل ہؤا - پھر ۱۷۹۵ء میں فرانس نے ساتھ صُلح کر لی - اور دریائے رائن کا تمام مغربی جرمن علاقہ چھوڑ دیا - جہاں اُس کا اپنا چنداں فائدہ نہیں تھا - اور اس طرح اُس نے جرمنی کے قومی خیال کے ساتھ غداری دِکھلائی کہ شمالی جرمنی میں اپنا رسوخ بڑھانے اور پولینڈ کا نیا علاقہ ہضم کرنے کے لئے اس علاقہ سے دست بردار ہو گیا - اِس طرح پرشین فوج ۱۷۹۵ء سے ۱۸۰۶ء تک کی خوفناک جنگ کا چُپ چاپ تماشہ دیکھتی رہی - جس رویہ کو فریڈرک اعظم ہرگز پسند نہ کرتا تھا ۱۸۰۵ء میں جب نپولین کے سارے یورپ پر قابض ہونے کا خطرہ تھا - تو پرشیا نے اُسے روکنے کے لئے آسٹریا اور رُوس کے ساتھ شامل ہونے کی بجائے اُس نے اپنے علاقہ میں ہنوور کے ملحق کرنے کا موقعہ سمجھ کر اِس مطلب کے لئے سلسلہ جنبانی کی - لیکن جب نپولین نے اپنے ابتدائی دشمنوں کو

شکست دے کر یہ ظاہر کر دیا ۔ کہ وہ اِس غیر معتبر طاقت کو مضبوط کرنا مناسب نہ سمجھتا تھا ۔ اور پرشیا اپنی مکاری میں نا کامیاب ہؤا ۔ تو اُس نے دوسرے ہتھیار یعنی جبر کا سہارا لیا ۔ کیونکہ اُسے پورا یقین تھا ۔ کہ شاہِ اعظم کے مقابلہ میں کارسیکن کے رذیل آدمی (نپولین) کی پیش نہیں جائے گی ۔ نتیجہ یہ ہؤا ۔ کہ جینا Jena کے مقام پر پرشیا کو شکست فاش نصیب ہوئی ۔ اور پرشیا اپنے اونچے مرتبے سے فوراً گر گئی ۔ اس کا آدھے سے زیادہ علاقہ ہاتھ سے جاتا رہا ۔ اُس کے علاقہ میں فرانسیسی چھاونیاں قائم ہو گئیں ۔ اور پولینڈ کا نیا فتح کیا ہؤا علاقہ بھی ہاتھ سے جاتا رہا ۔ جو اپنے بازو پر فرانس کا سہارا لے کر ایک خود مختار صوبہ بن گیا ۔ اور سب سے کڑی چوٹ یہ پڑی ۔ کہ اُسے ۴۲ ہزار سے زائد فوج رکھنے کا اختیار نہ رہا ۔ جس طاقت کا کہ پرشیا کے شاہی خاندان نے تانا تنا تھا ۔ معلوم ہوتا تھا ۔ کہ وہ مسمار ہو گئی ہے ۔ اِن واقعات سے اخلاقی نتیجہ نکال جا سکتا ہے ۔ کہ جس پالیسی پر عمل کرنے سے ساری دنیا میں بے اعتباری پھیل جائے ۔ وہ کسی سلطنت کے لئے بالآخر مفید نہیں ہوتی ۔ خواہ اس سے شروع میں کتنا ہی فائدہ کیوں نہ ہو ۔ لیکن پرشین مورخوں نے جو نتیجہ نکالا ہے ۔ وہ اس سے بالکل مختلف ہے ۔ اور ٹرئیٹشکے نے یہ نتیجہ نکالا ہے ۔ کہ "مقننت

کا بڑا جرم یہ ہے - کہ وہ کمزور ہو - جینا کی شکست بے عزتی کی سزا نہیں تھی - بلکہ اِس بات کی سزا تھی - کہ بے عزتی میں کافی جرأت سے کام نہیں لیا گیا تھا"

۱۸۰۶ء کے بعد پرشیا کو پھر اپنی تقویت کے لئے بنیاد سے تعمیر شروع کرنی پڑی - اور اب اس کی نشو و نما میں انتہا درجہ کا دلچسپ زمانہ آیا - پرشیا کے رئیس اور پرشیا کے افسر اپنے روایتی طریقوں کی تباہی کے بعد سخت الترا کو پہنچ گئے - اور نئے پرشیا کی تعمیر کے لئے جرمنی کے دوسرے حصّوں سے آدمی بُلانے پڑے - اِصلاح اور از سرِ نو تربیت کا جو شاندار کام ۱۸۰۸ء سے ۱۸۱۳ء تک ہوتا رہا - اور جس سے نپولین کے خلاف قومی ترقی کا شاندار زمانہ آنا ممکن ہو گیا - اُسے اُن لوگوں نے انجام دیا تھا - جو پرشین روایات کے خلاف تھے - اور جنھوں نے اپنی خدمات محض اِس لئے سلطنتِ پرشیا کے واسطے پیش کی تھیں - کہ یہ متحدہ جرمنی کا مغز یا مرکز بن جائیگا - اور جنھوں نے اِس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے سلطنت کا ڈھانچہ ہی بدل ڈالنے کی جان توڑ کوشش کی - ہارڈین برگ جس نے پرشیا کی خارجہ پالیسی کا رُخ ہی بدل دیا تھا - اور اُس کا مقصد ایک خاص علاقہ کی برتری کی بجائے متحدہ جرمنی کا مفاد قرار دیدیا تھا - وہ شخص صوبہ ہنوور Hanover کا رہنے والا تھا - اور فریڈرک کی افواج

کو از سرِ نو ترتیب دینے والا شارن ہوسٹ بھی اسی نسل سے تھا۔ جس کی یہ خواہش تھی۔ کہ فوج کو فاتح بادشاہ کے لشکر کی بجائے ایک آزاد قوم کی محافظ بنا دے۔ جو بوقتِ ضرورت غیر ممالک کے خلاف ہتھیار اٹھائے۔ اِس گروہ کا سب سے بڑا ممبر سٹائن جو رائین لینڈ کا رہنے والا تھا۔ وہ باقی ساتھیوں سے بھی اِس پہلو میں بڑھا ہوا تھا۔ اور یہ بالکل ٹھیک ہے۔ کہ وہ پرشیا کا وہیں تک ساتھی اور حامی تھا۔ جہاں تک کہ پرشیا جرمن قوم کی آزادی اور سیلف گورنمنٹ کے لئے کارآمد ہو سکتا تھا۔ اُس کا جذبہ آزادی کی محبت تھی۔ اور اُسے پرشین روایات سے سخت نفرت تھی۔ اور اُس نے جو بڑی بڑی اصلاحیں کیں۔ وہ اصلاحیں جنہیں قدیم حکمران جماعتیں سخت ناپسند کرتی تھیں۔ اور صرف اِس وجہ سے عمل میں آ سکیں۔ کہ سلطنت کی مایوسانہ حالت کا عام طور پر یقین ہو گیا تھا۔ اِن تمام اِصلاحوں کا محرک یہ یقین تھا۔ کہ سب سے طاقتور سلطنت وہ ہے۔ جس کے باشندے آقا (حکمران) کے محض غلام اور ملازم ہی نہیں۔ بلکہ ملک کی عام بہبودی کے حصہ دار ہوں۔ پرشین رئیسوں اور جاگیرداروں کے ہاں جو غلام تھے۔ اُنہیں اس نے یکدم آزاد کر دیا۔ جس سے جاگیردار۔ رئیس اُس سے سخت ناراض ہو گئے۔ انگریزی طرزِ حکومت کا طالب علم اور

تدارک ہونے کے سبب اُس نے پرشیا میں لوکل سیلف گورنمنٹ کو معقول درجہ تک رواج دیا۔ اور تمام سلطنت کے لئے پارلیمنٹری طریق حکومت کو وہ سب سے بہتر خیال کرتا تھا۔ جس کا کہ بادشاہ نے بھی ۱۸۱۵ء کی گھبراہٹ اور بے چینی میں وعدہ دے دیا تھا۔ شائن نے سب سے زیادہ اِس بات کو محسوس کیا۔ کہ اگر پرشیا نے متحدہ جرمنی کا رہنما بننا ہو۔ تو اس کے تعلقات اُس حیرت انگیز ذہنی تحریک کے ساتھ یکساں ہونے چاہئیں۔ جو اُس وقت اپنے پورے عروج پر تھی۔ اور جو جرمن قوم کی حقیقی شان تھی۔ چنانچہ برلن یونیورسٹی کی قایمی کے یہی معنی تھے کہ پرشیا ذہنی جرمنی کے ساتھ شامل ہو جائے۔ اور وہ بہت حد تک اِس بات میں کامیاب ہو گیا۔ اِن تمام اصلاحات سے پتہ چلتا ہے۔ کہ پرشیا اپنی قدیم چال ڈھال کو چھوڑ کر ایک نئے راستہ پر چل پڑا تھا۔ اور اُنہیں اصلاحات کی بدولت پرشیا جرمنی کے اکثر آزاد خیال باشندوں کی امیدوں کا مرکز بن گیا۔ اور وہ اس سے نہ صرف جرمنی کے قومی اِتحاد کی امید رکھنے لگے۔ بلکہ قومی آزادی اور سیلف گورنمنٹ کی توقع بھی کرنے لگے۔ اور اسی جوش کا یہ نتیجہ تھا۔ کہ ۱۸۱۳ء و ۱۸۱۵ء کی آزادی کی دلسوز جنگ میں پرشیا نے ایسا نمایاں کام انجام دیا۔ معلوم ہوتا تھا۔ کہ اِس ریاست نے اپنی پہلی روایات کو بالکل

بھلا دیا ہے۔ اور اب اُس نے اپنا مقصد طاقت سے کسی بہتر چیز یعنی آزادی اور انصاف کو قرار دے لیا ہے۔ اور دو متضاد جرمنیوں کا تیزی خط مٹ رہا ہے۔ جن میں سے ایک دل کی دنیا میں ہر شخص کو پورا حصہ دار سمجھتی تھی۔ اور دوسری صرف مادی سلطنت کے خواب دیکھتی تھی۔

لیکن یہ میٹھی اُمیدیں جن سے سالوں تک آزادی کی امیدیں بندھی رہی تھیں۔ آخر [illegible] پھندے میں آ گئیں۔ پرشیا کی روایات ایسے گہرے طور پر جا گزین تھیں۔ کہ ان کا اکھاڑنا چنداں آسان نہ تھا۔ پرشین رُوساء اور حکام نے نئے خیالات کو بڑا با دلِ ناخواستہ قبول کیا تھا۔ جو کہ اُن طریقوں اور خیالوں کے بالکل مخالف تھے۔ جن پر پرشیا کی عظمت قائم ہوئی تھی۔ اصلاح کرنے والے جلدی ہی نظروں سے غائب ہو گئے۔ سٹائن کو نپولین کے کہنے پر ۱۸۰۸ء میں باہر نکال دیا گیا۔ اور جب نپولین گرفتار ہو گیا۔ تب بھی اُسے بحال نہیں کیا گیا۔ چند سال بعد اس کی نگرانی کے لئے پولیس مقرر کی گئی۔ کیونکہ اُسے خطرناک "آزاد خیال" سمجھا جاتا تھا۔ اور بعض لوگ چاہتے تھے۔ کہ اُسے بالکل برباد کر دیا جائے۔ ہارڈن برگ چند سال اپنے عہدہ پر بحال تو رہا۔ مگر صرف اس لئے کہ جن کاموں کے لئے اُس نے اتنی جد و جہد کی تھی۔ اُنہیں اپنے ہاتھوں مٹا

دے۔ پرشین رؤساء اور حکام نے اپنی عنان ہاتھ میں لے لی۔ اگرچہ اُس وقت پرشیا نیا رنگ پکڑ چکا تھا۔ پارلیمنٹ بنائے جانے کے وعدے طاق پہ رکھ دئیے گئے۔ ۱۸۱۵ء کے بعد ابتدائی سالوں میں پرشیا سے جرمنی کی اُمیدیں رفتہ رفتہ مایوسی سے بلکہ سخت غصّہ سے بدل گئیں۔ اور ۱۸۱۵ء کے بعد دو جرمنیوں کی درمیانی خلیج پھر بسرعت گہری ہوتی گئی۔

ہم یہ ظاہر کر چکے ہیں۔ کہ "انقلاب" سے پہلے جرمنی کی ذہنی دُنیا نے پولیٹیکل سوالات میں نسبتاً کم دلچسپی لی تھی۔ خواہ کسی قسم کی گورنمنٹ کے ماتحت ہو۔ وہ صرف اس بات میں قانع و شاکر تھی۔ کہ شانتی سے اپنے علمی کاموں میں لگی رہے۔ اور جرمنی کے نفاق کو بُرا سمجھنے کی بجائے اِس بات سے خوش تھیں۔ کہ ویمر Weimar ایسی چھوٹی چھوٹی ریاستیں موجود ہیں۔ جن کے شہزادے اہل علم و ہنر کے مُربّی و قدردان تھے۔ لیکن "اِنقلاب" اور اس پر بحث و مباحثے ہوتے رہے۔ اُن سے یہ سب کچھ بدل گیا۔ اور اُنیسویں صدی کے پہلے نصف حِصّہ میں یونیورسٹیاں پولٹکس میں گہری دلچسپی لینے لگیں۔

اِس زمانہ میں دوسرے مُلکوں کی طرح جرمن پولیٹیکل خیالات بھی دو بڑی لہریں تھیں۔ ایک فریق عوام کے خلاف چرچ اور حکومت کی فرماں برداری کے

اُصول کا وعظ کرتا اور گذشتہ عقیدت کے ایام کو واپس لانا چاہتا تھا۔ مگر اِن لوگوں کی تعداد بہت تھوڑی تھی۔ بالعموم یونیورسٹیاں اور سمجھ دار لوگ جو اِن یونیورسٹیوں کے اثر میں تھے۔ وہ اِن کے خلاف آزادی کے حامی تھے۔ حتیٰ کہ ۱۸۱۹ء میں یہاں تک نوبت پہنچ گئی۔ کہ آسٹریا اور پرشیا کی سلطنتیں اِس بات پر متفق ہو گئیں۔ کہ تمام یونیورسٹیوں میں "جیکو بائنس" (انقلابِ فرانس) کے خیالات کا جوش سوسائٹی کے لئے خطرے کا موجب ہے۔ اور دونو سلطنتوں نے مِل کر اِن خیالات کو دبانے اور پروفیسروں کو اِلدم موقوف کر دینے کا فیصلہ کر لیا۔ اور آزاد خیال طالبعلموں کو وظائف دیئے جانے کی مخالفت کر دی جو کہ ہر جگہ پھیل گئے تھے۔ اور ایک دوسرے کے ساتھ ملحق ہو گئے تھے۔

پچاس سال کے اندر جرمنی کی یونیورسٹیاں ایک پولٹیکل سکیم کا مرکز بن گئیں۔ ہر بات میں فارمولا (قاعدہ) کے عادی ہونے کے سبب پروفیسروں اور شاگردوں نے قومیت اور آزادی کے توام خیالات کا حلف لیا۔ اور اِن مسائل کے نہایت ہی سرگرم حامی بن گئے۔ اُنھوں نے جرمنی کے اِتحاد کا پرچار کیا۔ ایسا اِتحاد جس میں کہ تمام ریاستیں اور پرشیا بھی شامل ہو جائے۔ اُنھوں نے پولٹیکل آزادی کے مسائل اور پارلیمنٹری طریق حکومت کا اور بھی زور سے

پرچار کیا - اُن کی آرزو یہ تھی - کہ جرمنی ایک ہی سلطنت ہو جائے - جس پر جمہوری سلطنت یا محدود اختیارات کا بادشاہ حکومت کرے - لیکن وُہ اپنے آپ کو صرف جرمنی کا نہیں بلکہ سارے یورپ کا شہری سمجھتے تھے - وہ اِنگلستان کے انسٹی ٹیوشنوں کی عزت اور تعریف کرتے تھے - اور اِس بات سے خوش تھے - کہ اِنگلستان آزادی کا حامی ہے - انہیں فرانس کی جد و جہد کے ساتھ پوری ہمدردی تھی - وہ یونان - سپین - اِٹلی - بلجیم - پولینڈ اور دوسرے ملکوں کی تحریکوں کی کامیابی پر خوش اور ناکامی پر رنجیدہ ہوتے تھے - وہ اپنے بزرگوں (پیشروؤں) کی طرح عالمگیر اُخوت کے حامی تھے - بلکہ ان کی اُخوت ذہنی کے ساتھ ہی پولٹیکل بھی تھی - متحدہ جرمنی جس کی کہ وہ آرزو رکھتے تھے - اُس کا مُدعا یہ نہیں رکھتے تھے - کہ وہ اپنے ہمسایوں کو دبانے کے لئے "طاقت کی حکومت" ہو - بلکہ اُسے یورپ کی آزاد قوموں میں ایک آزاد قوم بنانا مقصود تھا - جو باہمی عزت اور امن کی زندگی گذاریں - اور روحانی سلطنت میں ترقی کرنے کے لئے باعزت رقابت سے کام لیں - انہیں طاقت کا نہیں بلکہ اِنصاف اور آزادی کا خیال تھا - جس کے لئے کہ سلطنت کی ضرورت تھی اور وہ جنگ کو اچھی چیز نہیں سمجھتے تھے - بلکہ اِسے بُرائی سمجھتے تھے - جیسے اِنسانیت عقل و اِنصاف

کی منابعت میں ایک دن مٹا سکے گی - اس نسل کے لوگوں کو پرشین خیال کے جدید جرمن مورخ عادتاً بُرا سمجھتے ہیں - اور اُنہیں خواب دیکھنے والے - جذباتی اور بہی خواہ نوعِ انسان کہتے ہیں - جو اُن کے خیال میں بھاری گناہ ہے - لیکن اُن کے اندر جرمن تہذیب کے بڑے بڑے آدمی موجود تھے - اور طاقت کی سلطنت کو جس نے کہ اُن کے خیالات کو بُری طرح مٹا دیا ہے - دماغی فتوحات میں ان سے برتری تو کہ برابری بھی نصیب نہیں ہوئی ؛

انیسویں صدی کے پہلے نصف حصّہ میں خیالات و خواہشات کی جرمنی نے قومی اِتحاد اور قومی آزادی کے لئے جان توڑ کوشش کی - انہیں بعض چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں کچھ کامیابی بھی ہوئی - بالخصوص جنوبی ریاستوں میں جہاں کہ پارلیمنٹ کے طریقے رائج ہو گئے - لیکن اُنہیں پوری فتح اُس وقت ہاتھ آئی معلوم ہوتی تھی - جبکہ ۱۸۴۸ء میں فرانس کی نظیر نے اُس زمین پر اپنا اثر کیا - جس کی تیاری کے لئے کہ اتنی کوشش کی گئی تھی - اور جرمنی کے ہر ایک حصّہ میں اِکدم اِنقلاب پھوٹ پڑا - یہ اِنقلاب ایسا ناگہانی پھوٹا - اور ابتداء میں اسے ایسی مکمل کامیابی نصیب ہوئی - کہ تمام گورنمنٹیں سارے جرمنی کی پارلیمنٹ کے اِنتخاب پر رضامند ہو گئیں - جس کا کام کہ فرینک فورٹ میں اجلاس کر

کے متحدہ جرمن سلطنت کے لئے ضابطہ تیار کرنا تھا۔
پارلیمنٹ کا اجلاس بڑے جوش سے ہُوا۔ اور مکتبی
مسائل عملی صورت اختیار کرنے ہی والے تھے۔ کہ
ابتداء ہی میں صاف معلوم ہو گیا۔ کہ نتیجہ کچھُ نہ
ہوگا۔ پارلیمنٹ بہت تھوڑے وقت میں بہت زیادہ
کام کرنا چاہتی تھی۔ اور مکتبی مسائل جب عملی مسائل
کے سامنے آئے۔ تو ان میں بڑا اختلاف پیدا ہو
گیا۔ اور بالآخر فرینک فورٹ کی پارلیمنٹ بالکل نا
کامیاب ہو گئی۔ خیالات کی جرمنی کو موقعہ تو ملا۔
مگر وہ ہاتھ سے جاتا رہا۔ اب یہ دیکھنا باقی رہ
گیا۔ کہ کیا دوسری جرمنی جو خُون اور ہتھیاروں کی
جرمنی ہے۔ زیادہ کامیاب ہوتی ہے۔ یہ صورت اُنیسویں
صدی کے وسط میں تھی۔ جرمنی اُس وقت بڑی
حیرانی میں تھی۔ اور اُسے رہنمائی کی سخت ضرورت تھی۔
لیکن ہمیں یہ کہنے کی ضرورت نہیں۔ کہ مکتبی آزاد خیالوں
کے خیالات نے سلطنتِ پرشیا کے حکومتی عناصر پر
کوئی اثر نہیں کیا۔ کیونکہ جن باتوں پر وہ زور دیتے
تھے۔ وہ سب کی سب پرشین روایات کے خلاف
تھیں۔ پرشیا کے رئیس اور افسر لوگ جرمنی کے اِتحاد
کی مطلق پرواہ نہیں کرتے تھے۔ تا وقتیکہ وہ سلطنت
پرشیا کے ماتحت نہ ہو۔ اور وہ متحدہ جرمنی کے خلاف
جس میں پرشیا کی تمیز اُڑ جاتی تھی۔ آخری دم تک
لڑنے کے لئے آمادہ تھے۔ اور وہ آزادی اور سیلف

گورنمنٹ کی قدر و قیمت کو بھی باور نہیں کرتے تھے - یہ اُن کی نظر میں خطرناک اور فاسد بیہودگی تھی - وہ آزادی میں نہیں - بلکہ آئین میں بھروسہ رکھتے تھے - اور بڑے امور کا فیصلہ عوام سے پرچیاں ڈلوا کر نہیں بلکہ فوجی افسروں اور تربیت یافتہ حکّام کی مضبوط حکومت میں یقین رکھتے تھے - اِس خیال کو وہ سب سے بیہودہ بات سمجھتے تھے - کہ دنیا کی اقوام میں برادرانہ تعلقات اور امن کی حکومت قائم ہو - وہ زندگی کی حکومت جنگ میں سمجھتے تھے - اور تلوار کے فیصلے کو ناطق خیال کرتے تھے ؛

باوجود پرشیا کی حکمران جماعت کے آزاد خیال لوگوں کے مسائل پر مفصلہ بالا رائے رکھنے کے اِس زمانہ میں پرشین پالیسی پرانی - مضبوط خود رائی اور فتوے سے بہت دور تھی - آزاد خیال شائع کا تھوڑا بہت زہر نواب طبع افسروں پر بھی اثر کر چکا تھا - فوجی جرمنی کا بہت بڑا علاقہ جو پرشیا نے نپولین کے زوال پر حاصل کیا تھا - فرانس کے خیالات سے بہت گہرے طور پر متاثر ہو چکا تھا - اور وہ سلطنت میں ایسا عنصر داخل کر چکا تھا - جو مشرق ایلب کے پرانے پرشیا کے بالکل ناموافق تھا - حتٰے کہ یہاں کے بڑے شہروں میں بھی آزادی کا زہر اپنا کام کر رہا تھا - ۱۸۴۸ء میں جب انقلاب ظہور میں آیا - تو اُس کا سب سے زیادہ زور برلن میں تھا - جو کہ

پرشین روایات کا گڑھ ہے - علاوہ ازیں اگرچہ پرشیا کے رئیس اور نواب طبع افسر آزادی کے خیالات کو ناپسند کرتے تھے - تاہم وہ پرشیا کے فوائد کو مدنظر رکھتے ہوئے ہر دلعزیز پارٹی سے میل ملاپ کی ترغیب سے بری نہیں تھے - ۱۸۴۸ء میں بادشاہ نے بھی اس امید پر کہ وہ نئی سلطنت جرمنی کا بادشاہ بن جائیگا - نیم دلی اور بہت سے رد و بدل کے بعد اس بات کو منظور کر لیا - کہ اس سے فرانک فرٹ کی پارلیمنٹ کے متعلق بات چیت کی جائے - اور اس سے بھی گر کر اس نے پارلیمنٹ بنانی منظور کر لی - جبکہ برلن کے انقلاب نے اسے مجبور کر دیا - اور ۱۸۵۰ء میں قطعی طور پر ایک آئین بھی بن گیا - اگرچہ اس طرح جو پارلیمنٹ بنائی گئی - اس میں چالاکی سے ایسے دستور بنائے گئے جن سے اونچے طبقے کے لوگوں کا غلبہ رہے - اور پارلیمنٹ پر دوسرے چیمبر کو نگران مقرر کر دیا - اور اگرچہ پارلیمنٹ کو گورنمنٹ کے عمل و انتظام میں دخل دینے کا اختیار ہوشیاری سے نہایت محدود کر دیا تھا. تاہم مطلق العنان پرشین سلطنت بھی ایک منتخب پارلیمنٹ سے نہ بچ سکی - یہ بات پرشین روایات کے سراسر خلاف تھی - اور اس سے اس کی پالیسی میں معقول بیقراری آ گئی - اور سب سے بڑی بات یہ تھی - کہ اس زمانہ کے بادشاہ فریڈرک اعظم کی طرح سلطنت کے مادی فوائد پر یکسوئی نہیں دکھلا سکتے تھے -

کیونکہ وہ ان وجوہات سے متاثر ہونے پر مجبور تھے۔ جن کا اثر کہ فریڈریک اعظم اپنی پالیسی پر مطلق نہیں پڑنے دیتا تھا۔ جب فریڈرک ولیم سوم کی باری آئی تو وہ آسٹریا کے چانسلر اور روس کے زار کے ہاتھ میں کٹھ پتلی کی طرح کھیلنے لگا۔ فریڈرک ولیم چہارم کے ملازم اکثر یہ دیکھ کر بہت چڑا کرتے تھے۔ کہ وہ پرشین جذبات کے خلاف حرکات کا مرتکب ہوتا تھا۔ مثلاً وہ آسٹریا کو جرمن سلطنت کا روایتی سرتاج سمجھ کر اُس کی متابعت رکھتا تھا۔ اور اِسے چھوٹے شہزادوں کے حقوق کے لئے مفید خیال کرتا تھا۔ اور اُس کا عقیدہ تھا کہ پرشیا کی ملک گیری کی بجائے اُس کا مقصد و مدعا یورپ کے انقلاب کا اِنسداد ہونا چاہئے۔ اِس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ ان سالوں میں پرشیا اپنی اصلی صورت میں نہیں رہا۔ اور بعض رئیس افسوس سے محسوس کرنے لگے۔ کہ سنہری زمانہ گذر گیا۔ اور شاہِ اعظم کی اپنی روایات ہمیشہ کے لئے مِٹ گئیں۔

لیکن اِس دوران میں پرشین طریقوں کا سب سے بڑا موجد اوٹو وان بسمارک زور پاتا اور اہمیت حاصل کرتا جاتا تھا۔ ۱۸۶۲ء میں جب اُس نے اِقتدار حاصل کیا۔ پرشیا کی قدیم طاقت اور صفائی پہلے سے بھی زیادہ کے ساتھ پھر نمودار ہوگئی۔ اور اِس میں

زمانہ کے حالات کے مطابق اصلاح ہو گئی - دس سال کے اندر بسمارک نے تین لڑائیاں لڑیں - جن کی فوری کامیابی نے شاہ اعظم کو بھی مات کر دیا - اور اس نے ساری جرمنی کو ہی پرشیا کے ماتحت نہیں کر لیا - بلکہ جرمنی کی ذہنی طاقتوں کو بھی مطیع کر کے پرشیا کی رتھ میں جوڑ دیا - یہ کارنامہ زمانہ حال کی تاریخ میں سب سے زیادہ حیرت انگیز ہے جو کہ قدیم پرشیا کے ہتھیاروں یعنی جبر و مکاری اور خون و اسلحہ سے ظہور میں آیا تھا ۔

بسمارک اگرچہ صاحب دماغ تھا - مگر وہ رئیسوں کا رئیس تھا - جو کہ نسل سے خالص پرشین اور ایک ایسے خاندان کا ممبر تھا - جو اپنی روایات کے لحاظ سے صدیوں تک پکا پرشین رہا تھا - اپنے عقائد اور دل کی حالت کے لحاظ سے وہ بالکل پرشین رئیس تھا - اور وہ پرشین روایات کے خلاف آزاد خیالی کی اس ترقی کو مطلق برداشت نہیں کرتا تھا - جو اس ایک نسل میں نیم دلی کے ساتھ حاصل کی گئی تھی - جبکہ بسمارک نے اقتدار حاصل نہیں کیا تھا ۔

تمام رئیسوں کی طرح بسمارک پرشیا کا پورا وفادار تھا - وہ جرمنی کے اتفاق کی وہیں تک پرواہ کرتا تھا - جہاں تک کہ وہ سلطنت پرشیا کے ماتحت ہو - لیکن وہ یہ بات خوب سمجھتا تھا - کہ بانی جرمنی میں قومیت کا جذبہ پورے زور پر ہے - جو بہت مفید

ہو سکتا ہے۔ اور جب اُس نے ہالینڈ اور آسٹریا کی لڑائی میں یہ ظاہر کر دیا۔ کہ جرمنی کا مالک پرشیا ہے۔ اور اُس کا سایہ سکہ بیٹھ چکا۔ تو وہ اونچی آواز سے جرمنی حب الوطنی کے راگ گانے کے لئے تیار ہو گیا۔ تا کہ لوگوں کو فرانس کی جنگ کے لئے تیار کیا جائے۔ جس جنگ کا کہ اُس نے بہت چھوٹی چھوٹی ریاستوں پر اختیار حاصل کرنے کے لئے منصوبہ باندھا تھا ؛

تمام رئیس جماعت کی طرح وہ بھی پارلیمنٹری طریقِ حکومت کا معتقد نہیں تھا۔ اور جس طرح اُس نے اپنے ابتدائی زمانہ میں ظاہر کر دیا تھا۔ وہ پارلیمنٹ کی تجاویز کو مسترد کر دینے کے لئے تیار تھا۔ اور اگر اور کسی طرح اُس کا کام نہ چلے۔ تو اسے بیخ و بن سے اکھاڑ دینے کے لئے تیار تھا۔ ایک واقعہ جس سے بسمارک کی دھاک بندھ گئی۔ ایسا سبق آموز ہے اور جرمن طریقِ حکومت کی کامیابی کے متعلق بھی اہمیت رکھتا ہے۔ کہ خاص تشریح کا مستحق ہے۔ کیونکہ آزادی کے اصولوں پر پرشیا کی فوجی حکومت کو مستقل اور کامل فتح اسی کی بدولت نصیب ہوئی تھی ؛

۱۸۶۲ء میں جب بسمارک پرشیا کا وزیر اعظم مقرر ہوا۔ تو ولیم اول اور پرشین پارلیمنٹ کے ممبروں میں جن کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ تین سال سے

سخت اختلاف چلا آتا تھا۔ بادشاہ نے جو فوج کا موروثی افسر تھا۔ فوج کو از سرِ نو ترتیب دینے کے لیئے ایک بڑی سکیم پیش کی۔ جس سے فوج کی تعداد اور خرچ میں بہت اضافہ ہوتا تھا۔ پارلیمنٹ کا قائم مقام (منتخبہ) گروہ اس سکیم کے خلاف تھا۔ اور وہ تین سال تک اظہار ناراضگی کے ساتھ ضروری اخراجات کے لیئے سال بہ سال عارضی منظوری دیتا رہا۔ ۱۸۶۲ء میں اس نے دس کے خلاف ۳۰۸ راے کی شاندار کثرت سے بجٹ کو بالکل نا منظور ہی کر دیا۔ جرمن تواریخ میں یہی ایک موقعہ تھا۔ جب کہ لبرل گروہ نے اتنی نمایاں فتح حاصل کر کے پارلیمنٹری طریق حکومت کی برتری کا اظہار کیا ہو۔ ہر ایک انتخاب کے موقعہ پر لبرل ممبروں کا بڑھتی ہوئی کثرت سے منتخب ہونا یہ ظاہر کرتا تھا۔ کہ پبلک راے ان کی طرف کس کثرت سے جھک رہی ہے۔ اور اس جد و جہد میں اُن کی کامیابی کے معنی پرشین مطلق العنانی اور پرشین جنگجوئی کا زوال تھا۔ جس سے انگلینڈ یا فرانس کی طرح کا طریقِ حکومت رائج ہو جاتا۔ لبرل ممبر قریباً جیت ہی چکے تھے۔ اور بادشاہ حکومت سے دست بردار ہونے کو ہی تھا۔ جس نے آخری تدبیر کے طور پر بسمارک کو اپنی مدد کے لیئے بلایا۔ جو کہ لبرل

خیالات کا انتہائی مخالف مشہور تھا +

بسمارک نے اِس سوال کو نہایت اُستادی سے حل کیا ۔ اُس نے پارلیمنٹ سے برملا کہا ۔ کہ ضابطۂ سلطنت کے مطابق نہیں ٹیکس کے اِنتظام میں دخل دینے کا کوئی حق نہیں ۔ اُس نے یہ پہلو اِختیار کیا کہ بادشاہ فوج کا خود مختار افسر ہے ۔ اور جب بادشاہ فوج کے لئے روپیہ کی ضرورت سمجھے ۔ تو پارلیمنٹ روپیہ دینے سے اِنکار نہیں کر سکتی ۔ چار سال تک پارلیمنٹ بجٹ نا منظور کرتی رہی۔ مگر بسمارک پارلیمنٹ کی رائے کے خلاف ٹیکس بڑہا کر حکمرانی کرتا رہا ۔ اُس کے پہلو پر طاقت تھی ۔ کیونکہ وہ فوج اور افسروں پر قدرت رکھتا تھا ۔ جو کہ ٹیکس وصول کرتے تھے ۔ اور اُس کے مخالفوں نے اُس کے اصولوں کو اِس ایک فقرہ میں بیان کیا ہے ۔ کہ" طاقت قانون کو توڑ دیتی ہے " اور پارلیمنٹ پرشین سلطنت میں اِن طریقوں کے مقابلہ پر یقیناً بے بس تھی +

بسمارک اِسی فوج سے ہالینڈ اور آسٹریا کی دونو لڑائیوں میں لڑا ۔ جس کے اخراجات اِس طرح پارلیمنٹ کی رائے کے خلاف برداشت کئے گئے تھے ۔ یہ دونو جنگ جرمن میں غیر ہر دلعزیز تھے۔ پارلیمنٹ کے کثیر التعداد ممبروں نے اُسی سختی سے اِس مونرچہ پالیسی کی مخالفت کی ۔ جس سے کہ

اُن بے ضابطہ طریقوں کی مخالفت کی - جن سے کہ یہ فوج ابزاد کی گئی تھی - لیکن اُن کی مخالفت کی یہاں بھی کوئی پرواہ نہیں کی گئی - جس طرح کہ ٹیکس کے انتظام کے متعلق اُن کے دعوے اور حق کی پرواہ نہیں کی گئی تھی - اِن لڑائیوں کے شاندار نتائج سے پارلیمنٹ کے حلقہ میں فتح ہو گئی - بسمارک نے پرشیا کی عظمت نہ صرف لبرل ممبروں کی مدد کے بغیر بلکہ اُن کی سخت مخالفت میں قائم کر دی - اور اِس فتح کے بعد مخالفت بالکل مٹ گئی - ۱۸۶۶ء میں اُس نے نہ صرف پرشیا کو جرمنی کی حکمران سلطنت بنا دیا - بلکہ اُس نے پرشیا کی ہر دلعزیز سلطنت کی صورت بھی مستند کر دی - اور دونو پہلوؤں سے اُسے جو کامیابی نصیب ہوئی اُس سے پبلک کے دل پر ایسا جادو چل گیا - کہ اُس نے اِن نتائج کو دلی جوش سے خیر مقدم کہا ؛

لیکن بسمارک ایسا چالاک تھا - کہ اُس نے اپنی فتوحات کا اثر حد سے متجاوز نہیں ہونے دیا - جونہی کہ اُس نے آسٹریا کے علاقہ کو اس بناء پر ملحق کرنے سے انکار کر دیا - کہ وہ آیندہ آسٹریا سے کچھ مطلب نکالنا چاہتا تھا - اُس نے ایک دفعہ یہ دکھلا کر کہ پارلیمنٹ اگر اس کی پالیسی میں رُکاوٹ ڈالے - تو اُسے نظر انداز کرنے میں کامیابی حاصل

کی جا سکتی ہے ۔ اور اُس کی طاقت کو حسب ضرورت کمزور کیا جا سکتا ہے ۔ اِن فتوحات سے آہستہ آہستہ آئینی ملقہ میں بھی کام لینا شروع کیا ۔ کیونکہ پارلیمنٹ سے پبلک رائے پر جو اثر پڑا ۔ اُس کی طاقت بہت کار آمد ہو سکتی تھی ۔ اس نے پارلیمنٹری اِنتظام کے فن کو ترقی دی ۔ اور چونکہ پبلک کا جذبہ بالخصوص پرشیا سے باہر اب تک پارلیمنٹری انسٹی ٹیوشنوں کے حق میں زبردست تھا ۔ وہ اس سے اپنی مطلب بر آری کے لئے تیار ہو گیا ۔ سنہ ۱۸۶۶ء میں جب پرشین سلطنت ہائی جرمنی پر بھی قائم ہو گئی ۔ تو قائمقامانہ طریق حکومت کے نفرت کرنے والے بسمارک نے نظامِ سلطنت کے جزو کے طور پر ایک پارلیمنٹ Reichstag قائم کی ۔ جس کے ممبر جرمنی کے تمام حِصّوں سے اِنتخاب کئے گئے ۔ اور رائے کا حق ایسی وُسعت سے مقرر کیا گیا ۔ کہ آزاد خیال (لبرل) لوگ بھی حیران اور ششدر رہ گئے ۔ لیکن جیسا کہ ہم آگے چل کر ظاہر کریں گے ۔ اُس نے دانشمندی سے اِس بات کا انتظام کر لیا ۔ کہ اِس پارلیمنٹ کو گورنمنٹ کے اصلی اِنتظام اور وزراء کے تقرر میں دخل دینے کا عملی طور پر کوئی اختیار نہ ہو ۔ حتّے کہ قوانین بنانے اور ٹیکس لگانے میں بھی کوئی اصلی طاقت نہ ہو ۔ اور ساتھ ہی کمال ہوشیاری سے اِس پارلیمنٹ کی نگہداشت کے لئے ایک اور ایوان معاہد سے سکے

اصول پر بنا دیا - جس کے اختیارات کہ پارلیمنٹ کے اختیارات سے کہیں زیادہ تھے - جب تک کہ جرمن کانسٹی ٹیوشن جس کے استحکام و قیام کا اطمینان اس طرح کر لیا گیا ہے - کہ اُسے اُن چھوٹی چھوٹی ریاستوں کے درمیان ایک معاہدہ کی صورت دیدی گئی ہے - جو ایک سلطنت کی صورت میں متحد ہیں - جب تک کہ اپنی موجودہ صورت میں قائم ہے - جرمن پارلیمنٹ گورنمنٹ کے راستے میں روڑا تو اٹکا سکتی ہے - لیکن اُس پر کوئی اختیار نہیں رکھتی - بلکہ جرمنی میں اصلی طاقت یا تو قیصر کے ہاتھ میں ہے یا چانسلر کے ہاتھ میں جسے قیصر نامزد کرتا ہے ؂

بسمارک کو دوسرے رئیسوں کی طرح آزاد خیال لوگوں کے اس مطالبہ سے بھی بہت کم ہمدردی تھی - کہ پریس (اخبارات) کی آزادی - بحث مباحثہ کی آزادی اور گورنمنٹ پر کھلم کھلا نکتہ چینی کی آزادی دی جائے - ۱۸۶۲ء سے ۱۸۶۶ء تک جب پارلیمنٹ اور بادشاہ میں سخت مخالفت تھی - اس عرصہ میں اور اس کے بعد بھی بسمارک نے اُن اخبارات کو دبانے اور بند کرنے میں تامّل نہیں کیا - جو کہ آزادی کے ساتھ اپنے فرائض کو انجام دیتے تھے - لیکن وہ یہ خوب سمجھتا تھا - کہ اخبارات کو دبانے اور اُن پر مقدمات چلانے کا کام زیادہ آزادی اور کثرت سے نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اُنیسویں صدی میں پبلک رائے کا گلا گھونٹنا

ناممکن تھا - اور اُسے ایک اور بہتر طریقہ معلوم تھا - اُس نے اپنے پولیٹیکل عہد کے شروع سے ہی پریس پہ رسوخ ڈالنے اور اس طرح پبلک رائے بنانے اور قابو میں رکھنے کا فن خوب سیکھ لیا تھا ۔

اِس فن میں آج تک اُس کا کوئی ثانی نہیں ہوا۔ اور نہ ہی کسی نے اس سے ویسی صفائی سے کام لیا۔ جس سے بسمارک لیتا تھا - وہ صرف پریس پہ ہی اثر نہیں ڈالتا تھا - بلکہ اپنے عہد کے پچھلے حصے میں اُس نے پروفیسروں سے بھی خوب راہ و ربط پیدا کیا - اور اُن پر اثر ڈالا - جن کا جرمن رائے میں بہت بڑا وزن تھا - بسمارک "اجتماعِ پبلک رائے" کے فن کا مُوجد تھا - جو کہ پرشین تدبّر کی بڑی شاخوں میں ایک شاخ بن گئی تھی - جس طریق پر کہ وہ ہر ایک بڑی جنگ سے پہلے پریس کی وساطت سے حسب دلخواہ خیالات پھیلا لیتا تھا - وہ اپنی چالاکی میں بالکل بے نظیر ہے - جرمن رائے جو پہلے ایسی پراگندہ اور منتشر تھی - اُسے بسمارک نے ہی "سلامی" کی صورت دے دی تھی - جو کہ بالخصوص خارجیہ تعلقات کے متعلق گورنمنٹ کی چوب کے اِشارے پر گائی جاتی تھی اور اُس نے یہ سب کچھ ایسی دانائی سے کیا کہ اختلافِ رائے یا اختلافِ طریق کو دبانے کی مُطلق کوشش نہیں کی ۔

بسمارک نے سب سے بڑا کام یہ کیا - کہ پرشیا کے اثر

و اقتدار میں جرمن سلطنت قائم کر دی ۔ یہ کامیابی اُسے تین لڑائیوں کی بدولت نصیب ہوئی ۔ جو کہ آٹھ سال کے اندر لڑی گئیں ۔ اور جب وہ اپنا کام کر چکا ۔ تو پھر اُس نے کوئی جنگ نہیں کی ۔ اور اپنے آپ کو اُس بڑی سلطنت کو ترتیب دینے میں لگا دیا ۔ جیسے اُس نے بتا دیا تھا ۔ تا کہ وہ اگلی سرگرمی کے لئے تیار ہو جائے ۔ پہلی لڑائی جو ڈنمارک کے خلاف سنہ ۱۸۶۴ ء میں ہوئی ۔ اس سے اُسے سکلیسوگ Schleswig اور ہالسٹن Holstein کو ملحق کرنے اور اس سے زیادہ اہم موقعہ آسٹریا سے چھیڑ چھاڑ کرنے کا مل گیا ۔ دوسری لڑائی سنہ ۱۸۶۶ ء میں آسٹریا کے خلاف ہوئی ۔ جس سے وہ آسٹریا کو جرمن معاملات سے الگ اور اُن بڑی بڑی جرمن ریاستوں کو پرشیا سے ملحق کر سکا ۔ جو اب تک خود مختار تھیں ۔ اور اس طرح پرشیا کا علاقہ آیندہ سلطنت کا دو تہائی ہو گیا ۔ اور اس کے اقتدار کا پورا یقین بیٹھ گیا ۔ تیسری لڑائی سنہ ۱۸۷۰ء میں فرانس کے ساتھ ہوئی ۔ جس سے یہ ظاہر ہو گیا ۔ کہ جرمنی کے اُس قومی دشمن کا مقابلہ جرمنی کی طرف سے پرشیا لے گیا ہے ۔ جو کہ ایک دفعہ جرمنی کی نا اتفاقی سے فائدہ اُٹھا چکا تھا ۔ اور اس لڑائی کی بدولت شاہِ پرشیا کے سر پر شاہ بویریا کی تحریک سے تاج شہنشاہی رکھا گیا ۔ جو جرمنی کی ان چھوٹی ریاستوں میں سب سے بڑا بادشاہ تھا ۔ جنہیں اب تک پرشیا کے خلاف

سخت حسد تھا۔ تینوں لڑائیوں کی تیاری اور معرکے نہایت سرد مہری سے ہوئے تھے۔ تاکہ اِن سے وہی نتائج اخذ ہوں جو کہ بعد میں ہوئے۔ بسمارک ہر ایک لڑائی شروع کرنے سے پہلے اِس بات کا اِنتظام کر لیتا تھا۔ کہ دُشمن کو اپنے حلیفوں سے مدد لینے کا موقعہ نہ ملے۔ اور اس نے کبھی کوئی ایسی لڑائی نہیں لڑی۔ جس کی فتح کا اُسے پہلے یقین نہ ہو گیا ہو۔

اِس غیر معمولی اِنسان کے طریقے در اصل وہی ہیں جو کہ اٹھارہویں صدی کے پرشیا کے طریقے تھے۔ یعنی سرد مہری سے فوجی طاقت کا اِستعمال۔ جو نہایت ہی اعلےٰ سائنٹفک ترتیب پر مبنی اور اخلاقی خیالات سے قطعی بے واسطہ ہو۔ لیکن بسمارک نے اپنے تمام پیشروں پر نہ صرف معاملہ فہمی میں اپنی برتری کا ثبوت دیا ہے۔ بلکہ سب سے زیادہ اپنی دانائی کا یہ ثبوت دیا ہے۔ کہ وہ ان چیزوں کی قدر و قیمت کا بالکل صحیح اندازہ کرتا تھا۔ جیسے وہ اپنی اِصطلاح میں "ناقابلِ وزن" کہا کرتا تھا۔ اُس نے نہ صرف اپنے ملک میں بلکہ دوسری جگہ بھی عام رائے کے اپنے حق میں ہونے کی اہمیت کو سمجھ لیا تھا۔ وہ انصاف اور کمزور کے ساتھ ہمدردی کے اِحساس کو جانتا تھا۔ اور یہ بھی سمجھتا تھا۔ کہ ظالم فوج کے ظالمانہ افعال سے نفرت اور غصّہ پھیلتا ہے۔ اور باعزت طرزِ عمل کے

بہت لوگ حق میں ہوتے ہیں - اور اگرچہ اُس کی رائے میں یہ باتیں بین الاقوامی امور پر کوئی اثر نہیں رکھتی تھیں - لیکن اتنا وہ ضرور جانتا تھا - کہ انہیں اپنے حق میں رکھنا بڑا مفید ہے - اِس لئے اُس کی لڑائیاں جیسی گنی گنھی ہوتی تھیں - اُن کا خیال کر کے وہ مذکورہ بالا امور کو اپنے حق میں حاصل کرنے کا اِنتظام کر لیتا تھا۔

جن طریقوں سے کہ اُس نے اپنی آخری لڑائی سے ذرا پہلے فرانس سے پبلک کی ہمدردی کو توڑ ڈالا - وہ اس کے طریق عمل کی قابلِ تعریف نظیر ہے - اِس جنگ کی تیاری بہت عرصہ پہلے اُس وقت شروع ہو گئی تھی - جبکہ آسٹریا کی جنگ ختم ہوئی تھی - لڑائی کے بعد جب پرشین سلطنت ترقی کرنے لگی - تو نپولین سوئم نے خیال کیا - کہ اِس سے میرے رتبہ کو نقصان پہنچا ہے - اِس لئے اُس نے "معاوضہ" کی ضرورت کا سوال اُٹھایا - اور بسمارک نے اِس مضمون پر فرانسیسی سفیر بینے ڈیٹی Benedetti سے بات چیت کی - اِس بات چیت میں اور معاملات پر گفتگو ہوتے ہوئے فرانس کے اِلحاق بلجیم کا بھی ذکر آ گیا - جو کہ ۱۸۳۹ء کے معاہدہ کے بالکل خلاف تھا - ایک موقعہ پر بحث مباحثہ میں اِس معاملہ کے متعلق چند تجاویز بینے ڈیٹی کے دستخطوں میں قلمبند کی گئیں - معلوم نہیں - یہ تجاویز بینے ڈیٹی نے خود بہ خود

لکھی تھیں یا جیسا کہ یقین کے ساتھ کہا جاتا ہے بسمارک نے اس سے یہ تجاویز لکھوائی تھیں۔ تاکہ ان پر بحث مباحثہ کیا جائے۔ اس کا صحیح علم کبھی کسی کو نہ ہوگا۔ صرف اتنا معلوم ہے۔ کہ بحث مباحثہ بالکل کانفیڈنشل (راز) تھا۔ اور تجاویز بات چیت میں گر گئیں۔ تحریری نوٹ ردی کی ٹوکری میں ڈال دئے گئے۔ بعد میں بینے ڈیٹی نے اس کاغذ کی بابت پوچھا۔ تو جواب ملا۔ کہ وہ تلف کر دیا گیا۔ حالانکہ وہ در اصل سنبھال کر رکھ لیا گیا تھا۔ اور تین سال بعد جنگ کے شروع ہونے سے ذرا پہلے یہی کاغذ نکال کر شائع کیا گیا۔ تاکہ یورپ کی پبلک رائے کو فرانس کے خلاف کیا جائے او. خصوصاً انگلستان میں فرانس کے خلاف غصہ پھیلایا جائے۔ یہ طریقے نوسر بازوں کے ہیں جنہیں پرنس بسمارک جیسے بڑے مدبر نے صرف ایک دفعہ نہیں بلکہ کئی دفعہ استعمال کیا۔ انہیں طریقوں سے وہ ان چیزوں کی قدر و قیمت کا صحیح اندازہ کرتا تھا۔ جن کو کہ ذاتی نہیں کہا جا سکتا مثلاً عزت کا احساس

اس طرح بسمارک نے پرشیا کے روایتی طریقوں پر عمل کر کے جرمن سلطنت قائم کی۔ مثلاً جن دنوں پرشیا چھوٹی سی ریاست سے بڑی سلطنت بنائی جا رہی تھی۔ تو سلطنت کی عظمت حاصل کرنے کا ذریعہ طاقت اور مکاری کو ظاہر کیا جاتا تھا۔ پرشیا کی روایت پر عمل کر کے بسمارک وہ کچھ کرنے میں کامیاب ہو گیا

جیسے فلاسفر لوگ اُس زمانہ میں بھی انجام کو نہ پہنچا سکے جب کہ وہ بر سرِ اقتدار تھے۔ اُس نے جرمنی کے باشندوں کو متحد کر دیا۔ ایک پارلیمنٹ قائم کی۔ جس کے اختیارات اگرچہ محدود تھے۔ تاہم وہ ساری جرمنی کی قائم مقام جماعت سمجھی جاتی تھی۔ پھر اگر جرمن رائے میں اِن واقعات سے انقلاب آ گیا۔ اور پرشین روایات ساری جرمن زندگی میں پھیلنے لگیں۔ تو اِس میں تعجب کی کونسی بات ہے۔

پرشیا کا فوجی تربیت کا طریق اور پرشین افسروں کے طریقے رفتہ رفتہ دوسری جرمن ریاستوں میں بھی پھیل گئے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے۔ کہ پرشیا کی سپرٹ۔ پولٹیکل امور پر پرشیا کا توجہ دینے کا طریقہ بھی جرمن دل کو تسخیر کرنے لگا۔ پرشین مورخ بسمارک کی فتحمندی سے پہلے پرشین بادشاہوں کے طریقوں کو جائز ٹھیرانے اور اُن کے نتائج کی شان کے گُن گانے لگ گئے تھے۔ اب بسمارک کی عالمگیر تعظیم اور اُس نے جرمنی کو جو طُرّے لگائے تھے۔ اُن کی عالمگیر توصیف سے یہ نمایش درجہ کمال کو پہنچ گئی۔ پروفیسروں کی فصاحت کا منبع مدبّروں کے کارنامے ہو گئے۔ ٹرلیشکے اور اس کا اصُول پرشین معیار کی آخری پیدا وار تھے۔ اور فریڈرک اور بسمارک کے طریقے معقول اور عمدہ ریاست کی گورنمنٹ کے بہترین قواعد سمجھے جانے لگے۔ اور اِس طرح

دو سو سال کی تواریخ نے ثابت کر دیا - کہ سب سے بڑی چیز طاقت ہے - اور باقی سب چیزیں اُس کے تابع ہیں ؎

اسی چانسلر (بسمارک) کی سب سے بڑی مگر سب سے خوفناک کامیابی یہ ہے - کہ اس نے کانٹ Kant اور گاتھے Goethe کے ہموطنوں کی رُوح پر پرشین رنگ چڑھا دیا ؎

چوتھا باب

جرمنی پر پرشیا کس طرح حکمران ہے ؟

بسمارک کی کامیابی سے پرشیا کی حکومتی اصول اور طاقت کے اصول نے ہی جرمن دل کو تسخیر نہیں کیا - بلکہ اُس سے باقی جرمنی پر عملی طور پر پرشین سلطنت اور پرشین طریقوں کا تسلط بھی بیٹھ گیا - ۱۸۷۱ء میں سلطنت جرمنی کے لئے جو ضابطہ مرتب ہوا - اس

سے یہ اقتدار تکمیل کو پہنچ گیا - یہ ضابطہ ظاہری شکل و صورت میں اگرچہ نیم جمہوری نظر آتا ہے - مگر جس طریق پر اس ضابطہ پر عملدر آمد ہوتا ہے - وہ اِس بات کا محتاج ہے - کہ ہم جرمن طریقِ حکومت کی تشریح کر دیں ؛

سلطنت جرمنی چھبیس ریاستوں کا مجموعہ ہے - جن میں بہت سی تو بالکل چھوٹی ریاستیں ہیں - اور پرشیا سب سے بڑی ریاست ہے - جس کی آبادی سلطنت جرمنی کی مجموعی آبادی کا ⅗ حصّہ ہے - اِن ریاستوں میں سے ہر ایک کی گورنمنٹ الگ الگ ہے - اور سوائے دو کے سب کی الگ الگ پارلیمنٹ Landtag بھی ہے - ہر ایک ریاست کی پارلیمنٹ کے اختیارات جُدا جُدا ہیں - مگر سوائے تین فری سٹیز Free cities (آزاد شہروں) کے ہر ایک ریاست کی حکومت کا مرکز ایک حکمران ہے - خواہ اُس کا نام بادشاہ ہو اور چاہے ڈیوک ہو - اور بادشاہ کے ماتحت ہر ایک ریاست میں مستقل افسروں کی بھی ایک جماعت ہے - اور یہ شاہی طریقہ وہاں تمام دوسرے ملکوں سے زیادہ آزاد اور با اختیار ہے - کسی ریاست میں ایسے وزیر نہیں ہیں - جو پارلیمنٹ کے ماتحت ہیں یا ایسے وزیر حکومت کا انتظام کرتے ہیں - جنہیں موقوف کرنے کا پارلیمنٹ کو اختیار ہو - جیسا کہ اِنگلستان یا فرانس میں ہے ؛

لیکن پرشیا میں افسر لوگ پارلیمنٹ کے اِقتدار و اثر سے بالکل آزاد ہیں۔ یہاں کی پارلیمنٹ کے دو ایوان ہیں۔ ایک ہوس آف لارڈز (ایوانِ روساء) ہے۔ جِس کے بعض ممبر موروثی ہیں۔ اور بعض کو بادشاہ نامزد کرتا ہے۔ یہ ایوان بادشاہ کے ماتحت ہے۔ جِتنا اِنگلستان کا ہاوس آف لارڈز کبھی نہیں ہوا۔ دوسرا ایوان منتخبہ ممبروں کا ہے۔ جن کے انتخاب کے لئے اِنتخاب کنندوں کی تین جماعتیں ہیں۔ اور حقِ انتخاب ایسے طریق پر تقسیم کیا گیا ہے کہ متعدد دولت مند رائے دہندوں کی راؤں کی تعداد کثیر التعداد غریبوں کی راؤں سے دو چند ہوتی ہے۔ وزیر لوگ کسی ایوان میں بھی معمولی ممبروں کی طرح نشِست نہیں کرتے۔ بلکہ اُنہیں حق حاصل ہے کہ جس دیوان میں چاہیں۔ جا کر تقریر کریں۔ اور اس کے متعلق انہیں خاص درجہ حاصل ہے۔ اِن سب وزراء کو بادشاہ مقرر کرتا ہے۔ اور ایسا کوئی طریقہ نہیں۔ کہ پارلیمنٹ کے دونو ایوانوں میں سے کوئی بھی اِن میں سے کسی کو استعفےٰ دینے کو مجبور کرسکے تمام نئے قوانین کی منظوری پارلیمنٹ سے لی جانی ضروری ہے۔ لیکن نئے قوانین قریباً ہمیشہ گورنمنٹ کی طرف سے تجویز کئے جاتے ہیں۔ جب کسی منتخبہ ممبر کی طرف سے کوئی قانونی تجویز از خود پیش کی جائے۔ اور وہ کسی طرح گورنمنٹ کی طرف سے قابلِ اعتراض ہو۔ تو اُسے

ایوانِ خواص (ہوس آف لارڈز) نامنظور کر دینا ہے

توضیع قوانین میں پارلیمنٹ کا بڑا کام یہ ہے ۔ کہ وہ گورنمنٹ کے پیش کئے ہوئے معاملات پر بحث مباحثہ اور اس کی ترمیم کرے ۔ قانون سازی میں در اصل پارلیمنٹ کو کوئی اختیار نہیں ہے ۔ نہ ہی اس طریقہ پر اُسے کوئی اختیار ہے ۔ جس پر کہ قانون مذکور پر عملدر آمد ہوتا ہے ۔ مالی تخمینے بھی پارلیمنٹ میں منظور ہونے ضروری ہیں ۔ لیکن یہ مسلمہ اصول ہے ۔ کہ جو منتخبہ ایوان از خود کسی قانون کو بدل نہیں سکتا اُسے اُس روپیہ کے نامنظور کرنے کا بھی اِختیار نہیں ۔ جس کی قانون کے عملدر آمد کے لئے ضرورت ہے یا جس کی بالواسطہ انتظامِ حکومت کے لئے ضرورت ہے چونکہ بسمارک اِسی طریقہ پر عمل کرتا رہا ۔ اور کئی سال تک پارلیمنٹ کی رائے کی کامیابی سے مخالفت کرتا رہا ۔ اِس لئے سمجھ لینا چاہیئے ۔ کہ یہ دستور وہاں مستحکم ہو گیا ہے

اور سمجھنا چاہیئے ۔ کہ مختصر طور پر پرشین طریقہ یہ ہے ۔ کہ حکومت کا سارا کام بادشاہ چلاتا ہے ۔ پارلیمنٹ کے دخل کے بغیر ریاست کے افسر مقرر کرتا ہے ۔ جو ٹیکس اِس مطلب کے لئے ضروری سمجھتا ہے ۔ حاصل کرتا ہے ۔ خواہ پارلیمنٹ اسے پسند کرے یا ناپسند کرے ۔ اگرچہ اُسے ان ٹیکسوں کی منظوری لینی پڑتی ہے ۔ جو نئے اخراجات کے لئے لگائے

جائیں۔ عملی طور پر پارلیمنٹ کی منظوری کے لئے قوانین بھی بادشاہ ہی تجویز کرتا ہے۔ اگرچہ پارلیمنٹ اس کی مرضی کے خلاف اس پر کوئی قانون عائد نہیں کر سکتی۔ پرشین گورنمنٹ اُس قسم کی حکومت نہیں ہے۔ جسے ہم سیلف گورنمنٹ کہتے ہیں۔ بلکہ وہ ایسی حکومت ہے۔ جس کا کام بادشاہ ایک تربیت یافتہ افسروں کی جماعت کی وساطت سے چلاتا ہے۔ جو پورے طور پر اُسی کے ماتحت ہیں۔ اور پارلیمنٹ کو نگرانی کا خفیف سا حق ہے۔ جس کے دو ایوان ہیں۔ اور ان میں سے ایک کے ممبر زیادہ تر بادشاہ نامزد کرتا ہے ؞

سب سے بڑی بات یہ ہے۔ کہ پچیس مختلف ریاستوں (جن میں پرشیا بھی شامل ہے) اُن کی گورنمنٹوں اور مجالس واضعانِ آئین پر شاہی گورنمنٹ اور مجلس واضعانِ قوانین نگراں ہیں۔ قیصر اور اُس کا وزیر اعظم (چانسلر) بنڈیسریٹ **Bundesrat** (ریاستوں کی کونسل) اور پرشین پارلیمنٹ کا امپریل ایوان۔ اسی مجموعے کا نام شاہی گورنمنٹ ہے۔ یہ گورنمنٹ تمام سلطنت کے لئے قوانین وضع کرنے کا حق رکھتی ہے۔ جو کہ ریاستوں کے انفرادی قوانین کو بے اثر کر دیتے ہیں۔ لیکن اِن پر عملدر آمد عام طور پر امپریل افسر نہیں بلکہ خود ریاست کے افسر کرانے تھے۔ اِس طرح شاہی افسروں کی تعداد

تو تھوڑی ہی ہے - مگر یہ امر واقعہ کہ شاہی قوانین کی تعمیل ریاستی افسروں سے کرائی جاتی ہے - در اصل یہ معنی رکھتا ہے - کہ شاہی گورنمنٹ ریاستی افسروں پر نگرانی کے بہت وسیع اختیارات رکھتی ہے - اور شاہی افسروں کی کمی تعداد کوئی رکاوٹ نہیں - بلکہ در اصل شاہی گورنمنٹ کے اِزدیاد اختیارات کا موجب ہے *

پارلیمنٹ کا اِنتخاب بڑے وسیع جمہوری طریق پر ہوتا ہے - تمام نئے قوانین پر اس کی منظوری حاصل کرنی ضروری ہے - اور ان پر شہنشاہ اور ریاستی کونسل سے بھی منظوری لی جاتی ہے - اور عملی طور پر اہم قوانین ہمیشہ گورنمنٹ کی طرف سے ہی پیش کیے جاتے ہیں - جن بے شمار پارٹیوں میں پارلیمنٹ منقسم ہے - یہ قوانین ان میں سے عموماً بعض پارٹیوں کے ساتھ معاملہ کرکے انہیں پاس کرا لیتی ہے - اگر گورنمنٹ ایسا نہ کر سکے - تو اُسے اختیار ہے - کہ جس وقت چاہے پارلیمنٹ کو موقوف کرکے نئی پارلیمنٹ انتخاب کر لے - جو عموماً بہتر ہی ثابت ہوتی ہے - خاص کر اُس وقت جبکہ اِنتخاب کے موقعہ پر پریس کو دانائی سے قابو میں کر لیا ہے - جیسا کہ عموماً جرمن گورنمنٹ کر لیتی ہے - پارلیمنٹ کو یوں تو ٹیکس کے معاملہ میں بھی اختیار حاصل ہے - لیکن اکثر مالی قوانین مستقل ہیں - اور

شہنشاہ کی اجازت بغیر ان میں ترمیم نہیں ہو سکتی۔ اور اخراجات میں اکثر رقوم بالخصوص جنگی اخراجات عملی طور پر بالکل مقرر ہیں۔ جن کا پورا کیا جانا لازمی ہے۔ در اصل مالی اُمور پر پارلیمنٹ کا اختیار بالکل بے اثر ہے۔ اور یہ حکومتی پارلیمنٹ کی نسبت زیادہ تر بحث مباحثہ کی سوسائٹی ہے۔

پارلیمنٹ سے بھی زیادہ اہم بنڈلیسٹریٹ Bundesrat یعنی ریاستوں کی کونسل ہے۔ جو اپنی وضع کی ایسی نرالی چیز ہے۔ کہ دنیا میں اس کا وجود اور کسی جگہ نہیں ملتا۔ اس کے ۵۸ ممبر ہیں۔ جن میں ۱۷ پرشیا کی طرف سے ہیں۔ اور باقی ریاستوں کے تھوڑے تھوڑے ممبر ہیں۔ جن کی تعداد ہر صورت میں مختلف ہے۔ مثلاً بویریا کے چھ ممبر ہیں۔ اور چھوٹی ریاستوں میں سے کئی ریاستوں کا صرف ایک ایک ممبر ہے۔ اس ریاستی کونسل کے ممبر عوام کی طرف سے انتخاب نہیں کئے جاتے۔ بلکہ مختلف ریاستوں کی گورنمنٹیں انہیں نامزد کرتی ہیں۔ انہیں بحث مباحثہ کرنے اور رائے دینے کی آزادی حاصل نہیں۔ بلکہ وہ اپنی گورنمنٹ کی ہدایت کے مطابق رائے دیتے ہیں۔ اور ہر ایک ریاست کے تمام ممبروں کی رائے ہمیشہ ایک ہی جانب ہوتی ہے۔ کسی ریاست کی گورنمنٹ اپنی تمام رائیں ایک ہی شخص جتنے کہ کسی دوسری ریاست

کے قائمقام کو بھی تفویض کر سکتی ہے ⁂

پرشیا کے ہاتھ میں در اصل بیس رائے ہیں۔ جن میں سے ۱۷ اس کی اپنی ہیں۔ اور تین دوسری دو چھوٹی ریاستوں کی ہیں۔ جو کہ اُس کے حوالے کر دی گئی ہیں۔ اِن بیس قائم مقاموں کو شاہ یعنی شہنشاہ نامزد کرتا ہے۔ اور اُنہیں شہنشاہ کی ہدایت کے موافق رائے دینی پڑتی ہے۔ اگر پرشیا دس رائے دوسری ریاستوں سے اور حاصل کر لے۔ جیسا کہ وہ ہمیشہ حاصل کر لیتا ہے۔ تو وہ بنڈیسرٹ (ریاستی کونسل) سے اپنی حسب مراد کام لے سکتا ہے۔ اِس کونسل کا پریزیڈنٹ چانسلر ہے۔ جو ہمیشہ پرشین کنسل سے اور شہنشاہ کا نامزد و قائم مقام نیز امپریئل گورنمنٹ کا افسر اعلےٰ ہوتا ہے۔ وہ عموماً پرشین وزارت کا بھی اعلےٰ افسر ہوتا ہے۔ اور اِن تمام حیثیتوں سے عملی طور پر بنڈیسرٹ کی باگ دوڑ اُسی کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ اِن ریاستوں کی کونسل کی کئی مستقل کمیٹیاں ہوتی ہیں۔ جن میں سے ہر ایک سب کمیٹی کا چیرمین سوا ایک کے پرشین قائم مقام ہوتا ہے۔ جنہیں یقیناً شہنشاہ نامزد کرتا ہے ⁂

پرشیا کو ایک اور شاندار حق حاصل ہے۔ کہ پارلیمنٹ یا ریاستوں کی کونسل میں قانون ٹیکس کی ترمیم کی تبدیلی کی تجویز غیر معمولی کثرت سے پاس

ہو جائے۔ تو بھی پرشیا کے ۱۷ ممبروں یا بہ الفاظ دیگر شہنشاہ کو حق ہے۔ کہ اُس کو نا منظور کر دے۔ اِس سے ظاہر ہے۔ کہ بنڈیسرٹ اگرچہ مختلف ریاستوں کے حقوق قائم رکھنے کا ذریعہ ہے۔ مگر در اصل اِس سے شاہِ پرشیا اور اُس کی گورنمنٹ سارے جرمنی پر حکومت کرتی ہے۔

یہ شاندار جماعت بنڈیسرٹ صیغۂ راز میں اجلاس کرتی ہے۔ کیونکہ یہ پبلک رائے کے اثر سے بالکل آزاد ہے۔ اور اِس کے اختیارات پارلیمنٹ Reichstag سے بہت زیادہ ہیں۔ یہ بجٹ اور اکثر قوانین بنا کر پارلیمنٹ میں پیش کرتی ہے۔ اور پارلیمنٹ مباحثہ کر کے پھر انہیں بنڈیسرٹ کی منظوری کے لئے بھیج دیتی ہے وہ قوانین کو رواج دینے کے لئے حسب ضرورت احکام نافذ کرتی ہے۔ جج بھی بنڈیسرٹ مقرر کرتی ہے۔ اسے سلطنت کے تمام حصّوں میں انتظامی امور کی نگرانی کا بھی اختیار ہے۔ شاہی اور ریاستی افسروں کے درمیانی جھگڑوں کا تصفیہ بھی یہی کرتی ہے۔ المختصر بعض معاملات میں وہ ایسی چول ہے۔ جس پر امپریل گورنمنٹ گھومتی ہے۔ اِسے سلطنت کی سب سے اہم جماعت کہا جاتا ہے۔ اور یہ صحیح بھی ہے۔ مگر یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ برائے نام چیز ہے۔ اور یہ بھی درست ہے۔ کیونکہ وہ بالکل پرشین گورنمنٹ کے اشاروں پر ناچتی اور اُس کے احکام کی تعمیل کرتی ہے۔

سب سے آخر ہمیں شہنشاہ کی پوزیشن پر غور کرنا پڑتا ہے - جو ہمیشہ نظامِ سلطنت کے رُو سے پرشیا کا موجودہ بادشاہ ہونا چاہیئے - ہم یہ بتلا چکے ہیں - کہ وہ شاہِ پرشیا کی حیثیت سے پرشین ایوانِ خواص کے غیر موروثی ممبر نامزد کرتا ہے - پارلیمنٹ کی مداخلت کے بغیر اپنی مرضی سے پرشین وزیر مقرر اور برخاست کرتا ہے - اور اپنے وزیروں کی وساطت سے پرشین ریاست کے افسر- اہلکار مقرر اور برخاست کرتا ہے - یہ بھی بتلایا جا چکا ہے - کہ شہنشاہ کی حیثیت سے وہ بنڈیسرٹ کے ستّرہ ممبروں کی رائے بناتا ہے - جنہیں پرشیا نامزد کرتا ہے - اُسے چھوٹے شہزادوں اور گرانڈ ڈیوکوں پر جو اثر و رسوخ حاصل ہے - اس سے وہ اِس قابل ہو جاتا ہے - کہ بنڈیسرٹ کے بہت سے غیر پرشین ممبروں کو اپنی مرضی کے مطابق رائے دینے کی ہدایت کرے - وہ اپنی مرضی سے امپریل چانسلر کو مقرر اور موقوف کر سکتا ہے - جو بنڈیسرٹ کا پریزیڈنٹ ہوتا ہے - اور امپریل گورنمنٹ کے امور داخلیہ اور خارجیہ کے سیاہ و سفید کا ذمہ وار ہے - کیونکہ تمام امپریل وزراء اور افسران اُس کے ماتحت ہوتے ہیں ؛

بسمارک کے باندھے ہوئے ضابطہ کے مطابق چانسلر کو اتنے وسیع اختیارات حاصل ہیں - کہ وہ موافق حالات میں ساری سلطنت کو اپنی مرضی کے موافق چلا سکتا ہے - جیسا کہ خود بسمارک کرتا تھا - لیکن وہ

شہنشاہ کی مرضی کے بغیر ایسا نہیں کر سکتا - بسمارک اتنی بڑی فضیلت کے باوجود سنہ۱۸۹۰ء میں اپنی تمام طاقت کو ایک لمحہ میں کھو بیٹھا تھا - جبکہ نوجوان شہنشاہ ولیم دوئم نے فیصلہ کیا - کہ وہ خود ہی حکومت کریگا - اور خود ہی انتظام کریگا - اس کے بعد چانسلر نے صرف ایک ہی مرتبہ کسی قدر آزادی کا اظہار کیا ہے - جبکہ پرنس بُولو Bulow نے شہنشاہ کو اس کی بیہودہ گفتگو کے لئے برملا جھاڑا تھا - لیکن بُولو اِس کے بعد اپنی طاقت کو بحال نہیں رکھ سکا - اور اِس میں شُبہ نہیں - کہ سنہ۱۸۹۰ء کے بعد در اصل جرمنی پر خود شہنشاہ نے ہی حکومت کی ہے - اور چانسلر اُس کے صرف نُطق و ذہن کا کام دیتا رہا ہے - ضابطۂ سلطنت کے رُو سے شہنشاہ سلطنت کی خارجیہ پالیسی کا ذمہ وار ہے - اور بنڈیسرٹ کی رضا مندی سے اِعلانِ جنگ کا اختیار رکھتا ہے پارلیمنٹ Reichstag خارجیہ پالیسی اور جنگ کے متعلق بحث مباحثہ کر سکتی ہے - مگر اِس میں مداخلت کا کوئی حق نہیں رکھتی ؎

یہاں تک جرمن طریقِ حکومت اس سے مختلف نہیں ہے - جو طریقہ کہ مطلق العنان بادشاہان ٹیوڈر کے عہد میں اِنگلستان میں رائج تھا - اور جو سنہ۱۴۸۵ء سے سنہ۱۶۰۳ء تک رائج رہا - جسے ہم ٹیوڈر مطلق العنانی کہنے کے عادی ہیں ؎

لیکن شہنشاہ کا سب سے بڑا اختیار یہ ہے ۔ کہ فوج اُس کے ماتحت ہے ۔ اور اس کا جواب اِنگلستان میں زمانہ ٹیوڈور میں بھی نہیں مِلتا ۔ کیونکہ اُس زمانہ میں یہاں کوئی باقاعدہ فوج موجود ہی نہ تھی ۔ فوج کے متعلق چانسلر ۔ بنڈیسرٹ اور پارلیمنٹ کو زبان ہلانے کا اِختیار نہیں ۔ جب ہم اس عظیم مرتبہ کا خیال کرتے ہیں جو پرشیا کی ریاست میں فوج کو ہمیشہ حاصل رہا ہے ۔ تو یہ صاف معلوم ہو جاتا ہے ۔ کہ جرمن سلطنت کا اصلی مرکز ثقل شہنشاہ کا فوج پر کلی اختیار ہے ؂

ضابطۂ سلطنت کے مطابق ہر ایک جرمن مرد فوجی خدمت کا ذمہ دار ہے ۔ خواہ سب سے خدمت لینے کی ضرورت نہ پڑے ۔ اور جب کوئی شہری کسی خدمت کو ہاتھ میں لیتا ہے ۔ تو اُسے شہنشاہ کی پوری فرماں برداری اور وفاداری کا حلف لینا پڑتا ہے ۔ ۳۹ سال کی عمر کو پہنچنے تک وہ فوج کا رُکن رہتا ہے ۔ اور اِس حیثیت سے وہ شہنشاہ کے خاص اور ذاتی حکم کے ماتحت ہے ۔ جس میں کہ سلطنت کی کسی اور جماعت کا کوئی دخل نہیں ۔ ضابطۂ سلطنت میں یہ بھی قرار دیا گیا ہے ۔ کہ تمام ریاستوں میں فوج پرشین ڈھنگ پر ترتیب دی جائے گی ۔ اور صلح و جنگ میں شہنشاہ کے بالکل ماتحت ہوگی ۔ سوائے بویریا کے اعلیٰ افسر بھی ہر جگہ شہنشاہ ہی مقرر کرتا ہے

اور قریباً تمام ریاستوں میں چھوٹے افسر بھی وہی مقرر کرتا ہے۔ حتے کہ بویریا میں بھی جسے ابھی کسی قدر آزادی حاصل ہے۔ شہنشاہ کو صلح کے زمانہ میں فوج کے معائینہ کا حق ہے۔ اور جونہی کہ جنگ کا اعلان ہو جائے۔ وہ براہِ راست شہنشاہ کے ماتحت ہو جاتی ہے"

فوج کی افسری ہی در اصل شہنشاہ کی طاقت کا مرکز ہے۔ جیسا کہ نپولین اور قیصر روما کی طاقت کا مرکز تھا۔ کیونکہ پرشیا کی رائے میں جسے اب ساری جرمنی کی رائے سمجھنا چاہیئے۔ فوج قوم کا دل اور جان ہی نہیں۔ بلکہ وہ صحیح معنوں میں قوم ہی ہے۔ پرشین خیال کے مطابق یہ بات آج بھی ویسی ہی وزن دار اور صحیح ہے۔ جیسا کہ فریڈرک اعظم کے زمانہ میں تھی۔ کہ" ریاست کی ہستی صرف فوج کی خاطر ہے۔ اور فوج کی ہستی طاقت (سلطنت) بڑھانے کے لئے ہے "

اِس طرح بظاہر جمہوری صورت رکھنے کے باوجود اور سرگرم مباحثہ کرنے والی پارلیمنٹ اور اُس کے کثیر التعداد سوشلسٹ قائمقاموں کی موجودگی کے باوجود جرمن سلطنت پرانی پرشین سلطنت کی نقل ہے۔ جو پہلے سے بڑے پیمانہ پر اور جدید حالات کے موافق بنا دی گئی ہے۔ اِس پر پرشیا کا شاہی خاندان حکومت کرتا ہے۔ جس کی لمبی اور کبھی تبدیل نہ ہونے والی

روایات یہ ہیں - کہ " طاقت جبر اور مکاری سے حاصل کی جاتی ہے " اور حکومت کے بڑے بڑے پُرزے پرشیا کے پُرانے رئیس اور پُرانے نواب طبع پرشین افسر ہیں جن میں باقی جرمنی سے بھی اِسی قماش کے لوگ شامل ہو گئے ہیں - جنہیں نصف صدی تک پرشین وضع کی فوج اور سول سروس میں رکھ کر ترتیب دی گئی ہے ؎

اِس قسم کی ترتیب دی ہوئی حکومت اپنی سپرٹ اور طریقوں میں صرف اِس امر واقعہ سے بدل نہیں جاتی - کہ اِن طریقوں سے اُنہیں بہت بڑی کامیابی نصیب ہو گئی ہے - بلکہ خلافِ ازیں جب لبمارک باقی جرمنی پر پرشیا کی سلطنت قائم کرنے میں کامیاب ہو گیا - اور اس نے اہل جرمنی کو پرشین عقائد کا معتقد کر لیا - تو یہ بات حق الیقین کے درجہ کو پہنچ گئی - کہ موافقت کا عمل مکمل ہو جائیگا - تو جبر اور مکاری سے طاقت حاصل کرنے کا کام وسیع پیمانہ پر جاری رہے گا ؎

یہ نتیجہ ہے - جس پر کہ ہم جرمن طریقِ حکومت کی جانچ پڑتال کے بعد فوراً پہنچے ہیں - دوسرا نتیجہ یہ ہے - کہ یہ طریقہ اپنی وضع میں بنیادی طور پر آزادی اور سیلف گورنمنٹ کے خلاف ہے - جس کی طرف ہمیں اُمید تھی - کہ مہذب دنیا ترقی کر رہی ہے - جس جنگ میں کہ جرمن گورنمنٹ نے

دنیا کو غوطہ دے دیا ہے۔ وہ یقینی طور پر ایسی جنگ ہے۔ جو سیلف گورنمنٹ کے معراج کی خاطر کی جا رہی ہے۔ کیونکہ یہ جنگ قومی آزادی۔ عزت اور معاہدوں کی تقدیس کے لئے کی گئی ہے ٭

پانچواں باب

جرمنی کا جدید طریقِ عمل

سلطنت کی حقیقی عظمت اور اُس کا اصلی مدعا کیا ہے؟ اِس کے متعلق جو پرشین خیال ہے۔ اُس پر ہم بحث کر چکے ہیں۔ ہم یہ بتلا چکے ہیں۔ کہ پرشین تواریخ میں اِس تھیوری کی لا تعداد مثالیں موجود ہیں ہم یہ بتلا چکے ہیں۔ کہ یہ تھیوری ذہنی جرمنی کے معراج کے خلاف جد و جہد کرتی رہی ہے۔ اور اس میں فتح پا کر اور جرمن سلطنت قائم کر کے اپنے کمال کو پہنچ چکی ہے۔ ہم یہ بتلا چکے ہیں۔ کہ اِس سلطنت پر عملی طور پر پرشیا حکومت کرتا ہے۔ اور

اب اس میں پرشین سپرٹ سرایت کر گئی ہے - ایسی حکومت جس کی رہنمائی ایسے اصولوں پر ہو - جس کی ایسی روایات ہوں - اور جس کا پچھلا نقشہ ایسا ہو - لازمی طور پر اپنی ماضی کی پالیسی کی پیروی کرے گی - اِن باتوں کو اپنے دِل میں رکھنے اور پھر ۱۹۱۴ء کے واقعات سے روشنی لیتے ہوئے ہم اِس قابل ہو گئے ہیں - کہ پچھلے پچیس تیس سال کی جرمن پالیسی کی تشریح کر سکیں ؎

بسمارک نے اپنے عہد کے آخری بیس سال میں یعنی ۱۸۷۰ء سے ۱۸۹۰ء تک برابر امن اور صلح کو قائم رکھا - اور وہ اکثر کہا کرتا تھا - کہ آیندہ جرمنی سب سے زیادہ امن دوست رہے گی - کیونکہ اُسے جو کچھ مطلوب تھا حاصل کر چکی اور "سیر چشم سلطنت" بن گئی ہے - ممکن ہے - اس کی یہی مراد ہو - اگرچہ اُس نے ۱۸۷۵ء میں فرانس ایک نہایت مکروہ حملہ کی تجویز کی - جس کی وجہ محض یہ تھی - کہ وُہ بہت تعجیل سے صحت یاب ہو رہا تھا - اور بسمارک نے آیندہ صلح کی خاطر اُس کا قصد لینا مناسب سمجھا - تا کہ زیادہ طاقتور ہو کر وہ امن میں مخل و خارج نہ ہو - ممکن ہے - کہ بڈھا سپاہی درماندہ ہو گیا ہو - ممکن ہے - کہ اُس کا دِل یوروپین طاقت بننے کے خیال میں ایسا مرکوز ہو گیا ہو - کہ وسیع اور بڑے سوالات سے اُسے کوئی دِلچسپی نہ ہو - ممکن ہے

اُس نے محسوس کیا ہو۔ کہ جرمنی کو کچھ عرصہ تک اپنی ساری توجہ اندرونی معاملات پر دینی چاہیئے۔ جس کے متعلق کہ اِس وقت بہت سے اہم اور مشکل مسائل در پیش تھے۔ وجہ چاہے کچھ ہی ہو لیکن اس زمانہ میں وہ ہمیشہ صلح اور امن کے پہلو پر ہی اپنی طاقت کو اِستعمال کرتا رہا ؛

امن قائم رکھنے کے لئے بسمارک نے یوروپین عہد ناموں کے شاندار طریقہ کو دِل نشین کیا۔ جسے خود اُس نے جاری کیا تھا۔ ۱۸۷۹ء میں اُس نے آسٹریا کے ساتھ مدافعانہ عہدنامہ کیا۔ جس کے ذریعہ قرار پایا۔ کہ دونوں میں سے جس پر بھی روس حملہ کرے۔ دوسرا مدد دے۔ ۱۸۸۳ء میں اِٹلی کے شامل ہو جانے سے یہ عہد نامہ اتحاد ثلاثہ ہو گیا۔ اور اٹلی کا معاہدہ بھی خالص مدافعانہ ہی تھا جس کے ذریعہ اُس نے فرانس کی طرف سے اطمینان حاصِل کیا تھا۔ بسمارک مشرقی یورپ میں کسی صورت میں جارحانہ کارروائی کرنا نہیں چاہتا تھا۔ یہ بات اس سے ظاہر ہوتی ہے۔ کہ ۱۸۸۴ء میں اُس نے رُوس سے "مکرّر اِطمینان" (معاہدہ) کر لیا۔ جس کے رُو سے جرمنی اور روس نے اقرار کیا۔ کہ اگر آسٹریا اِن میں سے کسی پر حملہ کرے۔ تو دوسرا اُسکی مدد دیگا۔ اِس معاہدہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے۔ کہ اس وقت تک جرمنی اور آسٹریا کے

تعلقات دوستانہ اور مخلصانہ نہیں تھے - اگرچہ رُوس کا معاہدۂ مکرّر اطمینان جلدی ہی منسوخ ہو گیا - لیکن بسمارک روس کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم رکھنے پر ہمیشہ زور دیتا تھا - اور وہ بلقان کے معاملات میں جنگ کے خیال کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتا تھا - جس کی نسبت وہ کہتا تھا - کہ اِس سوال کی قدر و قیمت ایک سپاہی کی زندگی کے برابر بھی نہیں ہے - انگلستان کے ساتھ بھی اُس کے تعلقات اچھے رہے - مثلاً اُس نے جنوب مغربی افریقہ کو اُس وقت تک اپنی سلطنت میں ملحق نہیں کیا - جب تک کہ اُسے یہ اطمینان نہیں ہو گیا - کہ انگلستان کو اُس علاقہ کی ضرورت نہیں ؎

بسمارک نے نو آبادیوں کے سوالات میں بھی زیادہ دلچسپی نہیں لی - اگرچہ جرمنی کی بہت سی موجودہ نو آبادیاں زیادہ تر اسی کے عہد میں ۱۸۸۰ء اور ۱۸۹۰ء کے درمیان حاصل کی گئی تھیں - اور جرمن رائے کے دباؤ میں حاصل کی تھیں - اپنی زندگی کے آخری حصّہ میں وہ اِس بات پر مُصِرّ ہو گیا - کہ وہ نو آبادیوں کا حامی اور خواہشمند نہیں - اس رویّہ سے معلوم ہوتا ہے - کہ وہ دنیا کے رجحان سے واقف نہیں تھا - جرمن پالیسی نے جس نئے رُخ پر چلنا تھا - وہ ابھی رُو نما ہو رہا تھا - یہی وجہ ہے - کہ جب ۱۸۹۰ء میں پرنس بسمارک کو

زوال آیا - تو اُس کے ہموطنوں نے اُسے بہ آسان قبول کر لیا - کیونکہ وہ جرمنی کی اس خواہش کا حامی نہیں تھا - کہ اُسے عالمگیر طاقت بن جانا چاہیئے ؛

جو نئی قوتیں اِس نشو و نما کا باعث ہوئیں - وہ بسمارک کے زمانہ میں بھی مصروف کار ہو گئی تھیں - جرمنی کی آبادی غیر معمولی تیزی سے بڑھ رہی تھی - اور ہزاروں جرمن آئے سال وطن چھوڑ کر پردیس میں جا رہے تھے - روس - ریاستہائے متحدہ حتیٰ کہ فرانس بھی جنہیں جرمنی اپنا ہم پلّہ و ہم رتبہ سمجھتا تھا - ہر ایک کے پاس ایسے علاقے موجود تھے - جہاں اُس کی زائد آبادی اپنی قومیت و شہریت کو نقصان پہنچائے بغیر جگہ حاصل کر سکتی تھی - لیکن جرمن تارکانِ وطن زیادہ تر امریکہ یا انگریزی نو آبادیوں کو جاتے تھے - جہاں اُنہیں نئی زبان سیکھنی پڑتی تھی - اور جہاں اُس کی اولاد ہمیشہ کے لئے اپنی مادرِ وطن سے رشتہ منقطع کر لیتی تھی - یہ ایک ایسی شکایت تھی - جس کو جرمن لوگ روز افزوں تلخی سے محسوس کر رہے تھے - خاص کر جبکہ اُن کو راسخ یقین تھا - کہ اُن کی سلطنت کی عظمت جنگی طاقت پر منحصر ہے - اور جنگی طاقت سلطنت کے نوجوانوں کی تعداد کے مطابق ہی موثر ہو سکتی ہے - قدرتی طور پر اہل جرمن میں اپنی نو آبادیاں بنانے کی خواہش پیدا ہوئی - جہاں کہ اُن کی اولاد جا کر آباد ہو -

اور اپنی جرمن قومیت بھی قائم رکھے ۔ اٹھارہویں صدی میں کچھ نو آبادیاں حاصل بھی کی گیئں ۔ لیکن جرمن تارکانِ وطن اُن کے پاس نہیں پھٹکنا چاہتے تھے ۔ کیونکہ نئ آبادیوں کے لئے سب سے خوشگوار مقامات دوسری سلطنتوں بالخصوص برطانیہ کے قبضہ میں آ چکے تھے ۔ یہ ظاہر تھا ۔ کہ اگر جرمن قوم کو اپنے پھیلاؤ کے لئے کھلا موقعہ ملنا ہو ۔ تو اُسے کچھ نو آبادی کے قابل علاقہ حاصل کرنا چاہیئے ۔ اِس بناء پر نوآبادیوں کی خواہش بسمارک کے عہد میں بھی کافی زبردست تھی اور اس کے بعد اور بھی زور پکڑتی گئ ۔ لیکن اِس ضرورت کا باعث پہلے ہی سے معدوم ہو رہا تھا ۔ کیونکہ جرمن تارکانِ وطن کی تعداد آج کل بالکل گھٹ گئ ہے ۔ جس کا ایک باعث تو جرمن صنعت و حرفت کی غیر معمولی نشو و نما ہے ۔ اور دوسری وجہ یہ ہے ۔ کہ آبادی بڑھنے کی شرح اِس مفید اُصول کے مطابق دن بہ دن رُو بہ تنزل ہے ۔ کہ جو قوم جتنی خوشحال ہوتی جاتی ہے ۔ اُس کی پیدائش کا تناسب بھی اُتنا ہی گھٹتا جاتا ہے ۔ لیکن نو آبادیاں حاصل کرنے کی ضرورت اگرچہ کم ہو رہی تھی ۔ لیکن اِس سے جو تحریک پیدا ہوئ تھی ۔ وہ بدستور موجود تھی ۔ اور آج کل یہ تحریک اُن دلائل میں سے ہے ۔ جو جارحانہ کالونیل پالیسی اختیار کرنے کے لئے پیش کی جاتی ہیں ۔

عالمگیر سلطنت کے خیال کو ایک اور وجہ سے اُسی زمانہ میں نئی تقویت حاصل ہوئی۔ ۱۸۷۱ء سے جرمن جہاز رانی نے بہت ادنےٰ حالت سے اپنے آپ کو برطانوی جہاز رانی کا مدِ مقابل بنا لیا ہے۔ ۱۹۱۴ء کی لڑائی چھڑنے کے وقت جرمن جہاز دنیا کے تمام سمندروں میں چل رہے تھے۔ مگر وہ جہاں جاتے تھے۔ انہیں ممالکِ غیر کی بندرگاہوں میں تجارت کرنی پڑتی تھی۔ اور اِن بندرگاہوں کی زیادہ تر تعداد برطانیہ کے ماتحت تھی۔ اور یہی اُن کے غضب کا موجب تھا۔ جرمن جہازوں سے بھی جرمن صنعت نے زیادہ حیرت انگیز ترقی حاصل کی ہے۔ اس کے لئے خام مصالح اور اشیاء کی کھپت کے لئے منڈیوں کی ضرورت ہے۔ اور اِسے دونو مقاصد کے لئے دوسری سلطنتوں اور زیادہ تر برطانیہ کے دور و دراز مقبوضات پر انحصار رکھنا پڑتا ہے۔ وہ اِس بات سے مطمئن نہیں تھے۔ کہ برٹش گورنمنٹ کی تمام منڈیاں اور بندرگاہ جرمن تاجروں کے لئے بھی ویسے ہی کھلے رہتے تھے۔ جیسے کہ برٹش تاجروں کے لئے جرمنوں کی خواہش تھی۔ کہ خام مصالح کے ذرائع اور ایسے منڈیوں کو قابو لائے۔ جہاں وہ سارا میدان اپنے لئے مخصوص کر سکیں۔ انہیں اِس بات کا بھی کامل یقین تھا۔ کہ بالواسطہ طریقوں سے سلطنت برطانیہ اور اُس کے میل جول کے

پولیٹیکل تعلقات نے بھی برطانیہ کی تجارت کو بہت فائدہ پہنچایا ہے +

اِس کا اکیلا علاج یہ تھا - کہ برطانیہ کی طرح جرمن سلطنت کو بھی نو آبادیوں کی سلطنت بنایا جائے - لیکن اِس غرض کے لئے اُنہوں نے غیر مقبوضہ علاقہ پر قبضہ کرنے کی جو کوشش کی وہ بیہودہ ثابت ہوئی حتےٰ کہ آج بھی سوائے ٹوگو لینڈ کے چھوٹے سے زرخیز علاقہ کے جرمنوں کی کوئی نو آبادی اپنا خرچ نہیں نکال سکتی - حقیقت میں اِس ناکامی کا سب سے بڑا باعث یہ ہے - کہ پرشین نواب طبع افسروں کا سخت اور پیچدار طریقہ اُس کے حکام کی تعداد اور کرخت قواعد غیر ترقی یافتہ اَور ادنےٰ علاقوں کے حالات کے ناموافق ہیں - لیکن اس کو محسوس نہ کرنے کے لئے اور اپنی نو آبادیوں کی ناکامی کا یہ باعث قرار دینے کے لئے کہ جن علاقوں میں وہ قائم کی گئی ہیں وہ ناخوشگوار ہیں - جرمنوں کو قصوروار نہیں سمجھا جا سکتا - پھر اس کا علاج بجز اِس کے اور کیا ہو سکتا تھا - کہ طاقت کے اصول سے کام لیا جاتا - اَور اُن پرانے پرشین طریقوں سے مدد لی جاتی - جن کی بدولت جرمنی کو ہر قسم کی ترقی نصیب ہوئی تھی - اور حملے کا اصلی نشانہ انگلستان تھا - بسمارک کے زمانہ میں بھی یہ پرچار کیا جاتا تھا - کہ اِنگلستان جرمنی کا اٹل دشمن ہے

اِن پرچار کرنے والوں میں ٹریشکے بھی تھا۔ اگرچہ یہ امر بحث طلب ہے۔ لیکن انگلستان کو اہلِ جرمنی ٹیوٹینک سلطنت سمجھتے تھے۔ اور وہ جرمنیا کا رشتہ دار تھا۔ اسی بناء پر اب بھی ہمیں کہا جاتا ہے کہ انگلستان نے جرمنی کی مخالفت کرنے سے غدّاری کا ثبوت دیا ہے۔ لیکن غدّاری کا یہ اصول یکطرفہ ہے۔ یعنی جرمنی نے خود اپنے پر اِسے عائد نہیں کیا۔ اور تیس سال تک اِنگلستان پر حملہ کرنے کا جرمنی میں پرچار کیا جاتا رہا،

جیسا کہ ہم بتلا چکے ہیں۔ جرمن لوگ مکتبی طبعیت کے مالک ہیں۔ اور وہ پروفیسروں کے زیر اثر ہیں۔ ضخیم کتابیں پڑھنے کے مشتاق ہیں۔ اِس وجہ سے اُن کے پولیٹیکل خیالات تاریخ کے مطالعہ سے زیادہ متاثر ہوتے ہیں۔ بالخصوص اُس وقت جبکہ وہ تواریخ بھی رائج الوقت اصولوں اور مسئلوں کے مطابق پیش کی گئی ہو۔ پچھلی نصف صدی میں وہ اپنی ہی تواریخ سے مخمور رہے ہیں۔ جس کا بہت بڑا حصّہ قرونِ وسطیٰ کے پُرجوش محبانِ وطن جرمن لوگوں نے لکھا ہے۔ جن کا ایک نمونہ گیزبرخٹ Giesebrecht بھی تھا۔ اور یہی تاریخ جرمنی کے شاندار مستقبل کی بنیاد بن گئی ہے۔ ہم نے پچھلے چند سال میں جرمنی کے "تاریخی مشن" کی بابت بہت کچھ سُنا ہے

اور جنرل برن ہارڈی نے بھی اِس عنوان پر ایک باب نذر کیا ہے۔ جس کے مختصر معنی یہ ہیں۔ کہ کسی زمانہ میں اہلِ روما دنیا کے حکمران تہذیب کے رہنما اور اُستاد تھے۔ وہ اپنی اعلےٰ منزل سے اِس لئے گر گئے۔ کہ ان میں پائمردی یعنی فوجی سپرٹ مفقود ہو گئی۔ جس قوم کی قسمت میں انہیں مغلوب کرنا لکھا تھا۔ وہ جرمن تھے۔ اور جرمن تاریخ کا زمانۂ شجاعت ظاہر کرتا ہے۔ کہ یہ قوم مغربی تہذیب کی مالک تھی۔ اور اُن کے بادشاہ تمام مغرب پر مقدس شاہانِ روما کی جگہ حکمران تھے۔ لیکن جرمن سلطنت مختلف وجوہات سے منتشر ہو گئی جس کی ایک وجہ یہ تھی۔ کہ جرمن خود ابھی تہذیب کے استاد ہونے کے مستحق نہیں تھے۔ کیونکہ اُنھوں نے اپنے علوم و فنون کو ابھی نشو و نما نہیں دی تھی۔ جس خدا نے اُنہیں اس بڑے کام کے لئے منتخب کیا تھا۔ اُنہیں چھ سو سال تک اِنضباط کی تعلیم دیتا رہا۔ اگرچہ اس دوران میں وہ ملکی طور پر تتر بتر تھے۔ لیکن پھر اُنھوں نے عیسائیت کو لیوتھر کے پرچار سے نئے قالب میں ڈھال دیا۔ اور بعد ازاں جدید دنیا کی نئی تہذیب کی بنیاد ڈالی۔ اور علم فلسفہ علم موسیقی اور علم طبعی کو کمال پر لائے۔ پھر اپنے کام کے لئے تیار ہو جانے پر اُنھوں نے پرشیا کی

زبردست رہبری میں اپنے آپ کو پولیٹیکل طور پر بھی متحد کر لیا - اور اب وہ اس تاریخی مشن کو انجام دینے کے لئے تیار ہیں - جس سے کہ وہ تمام دنیا کے مہذب رہنما تربیت دہندہ اور مالک ہونے کی حیثیت سے اُسی مرتبہ کو حاصل کریں - جو کسی زمانہ میں اہلِ روما کو حاصل تھا - یہ ہے جرمنی کا تاریخی مشن - جسے اُس کے بہت سے راسخ الاعتقاد جنون زدہ پروفیسر ظاہر کرتے رہے ہیں +

ملک گیری کا ایسا لغو خیال یا تعلیم جو کہ تاریخ کی بیہودہ غلط فہمی پر مبنی ہے - کسی دوسرے ملک پر اثر انداز نہ ہو سکتا - لیکن کتبی اور قیاسات کے پابند جرمنوں پر اِس کا اثر بہت گہرا پڑا - جو پہلے ہی سے اُنیسویں صدی کے وسط کی سہل فتوحات اور اُن کے بعد کی غیر معمولی مادی ترقی سے مخمور ہو چکے تھے - قریباً ہر ایک جرمن کا کامل یقین ہے - کہ وہ بطور سپاہی کے ناقابلِ تسخیر ہے - وہ دنیا میں بہترین منتظم ہے - تجارت میں اس کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا - ان کی تہذیب اُس انتہائی نقطہ تک پہنچ گئی ہے - جہاں اُس سے پہلے بنی نوعِ انسان نہیں پہنچ سکا - الغرض اُنہیں دوسروں سے کوئی چیز سیکھنے کی ضرورت نہیں - بلکہ وہ سب کو سکھانے کے اہل ہیں - اور جو قوم ایسی ضعیف الاعتقاد ہو - وہ تاریخی مشن جیسے بیہودہ مسائل کا بھی بہ آسانی شکار

ہو جاتی ہے - اور جب اِس عقیدے کے ساتھ طاقت کا عقیدہ بھی شامل ہو - تو وہ دنیا کے لئے نہایت خوفناک ثابت ہوتا ہے -

جرمن لوگ اپنی ہی تاریخ کا مطالعہ نہیں کرتے - بلکہ انہوں نے براہِ عنایت برطانیہ کی تواریخ کے مطالعہ پر زیادہ توجہ دی ہے ÷

اُنیسویں صدی کے پہلے نصف حِصّہ میں زمانہ آیا جبکہ اُنہوں نے برٹش اِنسٹی ٹیوشنوں کی تواریخ کا مطالعہ خاص طور پر شروع کیا - اُن دنوں میں اِنگلستان کو خاص عزت و اِحترام کی نظروں سے دیکھا جاتا تھا - اور سیلف گورنمنٹ کے طریقوں کا مُوجِد اور آزادی کا علم بردار تصوّر کیا جاتا تھا - لیکن جیسا ہم بتلا چکے ہیں - برٹش طریقوں کے مدّاح جرمنی کے لئے آزادی اور اِتحاد حاصل کرنے میں بالکل نا کام رہے - اور جس چیز کو حاصل کرنے میں وہ نا کام رہے تھے - اُسے بسمارک نے متضاد اور خالص پرشین طریقوں سے حاصل کر لیا - تب برٹش خیالات اور انسٹی ٹیوشنوں کی عزت اُن کی نظر سے جاتی رہی - حتےٰ کہ وہ نفرت میں تبدیل ہو گئی - آزادی کی جگہ طاقت اُن کی عزت کا موجب بن گئی ÷

لیکن اب برٹش تواریخ ایک اور پہلو سے جرمنی کی توجہ اپنی طرف کھینچتی تھی - وہ پہلو یہ تھا - کہ برطانیہ نے غیر معمولی سلطنت اور تجارتی برتری کیوں کر

حاصل کی ہے ۔ اور انہیں یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی۔ کہ یہاں طاقت کا اصول غلط ہو گیا ۔ کیونکہ برطانیہ ایک ایسی سلطنت تھی ۔ جو دنیا بھر میں نہایت شاندار ہونے کے باوجود فوجی پہلو سے بالکل حقیر تھی ۔ اور اُس نے اپنے تمام ذرائع کو کبھی فوج کی آراستگی پر صرف نہیں کیا تھا ۔ اُن کے نزدیک طاقت کا اصول چونکہ شک و شبہ سے بالاتر تھا ۔ اِس لیئے یہ دُور از عقل و فہم معاملہ جرمنوں کی سمجھ میں نہیں آ سکتا تھا ۔ اِس لئے اُنہوں نے یہی سمجھا ۔ کہ سلطنتِ برطانیہ ایماندارانہ کوششوں سے تعمیر نہیں ہوئی ۔ بلکہ کمینہ اور مکّارانہ طریقوں سے بنائی گئی ہے ۔ اور شرارت کر کے یورپ کی حقیقی مردانہ طاقتوں کو ایک دوسرے سے بر سرِ پیکار رکھ کر اُن کی غفلت میں دنیا کے اچھے اچھے علاقوں پر خود قبضہ کر لیا ۔ جدید برٹش تواریخ کی تعبیر اِس مسئلہ کے مطابق جھوٹی کی گئی ۔ اور برطانیہ کو نہایت نفرت انگیز اور حقیر سلطنت سمجھا جانے لگا ۔

پھر حکومت کا سائنٹفک جرمن طالب علم جو جابرانہ طریق اور پرشین طرزِ عمل کو جاننے کا عادی اور فاخر تھا ۔ یہ دیکھ کر وحشت زدہ ہو گیا ۔ کہ سلطنت برطانیہ کی ترتیب میں دستور اور یک وضعی کا پتہ تک نہیں ۔ سلطنت کے مختلف حصّوں کے حالات بالکل جداگانہ ہیں ۔ اور جن معاہدوں کی بناء پر وہ ایک

دوسرے سے وابستہ ہیں - وہ نمایاں طور پر ناہموار اور غیر محدود ہیں - طاقت کے اصول پر یقین رکھنے والے کے نزدیک یہ باتیں انتظامی کمزوری کا ثبوت تھیں - اُن کی ساخت ایسی کمزور اور نحیف معلوم ہوتی تھی - کہ ایک ہی ٹھوکر سے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گی - پرشیا کا باشندہ یہ کیونکر باور کر سکتا تھا - کہ کامل آزادی جو بڑی بڑی خود مختار نو آبادیوں کو حاصل ہے - اُس کا باعث اِس کے سوا اور بھی کچھ ہو سکتا ہے کہ کمزور اور نحیف ملک اُن پر حکومت کرنے کے ناقابل ہے ؛

سلطنتِ برطانیہ کی ترقی اور ترتیب دونوں کا راز جرمنوں کی نظر سے اوجھل رہ گیا - کیونکہ یہ راز جرمن تہذیب سے کچھ علیحدہ تھا - وہ راز یہ ہے - کہ ایک ہزار سال کی تربیت کے بعد سیلف گورنمنٹ کی خاصیت اور عادت اہلِ برطانیہ کے جان و جسم میں سرایت کر گئی - جس سے اہلِ برطانیہ کی جماعتیں وطن سے بہت بڑے فاصلہ پر باہم مل جُل کر کام کر سکتی ہیں - خواہ وہ نئی آبادیوں کی صورت میں بن گئی ہوں چاہے پُرانے آباد ملکوں کو از سرِ نو ترتیب دیدیا گیا - اور انھیں نہ تو ہوم گورنمنٹ سے بار بار ہدایات لینے کی ضرورت پڑتی ہے - نہ اُن کی رہبری کے لئے مستقل قواعد و ضوابط بنانے کی حاجت ہوتی ہے - اور یہی وجہ ہے - کہ اہلِ برطانیہ کے نزدیک یہ

بات قدرتی معلوم ہوتی ہے - کہ اُن کی نو آبادیاں جتنی جلدی کہ ممکن ہو سکے - اپنے معراج کو پہنچ جائیں - اور جس سے وہ اِس بات کے قائل ہو گئے ہیں - کہ طریقہ کا اختلاف اور اِنسٹی ٹیوشنوں کا تفاوت بجائے خود مرغوب چیز ہے - اور بالکل ہمرنگی موت کا موجب ہے - اور آزادی - سیلف گورنمنٹ اور زندگی بخش بو قلمونی میں ساری قوم کا عام یقین ہی ہے - جو اِن قوموں کو باہم ایسی مضبوطی سے باندھتا ہے - جو بظاہر بہت ہی نرم معلوم ہوتی ہے ؎

مگر جرمن دل کے لیئے جو دنیا کے اِنتظام اور طریقے کو بالائی حکم سے ماننے کا عادی ہے - یہ سب باتیں کمزوری - ناقابلیت اور نا اہلیت کی شہادت نظر آتی ہیں - جرمنوں نے نتیجہ نکالا ہے - کہ برٹش سلطنت بے حقیقت چیز ہے - کیونکہ وہ طاقت پر مبنی نہیں - اور اُس کا طریقِ حکومت نامکمل ہے - اور یہ سمجھ کر کہ نو آبادیوں کا قبضہ دولت اور طاقت کا بہت بڑا منبع و ماخذ ہے - انہیں بھروسہ ہو گیا - کہ وہ انہیں طریقوں سے کام لے کر جن سے کہ پرشین ریاست اور جرمنی سلطنت ظہور میں آ گئی ہے - وہ بہت زبردست - زیادہ باقاعدہ اور ٹھیک گٹھی ہوئی سلطنت بنا سکتے ہیں - بشرطیکہ انہیں اس بات کا موقعہ دیا جا سکے - وہ اِس موقعہ کی سخت منتظر رہے اور انہوں نے موقعہ حاصل کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا ؎

اُنیسویں صدی کے آخری دس سال میں یہ مقاصد جرمنی کے خارجیہ طریق العمل میں پورے طور پر نمایاں ہو گئے - اور جس شخص نے انہیں سب سے زیادہ ظاہر کیا - وہ شہنشاہ ولیم دوئم ہے - یہ شہزادہ اگرچہ اپنے زمانہ کا سب سے بڑا یاوہ گو اور خود رائے بیباک آدمی ہے - تاہم اُس کی ہستی دنیا کے لئے ایک چیستان یا مُعمّا رہی ہے - اُس نے اپنے آپ کو ہمیشہ امن دوست ظاہر کیا ہے - اور اُس کی رعایا کا بہت بڑا حِصّہ اور شاید غیر جرمن دنیا کی عام رائے بھی اِس دعوے کو صحیح تسلیم کر چکی ہے - لیکن جرمن بری اور بحری فوج کے روز افزوں اضافہ نے یورپ کو مسلح چھاونی کی صورت میں اُسی زمانہ میں تبدیل کیا - جب جرمنی کے طریق العمل پر ولیم دوئم حکمرانی کرتا تھا - اور اگرچہ یورپ کی بڑھتی ہوئی بے چینی کا انسداد کرنے میں قیصر ولیم نے مدد دی - لیکن یہ بے چینی پیدا ہی نہ ہوتی - اگر جرمنی متعدد موقعوں پر پرشیا کے قدیم ہتھیاروں سے کام نہ لیتا - مثلاً جب جاپان نے چین کو شکست دے کر پورٹ آرتھر کو اپنے علاقہ میں ملحق کرنے کا ارادہ کیا - تو جرمنی نے اسے "فوجی پنجہ" دِکھلا کر دنیا کے امن کو متزلزل کرنا چاہا - اور پھر ۱۹۰۹ء میں جب روس جاپان سے شکست کھا کر اپنی تکان کو ابھی دُور نہ کر سکا تھا - تو جرمنی نے آسٹریا کا ساتھ دیکر بوسینا اور ہرزگوینا پر اُس کا قبضہ کرا دیا - جس کی بابت

خود قیصر ولیم نے بعد میں فخر سے کہا تھا - کہ "میں چمکتے ہوئے ہتھیاروں میں اپنے رفیق کے ساتھ کھڑا رہا ہوں" اس کے بعد حال میں جب مراکو میں فرانسیسی انتظام کی کچھ ہل چل ہوئی - تو جرمنی نے اپنا پینتھر Panther نامی جنگی جہاز اگادیر کے ساحل پر بھیج کر دنیا کے امن کو خطرے میں ڈالنا چاہا - مگر جب انگلستان نے اسے للکارا - کہ اگر اس معاملہ میں تم دخل دو گے - تو برٹش بیڑا تمہاری مرمت کے لئے آ موجود ہوگا - تب جرمن جہاز دُم دبا کر واپس چلا گیا +

ولیم دوئم شاید متیقن ہے - کہ وہ امن سے محبت اور اُس کی پیروی کرتا رہا ہے - اور اس کی خاطر اُس نے جرمنی کے اِس حق کے سوا باقی سب کچھ قربان کر دیا ہے - کہ اُسے سورج کے نیچے کوئی جگہ ملے - لیکن اگر ایسا ہی خیال ہے - تو یہ بات معقولیت سے نہیں بتلائی گئی ہے - وہ جگہ کونسی ہے تاکہ دوسری سلطنتوں کے تعلقات جرمنی کے ساتھ آسان اور خوشگوار رہ سکیں - یہ بات فراموش کرنا بھی در حقیقت نا ممکن ہے - کہ پچھلے بیس سال میں جرمنی کی روش اپنے امن دوست شہنشاہ کے ماتحت ایسی رہی ہے - جس نے یورپ کے امن کو سخت خطرے کی حالت میں رکھا ہے - اور ۱۹۱۴ء کی جنگ اِسی کا نتیجہ ہے +

ولیم دوئم اپنے اضطراب - تلون رنگی اور خود نمائی

کی بدولت دنیا کی توجہ کو اپنی طرف کھینچے رکھنے میں کامیاب رہا ہے - لیکن اس کی تہ میں ہمیشہ ایک نہایت صاف مقصد اور یقینی عقیدہ نمایاں رہا ہے وہ عقیدہ یہ ہے - کہ پرشیا کے قومی دیوتا نے جرمنی کی ترقی پذیر زندگی کے اگلے مرحلے کے لئے اس کا رہبر و رہنما ولیم دوم کو انتخاب کیا ہے - اور وہ مرحلہ یہ ہے - کہ جرمنی سب سے بڑی یوروپین سلطنت کی بجائے عالمگیر سلطنت بن جائے - اور اُس کے عہد میں جرمنی کا طریق عمل اپنی دیدہ دلیری ظالمانہ طریقوں - فوری گانٹھ سانٹھ اور مطلب برآری کے لئے درپردہ کارروائیوں کے متعلق جو کچھ رہا ہے - یہ در اصل ولیم دوم کی پالیسی ہے - اِس سے اس کے کیرکٹر پر روشنی پڑتی ہے - اور یہ پالیسی اگر عملی طریقوں میں نہیں - تو کم از کم اپنے مقاصد اور خواہشوں کے لحاظ سے جرمن رعایا کے اندھے خیالوں اور آرزوؤں کے مطابق رہی ہے ؏

عالمگیر سلطنت بننے کے لئے ضروری بات تھی - کہ بحری بیڑا تیار کیا جائے - اور جرمن بیڑے کی تکمیل بلا شبہ ولیم دوم کا خاص کام رہا ہے - اُس کا چانسلر پرنس بُولو کہتا ہے - کہ" اُس نے سلطنت کی تمام طاقت اور اپنی ذات کی تمام قوت اِس انجام کو حاصل کرنے کے لئے لگا دی - جب اہل جرمنی نے اپنے مستقبل کا فیصلہ کیا تھا - تو عین اُسی وقت اُس نے جرمن

بیڑے کی تعمیر کا کام سرگرمی سے شروع کر دیا - جرمنی کو جن بحری ہتھیاروں کی ضرورت تھی - انہیں سب سے آخر ڈھالنے کا موقعہ ملا‘‘ واقعی پہلا عظم نیوی ایکٹ (قانون افواج بحری) ۹۸-۱۸۹۷ء میں محض اس کی کوشش سے منظور ہوا - اور اِس قانون کے بعد جو قوانین پاس ہوئے - اُن کے روز افزوں اخراجات کے مطالبہ کو پارلیمنٹ نے بہت خفیف مخالفت سے منظور کیا - جس سے معلوم ہوتا ہے - کہ ولیم دوم نے جرمن رائے کے رُجحان کا پہلے ہی اندازہ کر لیا تھا - قیصر ولیم نے ہی اعلان کیا - کہ جرمنی کا مستقبل سمندر کے ساتھ وابستہ ہے - اور اُسی نے بحر اوقیانوس کی امیر البحری کی ضرورت کو پیش کیا +

لیکن بحری بیڑہ محض ایک ذریعہ تھا - اور جس مقصد کے لئے جو بنایا گیا تھا - وہ اِنگلستان کی بجائے سمندر پر جرمنی کی برتری قائم کرنا تھا - جو مقصد کہ بہت بڑا تھا - جہاں ایک طرف ’’وہ ہتھیار تیار کئے جا رہے تھے - جن کی جرمنی کو اشد ضرورت تھی‘‘ وہاں دوسری طرف جرمنی کا حکمران جرمن رسوخ کو دنیا کے دوسرے کنارے پر پھیلانے کا موقعہ ڈھونڈھ رہا تھا - اور اگر ممکن ہو سکے - تو موقعہ ملنے پر مرغوب نو آبادیاں حاصل کرنے کی فکر میں تھا +

نہایت نمایاں طور پر مرغوب علاقہ جس پر ابھی

کسی بڑی طاقت کا قبضہ نہیں ہؤا تھا۔ جنوبی امریکہ تھا۔ جس کے بہت سے فرخندہ حال حِصّوں پر بہت چھوٹی حکومتیں بُری طرح حکومت کرتی تھیں۔ وہاں ہزاروں جرمن نو آباد کار موجود تھے۔ جنہیں اکٹھا رہنے اور دوسری اقوام میں خلط ملط نہ ہونے کے لئے حوصلہ افزائی کی جاتی تھی۔ اور اُن کے مدارس اور دُوسری ضروریات کے لئے جرمنی سے اِمداد ملتی تھی۔ اِس میں شک نہیں۔ کہ جرمن گورنمنٹ کو امید تھی۔ اور شاید اب تک اُمید ہے۔ کہ وہ جنوبی امریکہ پر اپنا حق قائم کر سکے گی۔ لیکن ریاست ہا متحدہ کی طرف سے مانرو monroe کا اصول سدِّ راہ ہؤا۔ اور وہ اصول یہ تھا۔ کہ سو سال ہُوئے۔ امریکہ کے پریزیڈنٹ مسٹر مانرو نے اِس بات کا اِعلان کر دیا تھا۔ کہ جو سلطنت امریکہ کے دونو براعظموں کے کسی حِصّہ پر بھی قبضہ کرنا چاہے گی۔ اُس سے امریکہ فوراً برسرِ پیکار ہوگا۔ خواہ اُس حِصّہ پر ریاست ہائے متحدہ کا پہلے قبضہ ہو یا نہ ہو۔ اور جب جرمنی نے وینے زویلا venezuela کے معاملہ میں دخل دینے کی کوشش کی۔ تو جرمن گورنمنٹ کو یاد دِلائی گئی۔ کہ ریاستہائے متحدہ اب تک مانرو کے اصُول پر عامل ہیں۔ ولیم دوئم نے مانرو کے اصول کے خلاف اپنی ناپسندیدگی کو چھپایا نہیں۔ لیکن جنوبی امریکہ پر حملہ کرنے کا ابھی وقت نہیں آیا۔ ریاست ہائے متحدہ

اگرچہ فوجی نقطۂ خیال سے ایک حقیر طاقت ہے ۔لیکن وہ ایسی بودی نہیں ۔کہ اُس پر یورپ کی سرزمین سے حملہ کیا جا سکے ۔ خاص کر ایسی صورت میں جبکہ برٹش بیڑا بھی مُستعد ہے ۔جنوبی امریکہ کے بارہ میں اپنی تمنائیں جرمن گورنمنٹ نے سرِ دست ملتوی کر دی ہیں ۔ہسپانیہ اور امریکہ کی جنگ نے ظاہر کر دیا ۔کہ جرمنی میں امریکہ کی محبّت کا جذبہ کِتنا کمزور ہے ۔اور کچھ عرصہ کے لئے اِن کے باہمی تعلقات بقول پرنس بُولو مُکدّر ہو گئے تھے ۔ کیونکہ برٹش اور امریکن اخبارات نے اُن واقعات کو ایک خاص طرز سے پیش کیا ۔ جو منیلا کے قریب امریکن اور جرمن بیڑے کے درمیان ظہور پذیر ہوئے تھے ۔ لیکن یہ بھُول جانے والی باتیں تھیں ۔ اور اِنہیں فراموش کرنے کے لئے لگا تار کوشش ہوتی رہی ہے ۔جنوبی افریقہ میں برطانیہ اور اُن ٹیوٹینک اقوام کے باہمی تعلقات میں جب کشیدگی واقع ہو گئی ۔ تو جرمنی کو اِس سے نا جائز فائدہ اُٹھانے کا بہتر موقعہ ملا ۔ کیونکہ اُن اقوام کا جرمنی کے ساتھ نسلی تعلق تھا ۔ بغاوت جیمسن کے متعلق قیصر کا مشہور تار جو کروگر کے نام بھیجا گیا تھا ۔اُس میں یہ لکھنا ۔کہ اچھا ہؤا ۔کہ بغاوت دوستدار سلطنتوں کی مدد کے بغیر طے ہوگئی ہے ؛ اور پھر ٹرانسوال میں جرمن اسلحہ کی مسلسل در آمد ۔ دونو باتیں ظاہر کرتی تھیں ۔کہ جرمنی اِس خوشگوار علاقہ میں قدم بڑھانا

چاہتا ہے - جو یوروپین نو آبادوں کے لئے نہایت موافق ہے - جبکہ سرکاری کاغذات شائع ہونگے - تب معلوم ہوگا - کہ ۱۸۹۹ء میں برطانیہ اور جرمنی کے درمیان جنگ ہوتے ہوتے کس طرح رہ گئی - شہنشاہ کا دعوے ہے - کہ اس نازک موقعہ پر اس نے امن کو برقرار رکھا - اگر یہ دعوے درست بھی ہے - تو اس کی صرف یہ وجہ ہے - کہ قیصر نے خود محسوس کیا - اور اسے جرمنی پر یہ ظاہر کرنے کا موقعہ مل گیا - کہ انگلستان پر کوئی حملہ کامیاب نہیں ہوگا - جب تک جرمن جنگی بیڑے کو غیر معمولی وسعت نہیں دی جاتی - سنہ ۱۹۰۰ء کا جرمنی کا بحری قانون جس کی رو سے یک لخت جرمن بیڑا دو چند کر دیا گیا تھا - جنوبی افریقہ کی لڑائی کا نتیجہ تھا - اس دوران میں جرمنی اپنی توجہ مشرق بعید کی طرف منعطف کر رہا تھا - جہاں نہ صرف تجارتی ترقی کے لئے بلکہ علاقہ حاصل کرنے کا بھی موقعہ نظر آتا تھا - سنہ ۱۸۹۴ء میں جب جاپان نے چین کو شکست دی - تو یورپ کو یہ محسوس کرنا پڑا کہ ایک نئی طاقت رونما ہو گئی ہے - جو اس علاقہ میں اجنبی طاقتوں کی ترقی کو روک سکتی ہے - اس لئے جرمنی بھی روس اور فرانس کے ساتھ اس مطالبہ میں شامل ہو گیا - کہ جاپان پورٹ آرتھر اور اس کے عقبی جزیرہ نما کوریا کو اپنے علاقہ میں ملحق نہ کرے - اور قیصر ولیم نے مبالغہ آمیز انداز سے یوروپ کو "زرد خطرے"

کے متعلق بیدار کرنا شروع کیا۔ جس سے اُس کی یہ مراد تھی۔ کہ مشرق بعید کی زرد رنگ اقوام (چین و جاپان) طاقت پکڑ رہی ہیں ؂

اِس میدان میں جرمنی دوہرا فائدہ اُٹھا سکتا تھا۔ ایک تو روس کی توجہ مشرق بعید کی طرف منعطف ہو جاتی۔ جس سے مشرقِ اقصےٰ میں میدان صاف ہو جاتا۔ دوسرے جرمنی مشرقِ بعید میں بھی خود فائدہ اُٹھانا چاہتا تھا۔ جنگِ روس و جاپان کے حیرت انگیز نتیجے کی جرمنی کو کوئی اُمید نہ تھی۔ لیکن اِس کی تلافی یوں ہو گئی۔ کہ اِس سے روس اِتنا کمزور ہو گیا۔ کہ کئی سال تک اُسے نظر انداز کیا جا سکتا تھا۔ ۱۸۹۷ء میں دو جرمن مشنریوں کے قتل سے جرمنی کو موقعہ مل گیا۔ کہ وہ غاصبانہ طرزِ عمل سے فولادی پنجہ کے ساتھ کیاؤ چاؤ کو چھین لے ؂

تین سال بعد ہنگامہ بکسرز نے اور پیکن میں سفارت خانہ کے محاصرہ نے پھر موقعہ دیا۔ کہ جرمن اپنے فولادی پنجہ کی حیرت زدہ مشرق کے سامنے پھر نمائش کرے — جرمنی نے دول یورپ کی متحدہ کارروائی کو جو سفارت خانوں کی رہائی کے متعلق تھی۔ تاخیر میں ملتوال دیا۔ تا کہ وہ اِس مہم کی اعلےٰ کمان حاصل کرنے کے دعوے پر زور دے سکے۔ دوسری طاقتیں جن کا تعلق اِس معاملہ میں جرمنی سے بھی زیادہ تھا۔ لیکن جو سفارت گاہ کے محصوروں کی قیمتی زندگیاں بچانے کے لئے

پریشان تھیں۔ انہوں نے تبسم کے ساتھ اس مطالبہ کو منظور کر لیا۔ اور زرد خطرے کے انسداد کے لئے مہذب دنیا کی طرف سے فیلڈ مارشل وال ویلڈرسی Von Waldersee کمانڈر مقرر ہوا۔ جن فوجوں نے جرمنی کو مہذب دنیا کا لیڈر ظاہر کرنا تھا۔ انہیں قیصر ولیم نے علانیہ کہا۔ کہ جرمن نام کا سایہ سکّہ اٹیلا اور اس کی ہمراہی سپاہ کی طرح بٹھانا ہے۔ اُن کا کمانڈر سفارت خانہ کو رہائی دلانے کے لئے بہت دیر سے پہنچا۔ تاہم اُسے اٹیلا کا پارٹ ادا کرنے کا کافی موقعہ ملا۔ اور اُس نے اِسے پورے طور پر ادا کیا۔ تسخیر کیاؤ چاؤ کے سوا مشرقِ بعید میں جرمنی کو کوئی اور عملی فائدہ نہیں پہنچا۔ اور دنیا کی سلطنتوں کے میدان میں جرمنی کا داخلہ دھوم دھام سے اور متکبّرانہ طور پر ہُوا۔ جس سے جاپان اس کا جانی دشمن بن گیا۔ اور دنیا پر یہ حقیقت ظاہر ہو گئی۔ کہ جرمنی اپنی پوری طاقت تک جارحانہ اور ظالمانہ کار روائی کرنے کے لئے عین تیار و آمادہ ہے۔ لیکن اپنے وطن کے قریب اُس نے حالات کا اندازہ کر کے ایسا طریقِ عمل اختیار کیا۔ جو زیادہ سُود مند ہو سکتا تھا۔

گذشتہ بیس سال سے جرمن سرگرمی اور تمناؤں کا بڑا میدان ٹرکی کی زوال پذیر سلطنت رہی ہے۔ جس کے مسائل بسمارک کے نزدیک اِتنے حقیر تھے۔ کہ اُن پر ایک جرمن سپاہی کا خون نہیں بہایا جا سکتا تھا۔

یہاں کم از کم ایسا میدان موجود تھا ۔ جو دوسری سلطنتوں کی رقابت اور جرمنی کی خوش قسمتی سے جرمنی کے لئے مخصوص پڑا تھا ۔

روس نے ٹرکی کے خلاف کئی لڑائیاں لڑیں ۔ مگر اُن سے چنداں فائدہ نہیں اٹھا سکا ۔ رومانیہ ۔ سرویہ ۔ بلگیریا اور یونان کی صرف چند چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم کر سکا ۔ جنہیں وہ اپنے ماتحت سمجھتا تھا ۔ مگر جن کا رُجحان خود مختاری کی طرف تھا ۔ آسٹریا جو اس علاقہ میں روس کا قدیم رقیب تھا ۔ وہ بغیر کسی جنگ و جدل کے ہی روس کی نسبت زیادہ فائدہ میں رہا ۔ کیونکہ ۱۸۷۸ء میں اُس نے زیادہ تر جرمنی کی مدد سے بوسنیا اور ہرز گووینا کے بیچین سرویوں پر حکمرانی حاصل کر لی ۔ لیکن اُس کی یہ دیرینہ آرزو پوری نہ ہو سکی ۔ کہ وہ بلقان کو قابو میں رکھ سکے ۔ یا ساحل ایجئین تک پہنچ کر سالونیکا کے خوبصورت بندر پر قبضہ کر سکے ۔ کیونکہ اُس کے راستہ میں چھوٹی چھوٹی خار دار ریاستیں موجود تھیں ۔ بالخصوص سرویہ جو اُسے بوسنیا کے سرویوں پر حکمرانی کرنے کے سبب مشتبہ نظروں سے دیکھتا تھا ۔ برطانیہ جو ہمیشہ خوش نصیب یا ہوشیار رہا ہے ۔ اُس نے مصر کو قابو کرنے کے علاوہ سائپرس پر قبضہ کر لیا ۔ لیکن مصر میں اس کی پوزیشن دوسری سلطنتوں کے حقوق کے باعث بالخصوص فرانس کی رقابت کے سبب

دشوار ہو گئی۔ فرانس نے مدت پہلے ٹیونس اور الجیریا پر قبضہ کیا ہؤا تھا۔ جو سلطنت عثمانیہ کا برائے نام حصہ بھی نہ تھے۔ بلکہ ۱۸۸۱ء میں فرانس کو بسمارک کی طرف سے ترغیب دی گئی تھی۔ کہ وہ افریقہ میں اپنی سلطنت کی توسیع کر سکتا ہے۔ آخر کار اٹلی جو بحیرہ روم میں فرانسیسی برتری کو شکی نگاہوں سے دیکھتا تھا۔ ساحل طرابلس کی طرف آرزو مندانہ نظروں سے دیکھنے لگا۔

کیا اکیلے جرمنی کو ہی مرد بیمار کی جائداد میں کوئی حصہ نہیں ملنا تھا؟ اس کے پاس ابھی بہت سے قیمتی علاقے موجود تھے۔ مثلاً بلقان کے باقی ماندہ حصے۔ ایشیائے کوچک۔ اسیریا۔ فلسطین۔ اور دریائے فرات کی زرخیز وادی یہاں جرمن سرگرمی کے لئے بہت اچھا میدان تھا۔ جس میں کہ وہ اپنے حلیف اسٹریا کے ساتھ آسانی سے مل سکتا تھا۔ اور یہ ایسا میدان تھا۔ جہاں مسلسل جرمن اقتدار قائم کیا جا سکتا تھا۔ جو دریائے ڈینیوب سے خلیج فارس تک پہنچ کر ہندوستان کے دلکش علاقہ سے جا ملتا تھا۔ اگر سلطانِ ٹرکی جرمنی کے اثر میں آ جائے۔ تو اس سے بعید فائدے پہنچتے تھے۔ نہ صرف اس سے علاقہ حاصل ہو سکتا تھا۔ بلکہ اس کے خلیفۃ المسلمین ہونے کے سبب اسے جرمنی کے ان رقیبوں کے

خلاف استعمال کیا جا سکتا تھا۔ جو مسلمان قوم پر حکمران ہیں۔ مثلاً انگلستان۔ مصر اور ہندوستان میں اور فرانس شمالی افریقہ میں۔ ان کے متعلق جو وسیع تجاویز اختیار کی گئی تھیں۔ بلاشبہ قیصر ولیم کے ماتحت جرمنی کی خارجیہ پالیسی کا مدار زیادہ تر انہی پر تھا۔ انہی کے سبب سے جرمنی اور آسٹریا کے درمیان اتحاد اور بھی مضبوط ہو گیا۔ انہی سے روس اور جرمنی کی دیرینہ دوستی منقطع ہو گئی۔ اور ۱۹۱۴ء کی جنگ کا بھی ایک حد تک یہی باعث ہوئی ہیں۔

یہ بڑی تجویز چار باتوں پر مشتمل تھی۔ اول آسٹریا کا جزیرہ نما بلقان میں بالواسطہ رسوخ اور براہِ راست طاقت حاصل کرنا۔ دوسرے اس علاقہ میں روسی اقتدار کا زائل کرنا۔ تیسرے ترکوں میں جرمن اقتدار کے غلبہ کو قائم رکھنا۔ تاکہ سلطنتِ عثمانیہ کی فوجی طاقت کو بھی اتحاد ثلاثہ کے ذرائع میں شامل کیا جائے۔ چوتھے ایشیائی ترکی بالخصوص ایشیائے کوچک اور میسوپوٹیمیا میں تجارتی چال بازیوں میں جرمن اقتدار حاصل کرنا۔

پہلا مدعا یعنی بلقان میں آسٹروی رسوخ کو وسعت دینا آسٹریا اور سرویہ کے تعلقات پر مبنی تھا۔ کیونکہ یہ چھوٹی سی ریاست آسٹروی حدود اور سلونیکا کے دلکش بندرگاہ کے مابین واقع تھی۔ وہ بڑی ریلوے لائن سرویہ میں سے جاتی ہے۔ جو

وائنا سے قسطنطنیہ تک پھیلی ہوئی ہے - اور جس کی ایک شاخ سلونیکا تک جاتی ہے - اور اس لائن پر جرمنی اور آسٹریا کا سرمایہ لگا ہوا ہے - اس لیئے اس بڑی تجویز کی کامیابی کے لیئے ضروری تھا - کہ سرویہ کی پالیسی آسٹروی رسوخ کے تابع ہو - اور اگر ممکن ہو سکے - تو سرویہ کو آسٹریا کے ماتحت کر لیا جائے ؛

اس بات کو حاصل کرنا چنداں مشکل نہیں تھا - کیونکہ سرویہ دو طرف سے آسٹریا سے جکڑا ہوا تھا - اور اس کے مشرق میں بلگیریا کی ریاست تھی - جس نے حال ہی میں سرویہ کو شکست دی تھی - علاوہ ازیں سرویہ کی تجارت کا زیادہ حصہ آسٹریا میں سے گذرتا تھا - دوسری طرف سرویہ کی قوم پرست پارٹی آسٹریہ کے خلاف تھی - کیونکہ بوسینا کی سروی آبادی پر آسٹریا کی حکومت تھی - جس سے سرویہ کی آئندہ ترقی میں روکاوٹ پڑتی تھی - جس کے وہ خواب دیکھ رہے تھے - سرویہ کا قوم پرست فریق اس معاملہ میں روس سے مدد کی امید رکھتا تھا - اور انہیں یہ بات سب سے زیادہ ناگوار تھی - کہ سروی نسل پر آسٹریا حکمران ہو اس طرح سرویہ کا دارالخلافہ بلگریڈ روس اور آسٹریا کے مابین سازشوں کی آماجگاہ بنا رہا ؛

بہ حیثیت مجموعی آسٹریا کی پالیسی ایک عرصہ تک کامیاب رہی - ۱۸۸۵ء میں جب آسٹریا نے اپنی دخل

وہی سے سرویہ کو بلگیریا کی ذلت آمیز شکست کے نتائج سے بچایا ۔ تو اُسے اپنے آپکو سرویہ کا محافظ ظاہر کرنے کا موقعہ مل گیا ۔ اس کے بعد بیس سال یعنی ۱۹۰۳ء تک سرویہ میں شاہی پارٹی آسٹریا کی اتنی ہی حامی تھی ۔ جتنی کہ قوم پرست پارٹی اس کے مخالف تھی ۔ اور خاندان ابرینو وچ obrenovitch کے دو نا لائق بادشاہ میلان اور الگزنڈر جن کے ماتحت سرویہ نے اپنی تمام گذشتہ ترقی کو تباہ کر لیا ۔ عملی طور پر آسٹریا کے ہاتھ میں کٹھ پتلی تھے ۔ یہی وجہ ہے ۔ کہ ۱۹۰۳ء میں الگزنڈر اور اُس کی بیوی قابلِ نفرین طریقہ سے قتل کئے گئے ۔ گو یہ فعل ایک نفرت انگیز فریق کی سازش کا نتیجہ تھا ۔ لیکن اسے حب الوطنی اور قوم پرستی کے فعل کے رنگ میں پیش کیا جا سکتا ہے ۔ اور اس سے جو بادشاہ پیٹر کارا جارج وچ Kara george vitch سرویہ کے تخت پر بیٹھا وہ قوم پرست فریق کا حامی تھا ۔ اور کارا جارج کی نسل سے تھا ۔ جس نے ۱۸۰۴ء میں ترکوں کے خلاف ایک کامیاب سروی بغاوت میں حصّہ لیا تھا۔

اس لئے ۱۹۰۳ء کا قتل آسٹریا کی پالیسی کی ناکامی کا باعث ہو گیا ۔ اور اس کے بعد سرویہ میں قوم پرستی کا جذبہ متواتر بلند ہوتا گیا ۔ اور وہ رفتہ رفتہ بوسینا کے اُن حدود کے اہل سرویہ میں بھی پھیل گیا ۔ جو کہ آسٹریا کے ماتحت تھے ۔ جیسے کہ قدیم

آسٹریا کے صوبہ سلیبو ونیا *Slavonia* میں بھی اشاعت پا گیا - چند سال بعد یہ بھی ممکن ہو گیا کہ ہر ایک علاقہ کے ممتاز آدمیوں کے ایک ڈیپوٹیشن نے آسٹریا کی گورنمنٹ کو یقین دلایا - کہ اب چند بوڑھوں کے سوا رعایا میں کوئی شخص سلطنت آسٹریا کا وفادار نہیں - اور تمام نوجوان اور ادھیڑ سروی لوگ چاہتے ہیں - کہ آسٹریا کے وہ صوبے تاجِ سرویہ کے ماتحت کر دیئے جائیں - جن میں سروین نسل کے لوگ آباد ہیں - اس طرح ۱۹۰۳ء کے بعد آسٹریا سرویہ کے ساتھ روز افزوں مشکل تعلقات میں مبتلا ہوتا گیا - آسٹریا کے ابتدائی غلبہ نے رفتہ رفتہ ظاہرا عداوت کی صورت اختیار کر لی - اور نہ صرف اپنی تجویز کی کامیابی کے لئے بلکہ خود آسٹروی سلطنت کی سلامتی کے لئے یہ بات ضروری ہو گئی - کہ کسی نہ کسی طرح سرویہ کو مغلوب کیا جائے -

آسٹریا کی فتح جرمن اغراض کے لئے بھی ویسی ہی ضروری معلوم ہوتی تھی - جتنی کہ آسٹریا کی اغراض کے لئے تھی - اس لئے جرمنی اور آسٹریا نے پورے اتحاد سے اس کے لئے کوشش شروع کی - یہاں بھی انہیں اپنے خلاف وہی زبردست قومی جذبہ نظر آیا - جسے آسٹریا بارہا دیکھ چکا ہے - کہ اس کا فتح کرنا آسان نہیں - ۱۹۰۳ء کے بعد آسٹریا نے سرویہ کو تجارتی محصول کے جنگ سے زک دینی چاہی - جس سے

سرویہ کی تجارت کو سخت نقصان پہنچا۔ مگر آسٹریا کو اس سے کوئی فائدہ نہ پہنچا۔ بلکہ اہلِ سرویہ میں آسٹریا کی مخالفت کا جذبہ بہت بڑھ گیا ؂

دوسرا مُدعا یعنی ریاستہائے بلقان سے روسی رسُوخ کا اِخراج آسانی سے حاصِل ہونے والا نہ تھا۔ کیونکہ تمام بلقانی ریاستیں اپنی آزادانہ ہستی کے لیئے روس کی مرہونِ مِنت تھیں۔ حالانکہ آسٹریا دوسرے مقامات کی طرح بلقان کی قومی تحاریک کا بھی دشمن تھا۔ اور حال میں یعنی ۱۹۰۸ء میں دونو جرمن طاقتوں نے ریاست ہائے بلقان کی مزید آزادی میں روڑا اٹکایا تھا۔ علاوہ ازیں ترکوں کے ساتھ جرمنی کا دوستی کا منصوبہ چھوٹی ریاستوں میں شکی نگاہوں سے دیکھا جانا ضروری تھا۔ جو ابھی ابھی بہ صد دشواری ترکی جوے سے نِکلی تھیں ؂

تاہم حالات بالکل نا موافق نہیں تھے۔ روس کی توجہ مشرقِ بعید اور چین کے مسایل میں بہت اُلجھی ہوئی تھی۔ اس سے نہایت دانشمندی کے ساتھ فائدہ اُٹھایا گیا۔ جاپان کے چین پر فتح پا لینے کے بعد جرمنی روس کے ساتھ اِس مطالبہ میں شامل ہو گیا۔ کہ جاپان پورٹ آرتھر کو اپنے علاقہ میں ملحق نہ کرے اور بعد میں روس کو جرأت دلائی۔ کہ خود اس بندرگاہ پر قبضہ کر لے۔ اور منچوریا میں توسیع سلطنت کا پروگرام ہاتھ میں لے لے۔ اور جب روس اور

جاپان میں جنگ ہو گئی - اور روس کی فوجی عظمت خاک میں مل گئی - ساتھ ہی روس میں اندرونی بغاوت پھوٹ پڑی - تو بلقانی امور میں رُوسی رسوخ اور اِس علاقہ میں اُس کی مداخلت کا اثر بہت گھٹ گیا - اِس سے ۱۹۰۵ء کے بعد جرمن طاقتوں کو بلقان کے میدان میں من مانی کارروائی کرنے کا موقعہ ہاتھ آ گیا ؛

دوسری بات اِن طاقتوں کے حق میں یہ تھی - کہ ریاست ہائے بلقان میں جرمن شہزادے حکمران تھے - صرف سرویہ اور مانٹی نیگرو دو ریاستوں کے حکمران مقامی نسل سے تھے - رومانیا جو اِن ریاستوں میں سب سے زیادہ طاقتور اور خوشحال ریاست ہے - اُس پر در اصل ہوہن زولرن Hohenzollern خاندان کا شہزادہ حکمرانی کرتا ہے - جس خاندان سے کہ پرشیا کا شاہی گھرانہ تعلق رکھتا ہے - اِس شخص نے اپنے نئے وطن کی اِتنی اعلےٰ خدمات انجام دی تھیں - کہ وہ اپنے ملک پر ذاتی رسوخ بہت زیادہ ڈال سکتا تھا - ہوہن زولرن خاندان سے اپنی وفاداری کے جذبہ سے متاثر ہو کر رومانیا کے شاہ چارلس نے ۱۸۶۶ء میں پرنس بسمارک سے جب اس نے عنانِ حکومت ہاتھ میں لی - وعدہ کیا تھا - کہ اُس کی پالیسیؔ جرمنی کے متعلق ہمیشہ دوستانہ رہے گی - اور اس کی موت کے بعد یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچ گیا - کہ وہ

اپنے آپ کو جرمن عہدنامہ کا پابند سمجھتا تھا۔ رومانیا کی اصلی اور قدرتی پالیسی ہمیشہ آسٹریا کے خلاف رہی ہے۔ کیونکہ اُس کی آبادی کا بہت بڑا حصّہ اسٹروی رعایا ہے۔ اور وہ روس کے حق میں اِس وجہ سے ہے۔ کہ ریاست رومانیہ اپنی خود مختارانہ ہستی کے لئے رُوس کی مرہونِ اِحسان ہے۔ لیکن شاہِ رومانیہ کا اثر اس کی کسر نکالنے کے لئے کافی تھا۔ اور جب جرمنی نے بلقانی اُمور میں عملی کارروائی شروع کی۔ تو یہ بات بڑی مُفید ہوئی۔ کہ وہ کم ازکم ریاست رومانیہ کی غیر جانبداری پر بھروسہ کر سکتا تھا۔ جو کہ روس اور دریائے ڈینوب کے درمیان واقع ہے۔

پھر بلگیریا کا حکمران فرڈیننڈ آف سیکس کوبرگ Ferdinand of Saxe Coburg بھی ایک چھوٹے جرمن شاہی گھرانے کا ممبر تھا۔ اور جس وقت اُسے بلگیریا کے تخت کے لِئے اِنتخاب کیا گیا۔ اُس وقت آسٹریا میں ایک فوجی افسر تھا۔ اِسی وجہ سے روس نے اُسے ایک عرصہ تک بلگیریا کا بادشاہ تسلیم نہیں کیا۔ اور اگرچہ بعد میں روس سے اُس کی دوستی ہو گئی۔ مگر وہ کبھی دِل سے روس کا حامی نہیں ہُوا۔ اکثر بلگیرین لوگ روس کو اپنا قدرتی محافظ اور حلیف سمجھتے ہیں۔ لیکن وہاں ایک روس کی مخالف پارٹی بھی تھی۔ اور فرڈیننڈ ہمیشہ اسی کا حامی تصور کیا جاتا رہا ہے۔ یہ بات بھی جرمن مقاصد کے لئے بڑی

مفید تھی - چنانچہ اِسی کے مطابق جرمنی اور آسٹریا ہمیشہ اِس بات کے کوشاں رہے ہیں - کہ بلگیریا سرویہ سے الگ تھلگ رہے - اور بلگیریا اور ترکوں کے تعلقات دوستانہ رہیں - جرمن اثر سے ۱۹۰۴ء میں ٹرکی اور بلگیریا میں ایک معاہدہ ہوا - اور تب سے وہ اُسی پالیسی پر کار بند ہے - اِس لیئے کوئی مایوسی کی وجہ نہیں - کہ سرویہ ایک دن آسٹریا کی باجگذار ریاست بن جائے - اور ٹرکی کے ساتھ ہی رومانیہ اور بلگیریا کو بھی اِتحاد ثلاثہ کے ساتھ شامل کر لیا - اور اِس سے جزیرہ نما بلقان سے روسی اثر بالکل اُڑ جائیگا ۔

تیسرا مقصد یعنی ٹرکی پر جرمن اثر کی قائمی اس بڑی تجویز کی محراب میں چوٹی کا پتھر تھا - اور جرمنی میں پبلک رائے اِسے ہمیشہ سب سے زیادہ اہم سمجھتی رہی ہے - جس زمانہ میں اس پروگرام پر عملدر آمد شروع ہوا - اُس وقت سلطنت جرمنی کا چانسلر پرنس "بُولو" تھا - پرنس بُولو کہتا ہے - کہ "ہمارے پولٹیکل تعلقات کی زنجیر میں ٹرکی ایک مفید اور اہم کڑی ہے - ہم نے ٹرکی اور اسلام کے ساتھ نہایت احتیاط سے خوشگوار تعلقات قائم کیئے ہیں یہ تعلقات جذباتی وضع کے نہیں ہیں " ٹرکی سے اتحاد نہ صرف بلقان پر اقتدار حاصل کرنے کے لیئے نہایت ضروری تھا - بلکہ عالمگیر سلطنت کی سنگبنِ جدو

وجہ کی تیاری کے لئے بھی جس کی جرمن گورنمنٹ کو اب بڑی خواہش ہے۔ یہ معیّت اُس کے لئے بھی لازمی تھی۔ پرنس بُولو چانسلر ہونے کی وجہ سے اِس معاملہ پر نہایت احتیاط سے بولتا ہے۔ لیکن جنرل برن ہارڈی زیادہ آزادی سے لکھتا ہے۔ کہ "ٹرکی ہمارے لئے سب سے زیادہ اہمیّت رکھتا ہے۔ وہ ہمارا قدرتی حلیف ہے۔ اُس کے ساتھ نہایت گہرا تعلق رکھنے میں ہمارا بہت فائدہ ہے۔ ٹرکی ہی ایسی سلطنت ہے۔ جو مصر میں انگلستان کے اثر کو دھکا کر ہندوستان کے قریبی بحری راستہ کو مخدوش بنا سکتی ہے۔ ہمیں اس ملک کے اِتحاد کی خاطر کوئی قربانی اُٹھا نہیں رکھنی چاہئے۔ ٹرکی فوائد ہمارے اپنے فوائد ہیں "

اِس نہایت ہی اہم پالیسی کی ابتداء ۱۸۸۹ء میں ہوئی تھی۔ جبکہ شہنشاہ ولیم سرکاری طور پر قسطنطنیہ گیا تھا۔ یہ پہلا موقعہ تھا۔ جبکہ ایک عیسائی سلطنت کا حکمران سلطان روم کا مہمان ہُوا ہو۔ اور اسی لمحہ سے قسطنطنیہ میں جرمن اثر دن بہ دن نمایاں ہوتا گیا اور وہاں کا جرمن سفیر بیرن مارشل وان بائبر سٹین Baron marshall von Biebenstein جرمنی کی خارجیہ پالیسی میں قوی ترین اثرات میں سے ایک بن گیا۔ اِس سے بھی زیادہ حیرت انگیز کارروائی جرمنی نے ۱۸۹۷ء میں کی۔ جب کہ کریٹ کے

باشندے یونانیوں سے اتحاد کی کوشش کر رہے تھے۔ اور دول یورپ اس مشکل سے نکلنے کی کوشش میں مصروف تھے۔ جب یونان کا شہزادہ جارج کریٹ کا گورنر مقرر کیا گیا۔ تو جرمنی اور آسٹریا دول یورپ کے جتھے سے باقاعدہ مستعفی ہوگئیں۔ اور اس فعل سے ٹرکی کو ظاہر کر دیا گیا۔ کہ یہ سلطنتیں اس کی حقیقی دوست ہیں۔ اگلے سال جب ارمینیا کے قتل عام پر تمام یورپ ناراض ہو رہا تھا۔ اور لارڈ سالسبری ایک مشترکہ یوروپین مداخلت کے لئے کوشش کر رہا تھا۔ تو جرمنی نے راستہ میں روکاوٹ ڈال دی۔ شہنشاہ جرمنی نے اس شاندار موقعہ کو سیر قسطنطنیہ کے لئے انتخاب کیا۔ اور سلطان عبدالحمید پر دوستی کا سکہ بٹھایا۔ قسطنطنیہ سے وہ فلسطین کو گیا۔ اور وہاں سے دمشق پہنچا جہاں اس نے ایک شاندار تقریر میں کہا۔ کہ "دنیا بھر کے مسلمان جرمنی کو ہر وقت اپنا دوست اور محافظ سمجھیں"۔ دنیا میں مسلمانوں کی زیادہ تر تعداد انگلستان۔ روس اور فرانس کی رعایا ہے۔

ٹرکی کے ساتھ اس طرح گہری دوستی کی بدولت جرمنی کو بہت بڑا تجارتی فائدہ پہنچا۔ اور اس سے اس آرزو کی جانب ایک بڑا قدم اٹھایا گیا۔ جو ترکی سلطنت میں جرمن تجارت کو فروغ دینے کے لئے جرمنی کے دل میں موج زن تھی ۔

۱۸۹۰ء سے ۱۸۹۹ء تک جرمن تجارتی کمپنیوں نے ترکی
ریلوں کی تعمیر کے لئے بڑی بڑی رعائتیں حاصل کیں۔ اور
اس کام میں بعض حالتوں میں انگریزی کمپنیوں کو بھی
شکست دی۔ جو پہلے سے کام کر رہی تھیں۔ اور
۱۹۰۲ء میں بغداد ریلوے کی بڑی لائن کی تجویز
پیش کی گئی۔ جس سے کہ تمام ایشیائے کوچک اور
یوفریٹیس Euphrates کی وادی میں جرمن تجارت
کی فوقیت کا اطمینان حاصل کرنا مقصود تھا۔ ۱۹۰۸ء تک
ایک ہزار میل ترکی ریلوے لائن پر کلی طور پہ جرمنی
کو اقتدار حاصل ہو گیا۔ جس کے علاوہ آٹھ سو میل
ریلوے اور بنجل ریلوے کمپنی کی تھی۔ جو کہ جرمنی
اور آسٹریا کے مشترکہ انتظام میں تھی۔ فرانس کو
سیریا میں اور عرب کی لمبی لائن کے متعلق مراعات حاصل
تھیں۔ ان کے سوا جرمنی اور آسٹریا کو عملی طور تمام ترکی
بلکہ ساتھ ہی ریاست ہائے بلقان کی ریلوے لائن پر
اقتدار حاصل تھا۔ سلطنتِ عثمانیہ ملکی اور تمدنی دونوں
طرح جرمن طاقتوں کی دست نگر ہو گئی۔ اور اس پر
فوجی نگہبانی کا بھی اضافہ کرنا چاہیئے۔ کیونکہ ترکی
فوج کی تربیت جرمن افسروں کے ماتحت ہوتی ہے۔
اور ۱۸۸۳ء سے اس کا افسر وان ڈر گولز Von der
Goltz ہے۔ اور ان افسروں کی تعداد ۱۸۹۷ء سے
جبکہ ترکی اور یونان میں جنگ ہوئی تھی۔ دن بہ دن
بڑھائی جا رہی ہے۔ جس کی یہ وجہ ہے۔ کہ اُس

جنگ میں جرمن افسروں کی تربیت کے نتائج نہایت خوشگوار نکلے تھے۔ بیسویں صدی کے ابتدا میں جرمنی یہ محسوس کر کے خوش ہوا ہوگا۔ کہ اُس نے ریاست ہائے بلقان پر اپنی سرپرستی قائم کر لی ہے۔ اور اُس عالمگیر جنگ کے لئے مفید تائید حاصل کر لی ہے۔ جس کے لئے وہ چشم براہ تھا ٭

لیکن بلقان کا پروگرام بلا مزاحمت کامیاب نہیں ہوا۔ ۱۹۰۸ء میں ترکوں کی طرف سے تحریک ہوئی جس سے قیصر کے دوست سُلطان عبد الحمید کو زوال آگیا۔ جس نے کچھ عرصہ کے لئے اِصلاح پسند ترکوں کو مغرب کی آزادی پسند طاقتوں کا دوست بنا دیا۔ شاید یہ بات چنداں اہم نہیں تھی۔ بہت سے نوجوان ترک لیڈر سپاہی تھے۔ جن کی تربیت وان ڈر گولز کے ماتحت ہوئی تھی۔ اور وہ جرمنی کے بہت حق میں تھے۔ بہ صورت اُن میں سے خاص کر بہت ہی زبردست شخص انور بے کی تھی۔ اور جرمن اثر نے جلدی ہی اُسے رہنمائی کا درجہ دلا دیا۔ لیکن زیادہ خوفناک یہ معاملہ تھا۔ کہ اِتحاد ثلاثہ کے دو ممبروں آسٹریا اور اِٹلی نے ٹرکی کو نقصان پہنچا کر خود فائدہ اُٹھانا شروع کر دیا۔ آسٹریا نے بوسینا کو مُلحق کر لیا۔ اور اٹلی نے طرابلس لے لیا۔ جس سے ترکوں اور اطالویوں میں جنگ ہو گئی۔ جس میں کہ اطالوی بیڑا

ایجین میں نمودار ہؤا - اور کئی جزیرے ملحق کر لئے۔

آسٹریا کے الحاق بوسینا سے ترکوں کو چنداں رنج نہیں پہنچا - کیونکہ انہیں یہ علاقہ واپس ملنے کی کوئی امید نہ تھی - ترکوں نے تین کروڑ روپیہ لے کر معاملہ کو ایسی جلدی منظور کر لیا - جس سے شبہ ہو سکتا ہے - کہ اس بات کا پہلے سے تصفیہ ہو لیا تھا - لیکن اس سے سرویہ میں ایک طوفان برپا ہو گیا - جنہوں نے محسوس کیا - کہ اہل سرویہ کے دو بڑے گروہوں کے ملاپ کا موقعہ ہاتھ سے جاتا رہا - اور اس سے آسٹریا کے خلاف سازش میں سرگرمی پیدا ہو گئی - جس کا انجام یہ ہؤا - کہ جون ۱۹۱۴ء میں ارچ ڈیوک ولیعہد آسٹریا قتل کر دیا گیا - اور چونکہ یہ الحاق معاہدۂ برلن کی صحیح خلاف ورزی تھی - اس لئے اس سے قریباً جنگِ یورپ کا سامان بن گیا - لیکن موقعہ بہت اچھا انتخاب کیا گیا تھا - روس ابھی اس شکست کے اثر سے صحت یاب نہیں ہؤا تھا - جو اس نے تین سال پہلے جاپان کے ہاتھوں اٹھائی تھی - اس لئے اس نے اس ذلت کو گوارا کر لیا - برطانیہ نے اظہار ناراضگی تو بڑے زور سے کیا - لیکن اس نے یہ ظاہر کر دیا - کہ بلقان کے معاملہ پر وہ لڑائی کرنے کے لئے آمادہ نہ ہو گا - اور جرمنی نے ڈرامے کے ایک نائٹ (رئیس) کی طرح فخریہ انداز سے اعلان کیا - کہ

"وہ اپنے حلیف کے ساتھ چمکتے ہوئے ہتھیاروں میں کھڑا رہا ہے" جس سے یہ یقین دلانا مقصود تھا۔ کہ اس نے جرمنی کی بے حیائی سے پورا فائدہ اُٹھایا ہے۔ ڈِھٹھائی نے فائدہ پہنچایا۔ اور اِس میں شبہ نہیں۔ کہ اسی کامیابی کی یاد نے آسٹریا کو جُرات دلائی۔ کہ ۱۹۱۴ء میں ویسا ہی جابرانہ ایک اور فعل کرے۔ الحاق بوسینا کے باعث کچھ دیر کے لئے ٹرکی اور آسٹریا کے باہمی تعلقات کمزور ہو گئے۔ لیکن یہ بالکل عارضی بات تھی۔ اور دوسری طرف اِس سے ایک جرمن طاقت کو ریاست ہائے بلقان میں بلا واسطہ طاقت حاصل ہو گئی۔ سرویہ کو معقول صدمہ پہنچا۔ اور روس کے لئے بھی یہ ایک نمایاں شکست تھی۔ پرنس بولو ٹھیک کہتا تھا۔ کہ یہ اب تک جرمن پالیسی کی عظیم فتح مندی تھی۔ اور جرمن پالیسی کی یہ فتح مندی ایک معاہدہ کی کامیاب خلاف ورزی تھی۔

لیکن طرابلس کا قبضہ بالکل مختلف چیز تھی۔ اِس کی جرمنی اور آسٹریا نے ہرگز جُرأت نہیں دلائی تھی۔ جنہوں نے بلقان کی سکیم میں اِٹلی کو کبھی شامل نہیں کیا۔ اور اِس سے اُن کی پالیسی قریباً برباد ہو گئی۔ کیونکہ ترکوں کو اِس سے رنج پہنچا۔ کہ اتحاد ثلاثہ کے ایک ممبر نے اُن پر اس طرح حملہ کیا ہے۔ اور اِس سے اُن کی دوستی کا

یقین متزلزل ہو گیا - برن ہارڈی کہتا ہے - کہ ٹرکی
کو اتحاد ثلاثہ کا پورا ممبر بنا لینا چاہئے تھا - تا کہ
ایسے بد قسمت واقعات کا امکان ہی نہ رہتا -
علاوہ ازیں اِس واقعہ نے خود اتحاد ثلاثہ کو بہت
کمزور کر دیا - اٹلی نے ۱۹۰۵ء میں فساد مراکش کے
وقت اِس اتحاد سے الگ ہو جانے کی خواہش کی
علامات ظاہر کی تھیں - طرابلس کی جنگ کے بعد
وہ معاہدے بہت ڈھیلے پڑ گئے تھے - جن کا کہ
وہ اب تک پابند رہا تھا - اور برن ہارڈی ۱۹۱۱ء
میں لکھتا ہے - کہ اٹلی کو آیندہ اپنے جتھے کا
ممبر نہیں سمجھنا چاہئے ٭
ریاست ہائے بلقان یونان - سرویہ و بلگیریا کے
اتحاد اور اُن کی تربیت یافتہ ترکی افواج پر
جن پر جرمنی کو اتنا بھروسہ تھا کامل اور غیر
متوقع فتح سے جرمن تجاویز کے لئے صورت اور
بھی خطرناک ہو گئی - یہ اتحاد جو باقی یورپ کی
نظروں میں نہایت مبارک اور امید افزا واقعہ تھا -
جرمن پالیسی کی کامل شکست تھی - اور جرمن نقطہ
خیال سے اس کا سب سے بڑا اثر یہ تھا - کہ
اِس سے سرویہ کو تقویت پہنچ گئی - جرمن اور
آسٹرین مدبرین نے اس بُرائی کو حتی الامکان کم
کرنے کی کوشش فوراً شروع کر دی - لنڈن کی
کانفرنس میں جہاں کہ صلح کی شرائط طے ہو رہی تھیں

نہیں ۔ اُنہوں نے اپنی تمام طاقت اس بات پر صرف کر دی ۔ کہ سرویہ کو ایڈریاٹک (بحیرہ اسود) میں دخل نہ ملے ۔ کیونکہ اِس سے اس کا آسٹریا پر اقتصادی مدار گھٹ جاتا تھا ۔ چونکہ سرویہ دوسرے سرویوں کو اپنی حکومت میں شامل کر کے اپنی کوشش کے قدرتی فوائد حاصل نہیں کر سکا ۔ اِس لیے وہ اس کی کسر دوسری طرف نکالنے کے لئے مجبور تھا ۔ اور اس نے بلگیریا کی قربانی پر کسر نکالی

اِس کا نتیجہ جرمن نقطۂ خیال سے بہت دل خوش کن تھا ۔ مگر یوروپین امن کے نقطہ خیال سے بہت خوفناک تھا ۔ کہ اتحاد بلقان میں ایک خلیج واقع ہو گئی ۔ جس سے دوسری جنگ بلقان شروع ہو گئی ۔ اور ترکوں کو ایڈریا نوپل واپس لینے کا موقعہ مل گیا ۔ اور ریاست ہائے بلقان کے اتحاد سے جو فوائد حاصل ہوئے تھے ۔ وہ بہت حد تک معدوم ہو گئے ۔ لیکن جرمنی جن اُلٹی سیدھی چالوں کا عادی ہے ۔ اُن سے اس نے پھر ایک دفعہ کام لیا ۔ اس لئے وہ ریاست ہائے بلقان کے معاہدہ کو تڑوانے میں کامیاب ہو گیا ۔ جو ریاست ہائے بلقان کی کامیابی کی صورت میں شاید اس کے لئے خطرناک ہوتا ۔ اور ریاست ہائے بلقان کو ایسی منتشر صورت میں چھوڑ دیا گیا ۔ جس سے

جرمنی کو کوئی خدشہ باقی نہ رہا +

اِن واقعات سے اہلِ سرویہ میں اپنے آسٹروی ہمسایوں کے خلاف نفرت کا جذبہ قدرتاً بہت بڑھ گیا - اِس سے کسی کو اِنکار نہیں ہو سکتا - کہ سرویہ سے بدلہ لینے کا موقعہ آنا ضروری اور یقینی تھا - اور یہ جون ۱۹۱۴ء میں آرچ ڈیوک کے قتل پر آیا - اور اِس دِق کرنے والی چھوٹی سی ریاست کو ہمیشہ کے لئے پامال کرنے کے موقعہ کو ہاتھ سے کھونا ناممکن تھا - اگر سرویہ کو یورپ کے عالمگیر جنگ بغیر پامال کیا جا سکتا تو اچھا تھا - اس میں شبہ نہیں - کہ آسٹریا کو اس ظالمانہ کارروائی کی جرأت اِس لئے ہوئی - کہ اُسے یقین تھا - کہ کھُلم کھُلا بے حیائی اب کے بھی اُسی طرح کامیاب ہو جائے گی - جس طرح کہ ۱۹۰۸ء میں کامیاب ہوئی تھی - اور دوسری جانب اگر یورپ کی جنگ شروع ہی ہو گئی تو جرمنی اِس کے لئے تیار تھا - گذشتہ تین سال سے اُس نے ایسے وسیع پیمانہ پر اور ایسی مکمل پیشبندی سے تیاریاں کی ہوئی تھیں - جیسا کہ ہم اُوپر بتلا چکے ہیں - کہ اُن سے صریحاً یہ نتیجہ نِکلتا ہے - کہ اگر آرچ ڈیوک گولی سے نہ مارا جاتا - تو بھی کسی اور بہانہ پر جرمنی جنگ شروع کر دیتا +

درحقیقت ولیعہد آسٹریا کا قتل ایسے موقعہ پر ہوئے ہے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ واقعہ بھی کسی جرمن سازش کا ہی نتیجہ ہے - کیونکہ آسٹریا میں ولیعہد کے

بہت سے دشمن تھے ۔ یہ شبہ ایسا خوفناک ہے ۔ کہ اِسے کسی نہایت ہی زبردست اور معقول شہادت کے بغیر تسلیم نہیں کیا جا سکتا ۔ لیکن اِس قسم کے حالات موجود ہیں ۔ جو اِس کی تائید کرتے ہیں ۔ آرچ ڈیوک کی کوئی حفاظت نہیں کی گئی ۔ سازشیوں میں چند آدمی آسٹریا کے باشندے بھی تھے ۔ گورنمنٹ سرویہ نے آسٹریا کو ایک سازشی کے متعلق پہلے ہی متنبہ بھی کیا تھا ۔ اور اصل قاتل پرنسپ Princip کو بھی سزائے موت نہیں بلکہ قید کی سزا دی گئی ہے ۔

غرضیکہ یہ طریقِ عمل ہے ۔ جس پر جرمنی گذشتہ بیس سال سے ریاست ہائے بلقان میں کاربند ہے ۔ ہم نے اِسے زیادہ وضاحت سے بیان کیا ہے ۔ جس کی وجہ یہ نہیں ہے ۔ کہ یہ اُن جرمن طریقوں کی قابلِ ذکر مثال ہے ۔ جو عالمگیر سلطنت حاصل کرنے کے لئے یوروپ کے نہایت ہی مخدوش حصہ میں امن و اِنتظام کے فوائد اور "نا قابلِ بیان ٹرک" کی طاقت کو نا جائز طور پر بطور آلہ کے اِستعمال کرنے کے متعلق ہیں ۔ اور نہ ہی اِس کی یہ وجہ ہے ۔ کہ یہ جرمنی کو ایسی طاقت ظاہر کرتی ہے ۔ جو مسلسل بے چینی کا باعث ہے ۔ جس کے ساتھ معقول تعلقات بالکل نا ممکن ہیں ۔ اور جو دولِ یوروپ میں سیدھے اور صاف طریقِ عمل سے بالکل مُنکر ہے ۔ بلکہ اِس پالیسی کو زیادہ وضاحت سے بیان کرنے کا یہ بھی باعث ہے ۔ کہ یہی واقعات ہیں ۔ جن

کے سبب سے حال کی جنگ ہو رہی ہے ❊

اگر جرمنی کے طریقِ عمل کا یہی مدعا ہوتا۔ کہ اُس نے ایشیائے کوچک اور بیسے پوٹیمیا میں تجارتی فروغ اور با امن تصرف حاصل کرنا ہے۔ تو اِس پر وہی لوگ اعتراض کر سکتے تھے۔ جو کہ لڑائی جھگڑے کے انتہائی شوقین ہوں۔ اور اُس کی مخالفت میں دوسری طاقتیں متحد نہ ہوتیں۔ کیونکہ اُن کے مقاصد بھی ایسے ہی ہیں۔ در اصل اِن پہلوؤں سے جرمنی نے اپنے مقصد کو پورے طور پر حاصل کر لیا۔ جیسا کہ ہم ظاہر کر چکے ہیں۔ جس بات نے اُس کی بلقانی پالیسی کو مخدوش بنا کر دوسری طاقتوں کو اِس کی مخالفت کے لئے متحد کر دیا۔ وہ اس کے پولیٹکل مقاصد تھے۔ جن کا وہ علانیہ اظہار کر چکا ہے ❊

جرمنی نے اپنی اغراض کے لئے مسئلہ بلقان کا تصفیہ نہ ہونے دیا۔ اُس نے ترکوں کی گئی گذری طاقت کو تازہ دم کرنے کی کوشش کی۔ ایک چھوٹی سی عیسائی طاقت کو تباہ اور دوسروں کو اپنا غلام بنانے کا انتظام کیا۔ اور اِس سے اُس کا یہ مدعا تھا۔ کہ وہ آنے والے محاربۂ عالمگیر کے لئے اپنے ذرائع کو تقویت دے۔ ترکی فوج کی از سرِ نو ترتیب اور اپنے ملک میں بری و بحری فوج کے غیر معمولی اخراجات بھی اُنہی تیاریوں کا ایک حصہ تھا۔ اُس نے ٹرکی کو مطیع ہونے کی حیثیت سے دنیا بھر کے

مسلمانوں کی سرپرستی کا جو دعوے کیا۔ وہ صریحاً انگلستان روس اور فرانس اِن تینوں اسلامی سلطنتوں کے خلاف تھا۔ اور اِن مقاصد میں کسی غلط فہمی کی گنجایش نہیں تھی۔ کیونکہ یہ خالص تجارتی اور نوآبادیوں کی توسیع کے مقاصد سے بالکل مخالف تھے۔ اور اُن کا کھلم کھلا اعلان کیا جاتا تھا۔ اور یہ عالمگیر سلطنت کی عظیم تیاریوں کا حِصّہ تھے۔ اور اِسی سبب سے یہ بالآخر مخدوش سلطنتوں کے باہمی اتحاد کا باعث بن گئے۔

انیسویں صدی کے تمام عرصہ میں روس کے تعلقات جرمنی کے ساتھ دوستانہ رہے۔ اور بسمارک نے اپنی زندگی کے آخری لمحہ تک اس دوستی کو قائم رکھنے کی کوشش کی۔ لیکن جب سے ولیم ثانی کی نئی پالیسی کا راز کھل گیا۔ روس جرمنی سے الگ ہو گیا۔ اور ۱۸۹۰ء میں روس اور جرمنی کے پُر اسرار عہد و پیمان کا خاتمہ ہو گیا۔ جس سال کہ بسمارک کے عروج کا خاتمہ ہو گیا۔ اور فرانس و روس کے مابین ۱۸۹۲ء میں جارحانہ و مدافعانہ معاہدہ قائم ہو گیا۔ اگرچہ اسے ظاہر بعد میں کیا گیا۔ برطانیہ کبھی جو کہ سیاسی پیچیدگیوں سے علیحدہ رہتا تھا۔ جنگ ٹرانسوال میں جرمنی کی روش سے اور جرمنی کے لگاتار بحری پروگرام سے جرمن پالیسی کے مقاصد اور نوعیت کو شکی نظروں سے دیکھنے لگا۔ اور اس نے یہ محسوس کیا۔ کہ جرمن حملے کے امکان کے سبب سے اسے دوسری سلطنتوں کے ساتھ امور متنازعہ کا تصفیہ کر

لینا چاہئے۔ ۱۹۰۴ء میں فرانس کے ساتھ تمام بحث طلب امور کا تصفیہ ہوگیا۔ جس کو باہمی سمجھوتہ کہتے ہیں۔ اور ۱۹۰۷ء میں روس سے بھی اسی قسم کا معاہدہ ہوگیا ؛

اِس طرح اِرتباط ثلاثہ قائم ہؤا۔ جس کے متعلق جرمنی میں بڑے شدّ و مد سے ظاہر کیا گیا ہے۔ کہ اِس سمجھوتہ کے ذریعہ جرمنی کو خارج کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ لیکن اُس نے کسی وقت بھی کسی مفہوم میں باضابطہ معاہدہ کی صورت اختیار نہیں کی۔ جب تک کہ ۱۹۱۴ء میں جنگ نہیں چھڑ گئی۔ زیادہ سے زیادہ اِس کا مدّعا یہ تھا۔ کہ بقول سر ایڈورڈ گرے کے ایک سیاسی جتھا بن جائے۔ جس کا کام جرمنی کی امن شکن اور متلون سرگرمیوں کی نگہداشت کرنا ہو۔ جہاں تک کہ برطانیہ کا تعلق ہے۔ اُس نے اِس سمجھوتہ کے ساتھ ساتھ جرمنی سے دوستانہ تعلقات پیدا کرنے اور باہمی اختلافات کے اسباب کو دُور کرنے کی کوشش کی۔ جیسا کہ دوسرے ملکوں کے ساتھ کیا تھا۔ برطانیہ نے جرمنی کو اِس بات کا یقین دلانے کی انتہائی کوشش کی۔ کہ اُس کے اِرادے مخالفانہ نہیں ہیں۔ جیسا کہ ۱۹۱۲ء میں باضابطہ مجلس وزرا کے پیغام میں ظاہر کیا گیا تھا۔ لیکن جرمن گورنمنٹ نے برطانیہ کی ان پیشقدمیوں کا ساتھ دینے کی بالکل کوشش نہیں کی۔ اُس نے برن ہارڈی کی طرح مناسب سمجھا۔ کہ برطانیہ کے ساتھ کسی طرح کا عہد و پیمان کرنا اچھا نہیں ہے۔ البتّہ برطانیہ کی صلح

کی کوشش کے جواب میں جرمنی کو زیادہ سے زیادہ جنگ
کو مناسب ترین موقعہ کے لئے ملتوی کر دینا چاہیئے ۔

مسئلہ مراکش میں برطانیہ کے اربابِ سیاست پر جرمن پالیسی کی اصلی نوعیت مسئلۂ بلقان سے بھی زیادہ وضاحت کے ساتھ کھل گئی ۔ اور انہیں با دلِ ناخواستہ ماننا پڑا ۔ کہ جرمنی غالباً اپنے مقررہ موقعہ پر جنگ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے ؏

مسئلۂ مراکش کا اصلی باعث صاف اور عیاں ہے۔ شمالی افریقہ میں فرانس نے نوآبادیوں کے متعلق سر گرمی سے جیسے خود بسمارک نے تسلیم اور پسند کیا تھا۔ اُس تمام علاقہ کو اپنے قبضہ میں کر لیا۔ جو کہ مراکو کی غیر منتظم سلطنت کے نواح میں واقع تھا ۔ اور جو بحیرۂ روم کے دروازہ کی کنجی ہے۔ چونکہ اِس علاقہ میں بد نظمی پھیلی ہوئی تھی ۔ جس سے نواحی علاقہ میں بد امنی کا خوف تھا ۔ اور یہ ٹینجر اور دوسرے بندرگاہوں میں یوروپین تاجروں کے لئے باعثِ خطر تھی ۔ اِس لئے فرانس نے جس پر کہ قدرتاً اس کی ذمہ واری آتی تھی دول یورپ کے سامنے تجویز پیش کی ۔ کہ وہ بغیر کسی علاقہ پر قبضہ کرنے یا دوسری طاقتوں کے تجارتی حقوق میں دخل دینے کے وہاں انتظام قائم کر دیگا ۔ جس کا تب ہی اِمکان ہے ۔ کہ سلطانِ مراکو کی مدد کے لئے فوج بھیجی جائے۔ جس نے ۱۹۰۱ء میں مدد کی درخواست کی تھی ۔ اِٹلی ۔ ہسپانیہ اور روس نے یہ تجویز

منظور کر لی ۔ اور سنہ ۱۹۰۴ء میں برطانیہ کے ساتھ جو معاہدہ ہوا تھا۔ اُس کی رُو سے فرانس کو مراکش میں اس شرط پر کھلے اختیار مل گئے۔ کہ اُس کے دروازے برطانیہ کی تجارت کے لئے کھلے رہیں گے ۔ جب اِس پالیسی کا اِعلان کیا گیا - تو جرمنی نے کوئی اعتراض نہیں کیا اور نہ ہی اِنتظام کی بر قراری کے لئے کوئی دوسری تجویز پیش کی ۔ لیکن جونہی اِس پر عملدر آمد ہوا قیصر اُس وقت یک بیک تماشہ گاہ پر نمودار ہوا ۔ اور دخل در معقولات کرنے لگا ۔ اُسنے مراکش بندرگاہ ٹنجیر Zangier میں پہنچ کر اِعلان کیا۔ کہ وہ مراکش کی ہستی کو بر قرار رکھے گا (حالانکہ کسی نے اُس کی حیثیت بگاڑنے کی کوشش نہیں کی) اور اِس وعدہ کو دوہرایا ۔ کہ وہ ساری دنیا کے مسلمانوں کی حفاظت کرے گا ۔ اِس کے بعد جرمن گورنمنٹ نے فرانس کو جنگ کی دھمکی دی۔ اور صلح کی شرط کے طور پر موسیو ڈیل کاس M. Delcasse کے مستعفی ہونے پر زور دیا ۔جو مراکش پالیسی کا ذمہ دار وزیر تھا ۔

اِس کے بعد سنہ ۱۹۰۶ء میں دول یورپ کی کانفرنس ایلجی سیراس Algeciras میں ہوئی ۔ جس نے ملک کے اِنتظام کے لئے خاص قاعدے مقرر کئے ۔ اور فرانس کے خاص حقوق کو تسلیم کیا ۔ لیکن وہاں کی وحشی قوموں نے دول یورپ کے قوانین کی چنداں پرواہ نہ کی ۔ بد نظمی بڑھتی گئی ۔ وہاں یوروپین لوگوں

کی زندگیاں محفوظ نہیں تھیں - اور فرانس کی جنگی مداخلت نے ہی انہیں تباہی سے بچایا - جب فرانس کی فوجی دخل دہی شروع ہوئی اور ترقی کر گئی - تو جرمنی کو یہ فکر دامنگیر ہوئی - کہ موقعہ ہاتھ سے نہ جاتا رہے کیونکہ ایلجی سیراس میں اُسے اُمید تھی - کہ وہ مراکش کو یا اس کے کسی حصہ کو جرمن اقتدار میں لانے میں کامیاب ہو گیا ہے - اِس لئے خالص جرمن چال سے جرمنی نے ۱۹۱۱ء میں بندرگاہ اگادیر agadir پر مسلح جہاز پینتھر Panther کو بھیجا - تا کہ وہ جرمنی کے حقوق کو فولادی پنجہ سے تسلیم کرائے - اگرچہ فرانس نے کوئی ایسا کام نہیں کیا تھا - جو ایلجی سیراس کی کانفرنس کے خلاف ہو ⁘

ایک مہینہ تک یورپ میں جنگ کا خطرہ دامنگیر رہا - برطانیہ نے چونکہ پورے طور پر مان لیا تھا کہ مراکو کی اِنتظامی پالیسی فرانس کے ہاتھ میں رہنی چاہیئے - اِس لئے اُس نے علانیہ کہہ دیا - کہ وہ فرانس کی مدد کرے گا - اِس پر جرمنی نے اپنی شرائط کو ہلکا کر دیا - اور فرانسیسی کانگو کا ایک حصہ اپنے دعاوی کے معاوضہ میں لے لیا - جو در اصل پہلے ہی کچھ نہ تھے - اور اِس طرح امن قائم ہو گیا - لیکن جرمن دخل اندازی نہایت زبردست اور غیر معقول تھی - جس سے دوسری سلطنتیں یہ نتیجہ نکالنے پر مجبور ہوئیں - کہ وہ فرانس پر حملہ کرنے

کا بہانہ ڈھونڈتا ہے ۔ اور اگر برطانیہ بیچ بچاؤ نہ کرتا ۔
تو وہ ضرور حملہ کر دیتا ۔ کہا جاتا ہے ۔ کہ جرمنی نے اِس
لئے حملہ نہیں کیا ۔ کہ امیر البحر وان ٹرپز von Tirpitz
نے قیصر ولیم کو یقین دلایا ۔ کہ جرمن بحری طاقت برطانیہ
سے جنگ کرنے کے قابل نہیں ہے ۔ اور نہ ہی ابھی
نہر کیل کی کھدائی اور توسیع کا کام مکمّل ہُوا ہے
یہ بھی کہا جاتا ہے ۔ کہ اِس واقعہ سے اِرتباط ثلاثہ کی
طاقت کو آزمانا مقصود تھا ۔ لیکن غرض چاہے کچھ
ہی ہو ۔ اِس واقعہ نے دولِ یورپ پر ظاہر کر دیا ۔ کہ
نہر کیل کامل ہو جانے پر جرمنی ضرور حملہ کر دیگا ۔
برطانیہ کی آیندہ پالیسی کو ظاہر کئے بغیر سر ایڈورڈ گرے
نے منظور کر لیا ۔ کہ فرانس اور اِنگلستان کے جنگی ماہر
آپس میں مشورہ کریں ۔ کہ اگر بدقسمتی سے جرمنی
نے انہیں جنگ کرنے پر مجبور کیا ۔ تو وہ ایک دوسرے
کی باہمی امداد کیونکر کر سکتے ہیں ۔ اِس طرح جن طاقتوں
نے جرمن حملے کا شکار ہونا تھا ۔ اُن کو ۱۹۱۴ء میں
جب موقعہ آیا ۔ تو جرمنی نے اچانک نہیں آ گھیرا ۔
جرمنی کی پالیسی کا رنگ گذشتہ پچیس سال سے ایک
ہی رہا ہے ۔ اُس کی بحری اور برّی تیاریوں میں عظیم
اضافہ ۔ بلقان میں اُس کی جارحانہ اور وسیع الاثر تجاویز
جنوبی افریقہ میں بد امنی پیدا کرنے کی کوششیں ۔ اُن تین
سلطنتوں کی اِسلامی آبادی کی سرپرستی کا دعوےٰ جن
سے وہ اب برسرِ پیکار ہے ۔ اس کی جارحانہ اور جابرانہ

سیاسی چالیں - اِس کا سلطنتوں کے مباحثوں میں ایماندارانہ روش سے گریز - اِس کا جنوب مشرق کے زخم خوردہ اور چھوٹی سلطنتوں کے درمیان نِفاق کا بیج بونے کا اِشتیاق - معاہدوں کو نظر انداز کر دینے کی آمادگی - جیسا کہ اُس نے ایلچی سیراس کی کانفرنس میں شامل ہونے کے بعد کیا - یہ تمام باتیں اُسی ایک نتیجہ کی رہنمائی کرتی ہیں - جو اِن سالوں کے سیاسی لٹریچر سے معلوم ہوتا ہے - گذشتہ پچیس سال سے اُس کی پالیسی یہ رہی ہے - کہ عالمگیر سلطنت قائم کرنے کے لئے طویل اور دانشمندانہ تیاریوں میں مصروف رہے - جس کا اظہار کہ ۱۹۱۴ء میں ایک خفیف بہانہ پر ہؤا ؎

چھٹا باب

جبر و اقتدار کے اصول کا نعم البدل

اگرچہ اُن میں بالکل نیا کوئی نہیں تھا۔ لیکن اُنیسویں صدی کے دوران میں بین الاقوامی تعلقات کے دو متضاد پہلو اتنا نمایاں نشو و نما پا گئے۔ جس کا کسی کو وہم و گمان بھی نہیں تھا۔ اور دونو برابر کے کامیاب بھی ایسے ہُو لئے۔ کہ کبھی پہلے نہ ہوئے تھے۔ ایک تو پروشیا کا اصول ہے۔ جیسے ہم اُس کے عملدر آمد سمیت دیکھتے ہیں۔ یعنی ظالمانہ جبر کا وہ اصول جو اقوام کی باہمی ردّ و قدح اور تہذیب کے متناسب فیہ اندازے کو بالآخر قطعی مٹا دیتا ہے۔ اور وہ اصول جو یہ قرار دیتا ہے۔ کہ جنگ میں ظلم و تعدّی اچھی اور پسندیدہ چیز ہے۔ اور وہ عہد و پیمان نا جائز ہے اور نا جائز ہونا چاہئے جو کسی قوم کے اس حق میں مانع ہو۔ کہ وہ اپنی سلطنت کو جابرانہ سختی سے بڑھا سکے۔ یہ اُصول

جس پر کہ پرشیا کا عملدرآمد رہا ہے۔ اِتنا وسیع پیمانہ پر کامیاب ہؤا ہے۔ کہ اُس نے جرمن قوم کے دِل پر قابو پا لیا ہے۔ اور اسے محض جابرانہ طاقت کا متیقن کر کے اِس بات کے لئے آمادہ کیا ہے۔ کہ دُنیا میں برتری حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ یہ اُصول نیا نہیں ہے۔ کیونکہ اٹیلا کے زمانہ کے بعد بہت سے فاتح اِس پر عمل کرتے رہے ہیں۔ یہ وحشی درندوں کا اصول ہے۔ لیکن وہ اِس سے پہلے کبھی وحی کے طور پر تسلیم نہیں کیا گیا۔ اور نہ کبھی اُس پر اِس طرح کھلم کھلا عمل ہوا ہے:۔

لیکن اس کے خلاف اِس کامیابی سے متحرک نہ ہو کر اُنیسویں صدی میں اس کا رقیب اصول بھی دن بدن ترقی کرتا رہا ہے۔ گو وہ بہت قدیم اصول نہیں ہے۔ لیکن اِتنا پُرانا ضرور ہے۔ جتنی کہ تہذیب پُرانی ہے۔ اِس اصول نے بھی پہلے کبھی اِتنی مقبولیت حاصل نہیں کی۔ اور نہ ہی کبھی اِس درجہ وسعت کے ساتھ کامیاب ہؤا ہے۔ یہ اصول جنگ کو بُرا سمجھتا ہے۔ جس میں اگرچہ کئی خوبیاں بھی موجود ہیں۔ لیکن وہ بہت سی قیمتی اور عمدہ چیزوں کو تباہ بھی کر دیتی ہے۔ اور یہ اصول ہدایت کرتا ہے۔ کہ جہاں تک ممکن ہو جنگ سے محترز رہنا چاہئے۔ اور اُسے بالکل دُور کرنے کی اُمید تو خیالِ خام ہے۔ لیکن آزاد خیال اِنسانوں کی ایسی جماعتیں

ضرور ہونی چاہئیں - جو اسے کمیاب چیز بنا سکیں - اور اِس امر واقعہ کے باوجود بھی کہ جس طرح افراد کی عدالتیں کسی امر کا جبراً پابند کرا سکتی ہیں - اسی طرح قوموں کو حکماً کسی بات کا پابند کرنا مشکل ہے - عہد ناموں اور دوسرے معاہدوں کی تعمیل قوموں کے لئے بھی ویسی ہی لازمی ہے - جیسی کہ مختلف افراد کے لئے ضروری ہے - اور کسی قوم کی روشن ضمیری کا اندازہ اِسی بات سے ہو سکتا ہے - کہ وہ اپنی زبان کا کِتنا پاس رکھتی ہے - اِس اصول نے جسے اُس کے مخالف جذباتی یا مکارانہ اصول کہتے ہیں - اِتنی ترقی کی ہے - جسے اکثر لوگ سمجھنے سے قاصر ہیں - کیونکہ جرمنی کے سوا ساری مہذب دُنیا پر اسی اصول کے مطابق عملدر آمد ہوتا ہے - اور اِس اصول کو اب تک بہت نمایاں کامیابی حاصل ہو چکی ہے - اور کامیابی اور بھی زیادہ ہوتی - اگر جرمنی ہمیشہ اِس سے اِجتناب اور اِس کی مخالفت نہ کرتی ؟

ہم یہاں بین الاقوامی قانون کے اصولوں کے نشو و نما پر کچھ نہیں کہنا چاہتے - جس کے لئے کہ زمانہ حال کے یورپ نے اکثر شریف ترین دلوں کو نذر کر دیا ہے - جن میں بہت سے جرمن بھی شامل ہیں - اور ابھی ہم اُن عمدہ خیالات کے متعلق مفصل لکھنے سے اِجتناب کریں گے - جو دُنیا کے ہر ایک ملک اور ہر زمانہ کی فلسفہ اور لٹریچر میں امن کی تائید میں پائے

جانتے ہیں ۔ اور جن سے معلوم ہوتا ہے ۔ کہ باقی تمام بنی نوعِ انسان ہر زمانہ میں پرشیں طریقِ عمل کو انسانیت کے لئے توہین کا موجب سمجھتا رہا ہے۔ ہم اُن صحیح اور عملی کار روائیوں کا موٹا موٹا شجرہ پیش کرنے پر اکتفاء کریں گے ۔ جو مہذب قوموں میں بین الاقوامی تنازعوں کو رفع کرنے کے لئے چھیتے اور شکرے کی نسبت زیادہ معقول اصول کو دنیا میں مروّج کرنے کے متعلق کی گئی ہیں ۔ یہ کار روائیاں پانچ عنوانوں سے بیان کی جا سکتی ہیں (۱) معقول سمجھوتہ کی وساطت سے امن قائم رکھنے کی خاطر دولِ یورپ کے جتھے کی کوشش کا خیال (۲) یورپ کی مشترکہ حفاظت میں چھوٹی ریاستوں کے جتھے کی قائمی (۳) بین الاقوامی مصالحت کی ترقی (۴) بڑی بڑی سلطنتوں میں مسلح افواج کی تعداد کے متعلق پابندی کی کوشش ۔ اور (۵) جب جنگ سے اجتناب ناممکن ہو ۔ تو اُس کے بُرے نتائج کی تخفیف کے لئے قواعد کی تیاری ۔ مذکورہ بالا ہر ایک پہلو سے ترقی کی گئی ہے ۔ اور بھی بہت زیادہ ترقی کی جاتی ۔ اگر جرمنی اپنی طاقت کے اصول سے اس میں رخنہ اندازی نہ کرتا ۔

(۱) یورپ کا جتھا

پندرھویں صدی کے بعد جب سے جدید یورپین

تاریخ کی بڑی خصوصیت بین الاقوامی رقابت ہو گئی ہے۔ یورپ کی بڑی بڑی سلطنتوں کے قائم مقاموں کی کانگریسیں بہت مرتبہ منعقد ہوتی رہی ہیں۔ اور پھر وقتاً فوقتاً مثلاً ۱۶۴۸ء اور ۱۷۱۳ء میں یہ کانگریسیں امید کرتی رہی ہیں۔ کہ وہ یوروپین معاملات کا مستقل فیصلہ کرنے کے قابل ہو گئی ہیں۔ اور اس قابل ہیں۔ کہ انہیں یورپ کے عام قانون کا ایک جزو سمجھا جائے۔ لیکن اُنیسویں صدی سے یہ کانگریسیں صرف کسی بڑی جنگ کے نتائج کا تصفیہ کرنے کے لئے منعقد ہوتی ہیں۔ اُنیسویں صدی کے ابتدا تک یہ صورت تھی۔ کہ یوروپین جتھے کے نیم مُستقِل اِنسٹی ٹیوشن کا خیال صرف جنگ کے نتائج کا فیصلہ کرنے کے لئے نہیں سمجھا جاتا تھا۔ بلکہ یہ ایسا قابلِ عمل خیال بن گیا تھا۔ جس سے جنگ کو روکا جا سکتا ہے +

جب ۱۸۱۴ء میں نپولین کو شکست مل گئی۔ تو ساری دنیا بائیس سال تک جنگ میں مصروف رہنے کے بعد اِس سے اتنی بیزار ہو گئی تھی۔ اور جنگ کے اکثر فیصلوں کے عدم اِستقلال اور تزلزل کی اِتنی تیقن ہو گئی تھی۔ کہ اِس بات کی عالمگیر خواہش کی جاتی تھی۔ کہ بڑی بڑی سلطنتیں آئندہ بلا ضرورت جنگ چھوٹنے کے خلاف کوئی تدابیر اختیار کریں گی۔ اِس لئے وائنا کی کانگریس کے بعد جس نے کہ یورپ کا نقشہ از سرِ نو کھینچ دیا تھا۔ بڑی بڑی سلطنتوں نے ایک قسم

کی مستقل مجلس قائم کی - تاکہ وہ اِس نظام کو قائم رکھے - اور یہ قرار پایا - کہ اُن سلطنتوں کے قائمقام وقتاً فوقتاً اکٹھے ہو کر باہمی تنازعات پر آپس میں معقولیت سے بحث مباحثہ کیا کریں - تاکہ جنگ نہ پھوٹے ۔

لیکن اِس اِنتظام میں یہ خامی رہ گئی - کہ اس میں اِنگلستان - فرانس - آسٹریا - روس اور پرشیا یہی پانچ بڑی بڑی سلطنتیں شامل کی گئیں - بلکہ پہلے پہل ۱۸۱۴-۱۸ء میں صرف چار ہی لی گئی تھیں - جنہوں نے کہ نپولین کو گرانے کے لئے اِتحاد کیا تھا - اور باقی تمام چھوٹی سلطنتیں کانگریسوں سے خارج رکھی گئیں - تاہم یورپ کے اِس جتھے کا قیام نہایت ہی حقیقی ترقی تھی - یا ہو سکتی تھی - جس کا کہ یورپ کو پہلے پہل علم ہوا ہو - اور اِس سے محض قیاسی آدمیوں کی نہیں بلکہ سنجیدہ خیال اور عملی انسانوں کی بہت کچھ امیدیں وابستہ تھیں ۔

یورپ کا ایک بڑا بادشاہ یعنی زار الگزنڈر اِس نئے زمانہ سے ایسا گہرا متاثر ہوا - کہ اس نے تمام ہمعصر بادشاہوں سے ایک عجیب دستاویز پر دستخط کرنے کے لئے کہا - جس کے رُو سے انہوں نے اقرار کیا - کہ وہ اپنی سلطنت کی حکومت اور نیز دوسری سلطنتوں کے تعلقات میں آئندہ عیسائی مذہب

کے مقدس اصولوں پر عملدرآمد کریں گے - یہ نام نہاد "مقدس عہد نامہ" تھا - اور اگرچہ بعد میں وہ بہت بد نام ہو گیا لیکن جن امیدوں پر اس کا خیال محرک کے دل میں پیدا ہوا تھا - ان کی سنجیدگی سے انکار نہیں کیا جا سکتا - ۱۸۱۸ء کی پہلی کانگریس میں پانچ سلطنتوں نے باقاعدہ امید ظاہر کی - کہ وہ اب "مستقل امن کی حالت" میں آ رہی ہیں - اور کہا - کہ "اپنے ذاتی معاملات میں یا دوسری سلطنتوں کے متعلق اقوام کے قوانین کے اصولوں کی تعمیل سے کبھی منحرف نہ ہوں گے" جن سے ان کی مراد ان بین الاقوامی قوانین کے اصولوں سے تھی - جنہیں گراٹیس Grotius کے بعد کے سلسلہ فضلا نے نشو و نما دی تھی - اور یہ اعلان کرتے ہوئے انہوں نے علانیہ اس اعتماد کا اظہار کیا - کہ مستقل امن کے برقرار رکھنے کے لئے ارتباطِ یورپ ایک ممکن اور عملی تجویز ہے *

بدقسمتی سے ان اعلےٰ مقاصد کے پورا کرنے کا وقت ابھی نہیں آیا تھا - اور اس منزل پر یورپ کا اتحاد نہ صرف ناکامیاب رہا - بلکہ یورپ کی آزادی کے لئے خطرہ ثابت ہوا - اس نے مشکلات حل کرنے کے لئے جب، کہ وہ رو نما ہوتی تھیں - یکے بعد دیگرے کانگریس کے کچھ اجلاس کئے - اور غالباً کئی سال تک کوئی جنگ نہیں ہونے دی - لیکن اس کے ممبر مطلق العنان بادشاہ یا ان کے وزیر ہی تھے - جو آزاد قوموں کے قائم مقام نہ تھے - ان پر انقلاب کا خوف اتنا طاری تھا۔

اور وہ اپنی رعایا سے اِتنے دہشت زدہ تھے - کہ اُنھوں نے مجلس یورپ کو زیادہ تر اُن تمام تحریکوں کے بِٹھا دینے کے لئے اِستعمال کیا - جو قوم پرستی اور آزاد پسندی کے اِنقلاب انگیز خیالات پر مبنی تھیں اور وہ خطر ناک سرعت کے ساتھ افرادی سلطنتوں کے اندرونی معاملات میں دخل اندازی کرنے لگے - اور بجائے اِس کے کہ وہ بین الاقوامی تنازعوں کو طے کرنے تک اپنے آپ کو محدود رکھتے اُنھوں نے گورنمنٹ کی صورت ہی بدلنی شروع کر دی - اِس وجہ سے اِنگلستان اور فرانس جو اس جتھے میں ایسی دو طاقتیں تھیں - جن کی طرزِ حکومت اور گورنمنٹ قومی اِنتخاب پر مبنی تھی - مجلس یورپ کی طرف سے اُن کی روش سرد پڑتی گئی - اور کچھ سال بعد برطانیہ نے اپنے آپ کو اس سے بالکل الگ کر لیا - اور اِس صریح وجہ پر اسے مُسترد کیا - کہ یہ جابرانہ مقاصد اور انفرادی سلطنتوں کے اندرونی معاملات میں دخل اندازی کے لئے اِستعمال کی جاتی ہے ۔

در اصل مجلس یورپ اُنیسویں صدی میں قبل از وقت تھی - جس کا ایک باعث یہ تھا - کہ یہ لوگوں کی خواہشوں کو ظاہر کرنے کی بجائے صرف بادشاہوں کی خواہشوں کو ظاہر کرتی تھی - اور دوسرا باعث یہ تھا - کہ یورپ کا سیاسی اِنتظام اس وقت تک سلطنتوں کی قدرتی تقسیم کے مطابق نہیں ہوا تھا - اور اِٹلی یا جرمنی نے

آزاد اور متحد ہونے کے جو دعوے کئے - وہ ایسی حیثیت رکھتے تھے - جن کا تصفیہ اس مجلس سے ناممکن تھا۔ مجلسِ یورپ اسی وقت موثر ہو سکتی ہے - جب سلطنتوں کے مابین خطوط تقسیم اور ان کے نظام ترتیبی اس قسم کے ہوں - کہ اس میں زیادہ تر لوگوں کے خیالات اور جذبات حقیقی طور پر ظاہر ہوں ؛

بہ ایں ہمہ اس مجلس نے جن مقاصد کو پایہ تکمیل تک پہنچایا وہ ایسے صریح اور سود مند تھے - کہ پہلی ناکامی کے باوجود بھی اس کا دوبارہ زندہ ہونا لازمی امر تھا - دول عظمے کے نمائندے اور کئی موقعوں پر مثلاً جنگ کریمیا کے بعد چھوٹی سلطنتوں کے نمائندے بھی وقتاً فوقتاً اجلاس کرتے رہے - اور کئی دفعہ ایسے سوالات کو طے کرنے میں کامیاب ہوئے - جن پر جنگ چھڑنے کا امکان تھا - مثلاً ۱۸۳۹ء میں ان وقت طلب سوالات کو جو ۱۸۳۰ء کے انقلاب بلجیم کے متعلق تھے - امن و امان سے حل کر دیا گیا - اور بلجیم کی حد بندی اتفاق رائے سے ہو گئی - اور تمام بڑی سلطنتوں کے دستخطوں سے بلجیم کی غیر جانبداری کا یقین دلایا گیا - پچھتر سال تک اس فیصلہ کا احترام قائم رہا - اور آخر اسے جرمنی نے توڑ دیا - اسی طرح ۱۸۵۲ء میں شلیس وگ Schleswig اور ہالس ٹین Holstein کا پیچیدہ سوال حل کیا گیا - اور اگرچہ یہ فیصلہ بہت تھوڑا عرصہ بحال رہا - لیکن اسے توڑنے والا بھی پرشیا ہی تھا ؛

۱۸۷۱ء کے بعد جب مغربی یورپ کی سلطنتوں کی قدرتی تقسیم ہوگئی۔ تو مجلس یورپ کے خیال میں پہلے سے زیادہ زندگی آگئی۔ ۱۸۷۸ء میں مسئلہ بلقان کو اِس مجلس نے کم از کم عارضی طور پر طے کر دیا ۱۸۸۴ء میں پھر اِس سے زیادہ اہم معاملہ جو نوآبادیوں والی سلطنتوں کے درمیان افریقہ کی تقسیم کے متعلق تھا۔ حل ہُوا۔ گذشتہ نسل کے دوران میں مجلسِ یورپ کئی مرتبہ امن قائم رکھنے میں کامیاب رہی ہے۔ یہ بات قابلِ غور ہے۔ کہ انگلستان اِس کا نہایت سرگرم حامی رہا ہے۔ اور جرمنی اِس کی مشکلات کا موجب رہا ہے۔ اگر سر ایڈورڈ گرے نے اِس عرصہ میں یورپ کا امن قائم رکھنے والے کا خطاب حاصل کیا ہے۔ تو اِس کا باعث اِسی مجلس یورپ کا استعمال تھا۔ اِسی کی بدولت ۱۹۰۵ء میں مسئلہ مراکش کے متعلق یورپ کی عالمگیر جنگ ہوتے ہوتے رہ گئی۔ ۱۹۰۸ء میں مسئلہ بوسینا ۱۹۱۱ء میں از سرِ نو مسئلہ مراکش اور ۱۹۱۲ء میں مسئلہ بلقان کے متعلق جنگ کو اِسی نے روکا۔ اور اگر جرمنی اسے اجازت دیتا۔ تو وہ موسم گرما ۱۹۱۴ء میں بھی امن قائم رکھ سکتی۔ اُس نے عدیم النظیر مشکلات کے باوجود بھی امن قائم کر دیا تھا۔ لیکن عین اُس وقت جرمنی نے روس سے اعلانِ جنگ کر دیا ؞

گذشتہ مخدوش سالوں میں در اصل جرمنی امن شکن سلطنت رہی ہے۔ نہ صرف اُس کے طرزِ عمل نے اُن

مشکلات کو پیدا کیا۔ جن کا اُسے سامنا کرنا پڑا ہے۔ بلکہ اُس کا طریقِ بحث بھی ایسا تھا۔ کہ منصفانہ بحث اور مصالحت نا ممکن ہو جاتی تھی۔ مجلسِ یورپ بھی اُسی وقت اچھی طرح کام کر سکتی ہے۔ اگر اُس میں حصہ لینے والے اربابِ سیاست ایماندارانہ طور پر امن کے خواہاں ہوں۔ ایک دوسرے کے نقطۂ خیال کو سمجھنے کے دِل سے خواہشمند ہوں۔ اور مصالحت کے لئے تیار ہوں۔ لیکن جرمنی نے اِس عرصہ میں کبھی بھی صاف بیانی سے یہ کام نہیں کیا وہ سلطنتوں کی مشورہ کی میز پر ہمیشہ "چمکدار زرہ بکتر" میں آتا تھا۔ اور "فولادی پنجے" سے میز پر ٹھوکر مارتا تھا۔ اور بہ آوازِ بلند کہتا تھا۔ کہ "مجھے آفتاب کے نیچے اپنی جگہ حاصل کرنی ہے"۔ اور "میری مرضی کی عزت" ہونی چاہیئے۔ اِن حالات میں مدبّرانہ فیصلوں کا نازک کام غیر معمولی طور پر نازک ہو جاتا ہے۔

مجلسِ یورپ نے مفید کام کیا ہے۔ لیکن امن کو قائم رکھنے کا فرض یہ تب ہی اچھی طرح ادا کر سکتی ہے۔ جبکہ اُس کے ممبر ایک دوسرے کے دعووں کی عزت کرتے ہوں۔ سمجھتے ہوں۔ کہ اُس کا مُدّعا معقول مباحثہ سے جنگ کو مٹانا ہے۔ اور وہ طاقت اِستعمال کرنے کی دھمکی سے محترز رہتے ہوں۔ اور جب تک وحشیانہ طاقت کے حامیوں کو مجبور نہ کیا جائے۔ کہ وہ اپنے نقطۂ نگاہ پر نظرِ ثانی کریں۔ اور اِس بنیادی

اصُول کو قبول کریں - کہ جنگ اچھی چیز نہیں بلکہ بُری چیز ہے - اور دانشمندانہ تدبّر کا مقصد یہ نہیں - کہ جنگ برپا کرنے کے موافق موقعے ڈھونڈے جائیں - بلکہ یہ کہ جنگ نہ ہو - تب تک مجلسِ یورپ امن کو قائم نہیں رکھ سکے گی - اس وقت مجلسِ یورپ مُردہ ہے - اور اسے اپنے ابدی دشمن جرمنی نے ہلاک کر دیا ہے مگر وہ پھر زندہ ہو گی اور موثر طریقہ سے ترقی کرے گی - لیکن اُس وقت ہی جبکہ جرمنی مسئلہ قوت کو چھوڑ دیگا - اور دولِ یورپ کی یکجہتی ایک دوسرے کے حقوق کی باہمی عزّت پر قائم ہو جائے گی ؛

(۲) چھوٹی سلطنتوں کی محافظت

بظاہر اُنیسویں صدی میں برِّ اعظم یورپ کی چھوٹی چھوٹی سلطنتوں کی تعداد میں نمایاں کمی واقع ہو گئی ہے ۱۸۱۵ء کی ۳۹ جرمن ریاستوں کی بجائے ایک جرمن سلطنت بن گئی ہے - اور ۱۸۱۵ء کی آٹھ اطالوی ریاستیں ایک متحدہ اطالوی سلطنت میں منتقل ہو گئی ہیں - لیکن اس کا یہ مطلب نہیں - جیسا کہ ٹریشکے اور اُس کے شاگردوں نے ہمیشہ سے یہ فرض کر لیا ہے - کہ واقعات کا رُخ چھوٹی ریاستوں کی ہستی کے خلاف رہا ہے - مذکورہ بالا دونو حالتوں میں ریاستوں کی باہمی تفریق جابرانہ تھی - جسے وہاں کے باشندے پسند نہیں کرتے تھے -

اور دونو حالتوں میں اُن کے باہمی اتحاد کو ان ریاستوں کے باشندوں نے خوشی سے خیر مقدم کہا ہے۔ کیونکہ قومیت کا عنصر چھوٹی ریاستوں کی بجائے متحدہ سلطنت میں زیادہ تھا۔

اُنیسویں صدی کے دَوران میں اِس قسم کا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا۔ جس میں کسی چھوٹی ریاست کو کسی ایسی بڑی ریاست نے دبا لیا ہو۔ جس کی قومیت اس سے مختلف ہو۔ خلاف ازیں کئی نظائر ایسی موجود ہیں۔ جن میں نئی چھوٹی ریاستیں قومی اصول پر خود مختار ہو گئی ہیں۔ یونان نے ٹرکی کا جُوا اُتار پھینکا۔ بلجیم ہالینڈ سے الگ ہو گیا۔ سرویہ۔ بلگیریا اور رومانیہ نے خود مختاری حاصل کر لی۔ ناروے سویڈن سے علیحدہ ہو گیا۔ اور اِن تمام صورتوں میں جب ایک دفعہ خود مختاری حاصل کر لی گئی۔ تو اُس میں کبھی فرق نہیں آیا۔ اور اگر اِن چھوٹی ریاستوں کی سرحدیں بدلتی رہی ہیں۔ تو اِس کا نتیجہ یہ ہُوا ہے۔ کہ اُن کی وسعت اپنی قومیت کی حدُود کے مطابق ہو گئی ہے۔

اور صرف نئی ریاستیں ہی نہیں جو اُنیسویں صدی میں پیدا ہوئیں۔ بلکہ اِسی صدی کے دوران میں پُرانی چھوٹی چھوٹی ریاستیں بھی اپنی خود مختاری قائم رکھنے میں کامیاب رہیں۔ سوئٹزرلینڈ۔ ہالینڈ۔ پُرتگال اور ڈنمارک کی قومی حدُود میں فرق نہیں آیا۔ یہ صحیح ہے۔ کہ ۱۸۶۴ء میں ڈنمارک پر پرشیا نے حملہ

کیا۔ جس سے سلیس وگ Schleswig اور ہالسٹن
Holstein کے صوبے الگ ہو گئے۔ جو مُدّت
سے سلطنتِ ڈنمارک سے ملحق تھے۔ لیکن ان صوبوں
میں سے کوئی کبھی خاص ڈنمارک میں شامل نہیں
کیا گیا تھا۔ اور ہالسٹن اصطلاحی طور پر جرمنی کا ہی
حصّہ رہا ہے۔ ۱۸۶۴ء میں اگرچہ پرشیا نے ڈنمارک
کے ساتھ بہت سختی کی۔ تاہم اُس کی قومی خود مختاری
کو نہیں چھیڑا گیا۔ اور سلطنت کی اصلی حدود میں قطع
بُرید نہیں کی گئی۔

اِس لئے یہ کہنا درست ہے۔ کہ وہ چھوٹی چھوٹی
ریاستیں جن کی حدود اُن کی حقیقی قومی تفریق کے
مطابق تھیں۔ وہ اُنیسویں صدی میں بالعموم محفوظ رہی
ہیں۔ اُنہیں یہ محسوس کرنے کی وجہ ضرور موجود ہے
کہ اُن کی خود مختاری کا مدار صرف بڑی بڑی طاقتوں کی
باہمی رقابت پر ہی نہیں۔ اگرچہ محافظت کی یہ بھی
بھاری وجہ تھی۔ لیکن اُس کی ایک وجہ یورپ کا ضمیر بھی
ہے۔ اُنیسویں صدی کے دوران میں ۱۸۶۴ء میں پرشیا
نے ڈنمارک پر اور ۱۹۱۴ء میں بلجیم پر حملہ کیا۔ اور آسٹریا
سرویہ پر متواتر حملے کرتا رہا ہے۔ اِن کے سوا اور کوئی
ایسی نظیر نہیں ملتی۔ جس میں کسی بڑی ریاست نے
چھوٹی ریاست پر حملہ کیا ہو۔ اور جرمنی نے بلجیم کو
۱۹۱۴ء میں ملحق کیا ہے یا آسٹریا نے سرویہ پر دستبرد
کی ہے۔ اِس کے سوا کسی بڑی سلطنت نے دوسری

چھوٹی ریاست کو اپنے علاقہ میں ملحق نہیں کیا ؛

اگر یہ درست بھی ہو - کہ چھوٹی ریاستوں کی محافظت کا بڑا باعث اُن کے بڑے ہمسایوں کی باہمی رقابت تھی - تو بھی یہ جذبہ پیدا ہو گیا ہے - کہ چھوٹی ریاستیں یورپ میں ایک قیمتی عنصر ہیں - اور بہ حیثیت مجموعی وہ یورپ سے محافظت کا حق رکھتی ہیں - اس لئے اُن کی خود مختاری پر دست درازی کرنے سے تمام ملکوں کی پبلک ضمیر کو صدمہ پہنچتا ہے - صرف تین مثالیں ہیں - جن میں چھوٹی ریاستوں کی خود مختاری اور غیر جانبداری کو تمام ریاستوں نے تسلیم کیا ہو - ۱۸۱۵ء میں سوئٹزر لینڈ کی ۱۸۳۹ء میں بلجیم اور ۱۸۶۷ء میں لکسمبرگ کی غیر جانبداری تسلیم کی گئی تھی - لیکن تقریباً ان کے ساتھ ہی دوسری چھوٹی چھوٹی ریاستیں بھی یورپ کی سرپرستی میں رہی ہیں اس کے متعلق یورپ نے اخلاقاً عہد کیا ہے - اور ایسی مثالیں موجود ہیں - جو ثابت کرتی ہیں - کہ وحشیانہ طاقت کا مسئلہ دنیا کی مہذب قوموں نے تسلیم نہیں کیا ؛

اور چونکہ اِن چھوٹی ریاستوں میں بین الاقوامی عزت اور نصفت شعاری موجود رہی ہے - اِس لئے قدرتی طور پر وہیں بین الاقوامی قانون کے علم کی نشو و نما اور ترقی بھی ہوتی رہی ہے - سوئٹزر لینڈ میں بین الاقوامی صلیب احمر کی تجویز اور بین الاقوامی حق تصنیف کے قانون نے جنم لیا - اور ہالینڈ جو بین الاقوامی قانون کی جائے پیدائش ہے - بین الاقوامی ثالث بالخیر کے طریقہ کا مرکز بن گیا ہے

اس کے علاوہ یورپ نے اس بات کو محسوس کیا ہے - کہ یہ چھوٹی ریاستیں محض اس لئے ہی قدر و عزت کے قابل نہیں - کہ اُن کی ہستی قومی جذبہ کی مظہر ہے - بلکہ اس لئے بھی وہ قدر کے قابل ہیں - کہ وہ طرزِ حکومت اور اُن اقتصادی مشکلات کو حل کرنے کے متعلق سبق آموز تجربات کا میدان بن رہی ہیں - جو صنعتی اِنقلاب کا نتیجہ ہیں - اور ایک حد تک اُنھوں نے یورپ کے پولیٹیکل رسدگاہ کا کام دیا ہے - اور یورپ کے علوم و فنون میں انھوں نے ممتاز اضافہ کیا ہے - قصّہ کوتاہ اُن کی ہستی قومی طرز و طبعیت میں اضافہ کا موجب ہوئی ہے - جو یورپ کی تہذیب کی ترقی و زندگی کا سرچشمہ ہے - بحیثیت مجموعی یورپ نے اِن چھوٹی سی ریاستوں کی قدر و قیمت سمجھ لی ہے - اور ایک سو سال تک بڑے بڑے مسلح پڑوسیوں کے درمیان انھوں نے جو محافظت حاصل کی ہے - اُس سے ظاہر ہے - کہ یورپین شہریت کا احساس بڑھ گیا ہے - اور اس نے بین الاقوامی تعلقات کے بہتر انتظام کی طرف ایک قدم بڑھا لیا ہے ÷

ہم پھر کہتے ہیں - کہ کسی بڑی یوروپین سلطنت نے پچھلے سو سال میں اپنی برادری کے چھوٹے ممبر کو فتح کرنے کی کوشش نہیں کی - اگر کی ہے تو آسٹریا نے سرویہ پر دست برد کی ہے - اور جرمنی نے خواہ مخواہ بلجیم پر حملہ کیا ہے - اگر یوروپین سیاسی اصولوں

ہیں چھوٹی ریاستوں کی حفاظت کا اصول قائم رہتا ہے تو اِن حملوں کی مخالفت ہوتی اور اُن کی سزا دی جاتی چاہیئے ۔ ورنہ طاقت کا اصول جس پر جرمنی عمل کر رہا ہے اور جس سے یہ مُراد ہے ۔کہ بڑی سلطنتوں کو نہ صرف چھوٹی ریاستوں کے زیر کرنے کا حق ہے ۔ بلکہ اُنہیں ضرور ایسا کرنا چاہیئے ۔ یہ اصول مقبول ہو جائیگا ۔ اور یہ خیال مٹ جائیگا ۔کہ یورپ کی ریاستیں ایک خاندان ہے ۔جس کے چھوٹے ممبروں کا حق ہے ۔کہ بڑے ممبر اُن کی حفاظت کریں ۔ مذکورہ بالا خیال کا قیام جو اب مخدوش ہو رہا ہے ۔ در اصل اُنّیسویں صدی کی سب سے دلچسپ کمائی ہے ۔

(۳) بین الاقوامی ثالثی کی ترقی

اُنّیسویں صدی کے شروع ہونے تک زمانہ قدیم میں کسی دو قوموں نے اِس بات کا خیال نہیں کیا تھا ۔کہ وہ اپنے تنازعات کو فیصلہ کے لئے غیر جانبدار ثالث کے حوالہ کر دیں ۔ اس صدی کے اندر اقوام کے مابین ثالثی عام طور پر مروج ہو گئی ہے ۔ اِس خیال نے رفتہ رفتہ نشو و نما پائی ہے ۔ اور بہت تھوڑے آدمی ہیں ۔جنہوں نے اس کی بھاری اور مُسلسل ترقی کو محسوس کیا ہو ۔ اب تک

بھی بہت سے لوگ بین الاقوامی عدالت کو خیالِ خام تصور کرتے ہیں - تاہم وہ جرمنی کے علاوہ اکثر مہذب سلطنتوں کے معمولی عملدر آمد کا ایسا جزو بن گئی ہے - کہ جلدی ہی اُس کے دائرہ کی وُسعت کی اُمید لگائی جا سکتی ہے - اور یہ یقینی بات ہے - کہ وہ اِس سے بھی زیادہ وسیع پیمانہ پر کامیاب ہوتی - اگر یورپ کے عین وسط میں جرمنی جیسی سلطنت موجود نہ ہوتی - جو جنگ کو اچھی چیز سمجھتی اور اپنی طاقت کو وسعت دینے کے لئے وحشیانہ طاقت کے اِستعمال یا دھمکی کو اپنا تدبّر خیال کرتی ہے *

ثالثی کے نشو و نما میں پہلا مرحلہ اُس وقت طے ہوتا ہے - جب دو سلطنتیں کسی تیسری سلطنت یا اپنی رعایا کے مشترک کمیشن کے پاس کسی خاص معاملہ کو فیصلہ کے لئے پیش کرتی ہیں - زمانہ حال میں اِس قسم کا پہلا معاہدہ ۱۷۹۴ء میں ہُوا تھا - جبکہ اِنگلستان اور امریکہ نے کنیڈا کی حد بندی کا معاملہ ایک مشترک کمیشن کے سپُرد کیا - یہ دونو سلطنتیں اُس وقت سے ثالثی کے اِستعمال اور نشو و نما میں پیش پیش رہی ہیں - سب سے زیادہ مقدّماتِ ثالثی جن میں کہ فریقین کی خود داری زخمی ہونے کا صریحاً خطرہ تھا - وہ مقدّمات اِنگلستان اور امریکہ کے مابین تھے - جن میں ایک تو مشہور و معروف الاباما Alabama کا مقدمہ ہے - اور دوسرا وینزولا

Venezuela کا مسئلہ - کہا جا سکتا ہے - کہ ان دونو سلطنتوں کے باہمی تعلقات ایسے ہیں - کہ بہ دوسری سلطنتوں کی بہ نسبت آسانی کے ساتھ ایسے معاملات کا تصفیہ کر سکتی ہیں - اور اس میں شبہ نہیں - کہ یہ صحیح بھی ہے - لیکن ان دونو سلطنتوں نے اس طریقہ کو دوسری سلطنتوں میں رواج دینے کے لئے بھی حقیقی کوشش کی ہے - اور اب تک اسے جو ترقی نصیب ہوئی ہے - وہ انہیں دو سلطنتوں کی کوشش کا نتیجہ ہے - اس طریقہ کو کس طرح مسلسل ترقی نصیب ہوئی ہے - وہ چند اعداد سے معلوم ہو سکتی ہے - ۱۸۲۰ء و ۱۸۴۰ء کے مابین آٹھ بین الاقوامی تنازعات ثالثی سے طے ہوئے تھے - ۱۸۴۰ء و ۱۸۶۰ء کے مابین ۴۴ معاملات طے ہوئے - اور ۱۸۸۰ء و ۱۹۰۰ء کے مابین ان کی تعداد نوے سے کم نہ تھی ؎

اس طرح جب ۱۸۹۹ء میں بین الاقوامی ثالثی کی مستقل عدالت ہیگ میں مقرر ہوئی - تو یہ محض وہمی السنٹی ٹیوشن نہیں تھا - پہلے ہی یہ ظاہر تھا - کہ اس عدالت کے لئے کافی کام ہوگا - اس میں شبہ نہیں کہ جن سوالات کا فیصلہ اس عدالت نے کیا ہے - ان میں اکثر بالکل خفیف تھے - جن کا نتیجہ کسی حالت میں جنگ نہیں ہو سکتا تھا - لیکن تمام معاملات کی ایسی صورت نہیں تھی - اور کم از کم اس سے یوروپین قوموں میں یہ عادت تو پیدا ہو رہی تھی - کہ معاملات

کے انفصال کے لئے لڑائی جھگڑے کی بہ نسبت صلح و امن کا طریقہ بہتر ہے ۔

اُنیسویں صدی کے ثالثانہ مقدمات میں سب سے زیادہ تعداد انگلستان کی ہے ۔ دوسرے درجہ پر امریکہ ہے ۔ اور تیسرا نمبر فرانس کا ہے ۔ اس فہرست میں جرمنی کا کہیں نام بھی نہیں ۔ جہاں تک مصنّف کو علم ہے ۔ جرمنی صرف ایک مقدمہ کا ایک فریق تھا جو برطانیہ کی تحریک پر عدالت میں پیش ہوا تھا اور یہ جنوب مغربی افریقہ کے ساحل پر کھاد کی ملکیت کے متعلق تھا ۔ جرمنی ثالثی میں نہیں ۔ بلکہ فولادی پنجہ میں بھروسہ رکھتا ہے ۔

اس سے بھی بڑا قدم ثالثی کے متعلق یہ ہے ۔ کہ دو قومیں کسی ایک واقعہ کو نہیں بلکہ اپنے اُن تمام تنازعات کو ثالثانہ عدالت پر چھوڑ دیں ۔ جو بہت زیادہ اہم نوعیت کی نہیں ہیں ۔ جن قوموں نے سب سے پہلے ایسا معاہدہ ۱۹۰۴ء میں کیا وہ برطانیہ اور فرانس تھے ۔ یہ دونو قومیں اس سے پہلے بہت سے چھوٹے چھوٹے اختلافات کا فیصلہ کرنے میں کامیاب ہو چکی تھیں ۔ جن کی وجہ سے اُن کے تعلقات میں کشیدگی آ کر دوستدارانہ تعلقات مشکل ہو رہے تھے اُنہوں نے ایسے معاملات کو آیندہ کے لئے بلا تصفیہ ہی نہیں چھوڑ دیا ۔ بلکہ فیصلہ کے لئے ہیگ کی عدالت میں پیش کر دیا ۔ اور اُس کے فیصلے کو بسر و چشم منظور کیا ۔

البتہ اہم قومی عزت و فوائد کے سوالات کو محفوظ رکھا گیا - اور کہا جا سکتا ہے - کہ اِس کے بعد معاہدہ کے کوئی معنے ہی نہیں رہتے - کیونکہ دونوں میں کوئی فریق ایک معاملہ پر بضد ہو سکتا ہے - کہ یہ اس کی عزت اور مفاد کے لحاظ سے اہم سوال ہے - اور اس طرح نہایت خفیف معاملات کو ہی ثالثی پر چھوڑا جا سکتا ہے - جن سے کہ جنگ کا کوئی اِحتمال نہ ہو - لیکن یہ سطحی خیال ہے - اِس دفعہ کے معنی اُس سپرٹ کے مطابق نکالے جا سکیں گے - جو کہ ایسے متنازعہ اُمور کے پیدا ہونے کے وقت اُن متعلقہ سلطنتوں میں موجود ہو - یا اُن کی دوستانہ تعلقات کے مطابق نکالے جائیں گے "

اگر طرفین احتمالِ جنگ کے وقت دل سے اور ایمانداری سے امن چاہتی ہیں - اور اگر دونوں کے تعلقات اُس وقت دوستانہ ہیں - تو وہ غیر ضروری مشکلات پیدا نہیں کریں گی - برطانیہ اور فرانس نے اِس معاہدہ کو منظور کر کے ثابت کر دیا - کہ وہ امن کے خواہشمند ہیں - اور ایک دوسرے کے متعلق اُن کی روش جس سے دونوں میں باہم غیر دوستدارانہ سپرٹ پیدا ہوتی ہے - اس کا باعث بہت سے خفیف اختلافات کی موجودگی ہے - جن میں سے ہر ایک بالکل ہیچ ہے - لیکن سب مل کر بڑا اشتعال پیدا کر دیتے ہیں - جس سے کسی بڑے اہم معاملہ پر شعلہ بھڑک اُٹھتا ہے - اِن تمام

خفیف بناء مخاصمت امور کو جب وہ پیدا ہوں۔ ثالثانہ عدالت کے لئے پیش کرنے کا معاہدہ اچھے خیالات پیدا کرنے کی بہترین تدبیر تھی۔ جس سے کہ آیندہ بڑے معاملات پیدا ہونے پر انہیں بھی ثالثانہ عدالت میں پیش کیا جانا ممکن ہو سکتا ہے۔ اِس بناء پر عزت و فوائد کے بڑے امور کو ثالثی سے مستثنیٰ رکھنا اُس سے بہت ہی خفیف اہمیت رکھتا ہے۔ جتنا کہ وہ ابتدا میں اہم معلوم ہوتا ہے۔ اور سنہ ۱۸۹۹ء کا عہد نامہ باہمی تعلقات میں نئے زمانہ کی آمد کا پیش خیمہ ہے *

مہذب دنیا اِس نئی تجویز کو خیر مقدم کہنے کے لئے کتنی تیار تھی۔ اُس کا اندازہ اِس بات سے ہو سکتا ہے۔ کہ اِس کے بعد کس غیر معمولی سرعت سے معاہدے ہو گئے۔ جو اِسی کے ڈھانچہ پر بنائے گئے تھے۔ اور سب سے مضبوط اور بالکل غیر مشروطہ ہونے کے سبب سب سے قابلِ ذکر عہد نامہ برطانیہ اور امریکہ کے مابین ہوُا ہے۔ جو کہ سنہ ۱۹۰۸ء میں مکمل ہوُا تھا۔ لیکن تقریباً تمام مہذب قوموں نے نئے طریقہ کو قبول کرنے میں جلدی کی ہے۔ سنہ ۱۹۰۴ء اور سنہ ۱۹۱۰ء کے مابین ایک سو سے زائد ثالثانہ معاہدے مختلف اقوام کے درمیان ہو چکے تھے۔ مستثنیٰ صرف ایک جرمنی تھا۔ جرمنی کے نزدیک یہ تمام تحریک ہی محض مکروہ جذبہ پرستی یا اِس سے بھی بری چیز ہے۔

جنرل برن ہارڈی کہتا ہے "امن پسندی کے ارادے شاذ و نادر اُن قوموں کے حقیقی ارادے ہوتے ہیں۔ جو اِس قسم کے عہد نامے کرتی ہیں۔ وہ عموماً امن کی ضرورت سے برقعہ کا کام لیتی ہیں۔ جن کے پردہ میں وہ اپنے پولٹیکل مقاصد کو پورا کرتی ہیں" اِس لئے اس کی رائے میں ثالثی کی تمام تحریک ہی صریحاً مکروہ مکاری کا نتیجہ ہے۔ اور اگر کوئی شخص اِسے سنجیدگی سے تسلیم کرتا ہے۔ تو یہ ہمت اور جرأت کی کمی کا نتیجہ ہے۔ جس سے کہ بہت سی مہذب قومیں کمزور اور بیجان ہو گئی ہیں"

باضابطہ ثالثی کا طریقہ جس میں فریقین نے بے تعلق منصف کے فیصلہ کو پہلے ہی منظور کر لیا ہے۔ صرف یہی اس بات کو ثابت نہیں کرتا۔ کہ مہذب دُنیا جہاں تک ممکن ہو۔ جنگ سے محترز رہنا چاہتی ہے۔ بلکہ اُنیسویں صدی میں بہت سی مثالیں مصالحت کی بھی ملتی ہیں۔ جبکہ ایک سلطنت ثالث کا فرض ادا کرنے کی کوشش بغیر دو سلطنتوں کے مابین جن کے تعلقات کشیدہ ہو گئے ہوں۔ درمیانی آدمی کا کام دیتی ہے۔ جنگ کے اِنسداد یا خاتمہ کے لئے مداخلت کا یہ طریقہ اُنیسویں صدی میں پہلے کی بہ نسبت بڑی افراط سے اِستعمال کیا گیا ہے۔ اور اِس کا خیر مقدم اور بھی افراط سے ہوا ہے۔ اس صدی میں اِس تجویز کی بدولت کم از کم پانچ مرتبہ جنگ ہوتے

ہوتے رُکی ہے - اور کم از کم ایک مرتبہ یہ طریقہ ایسے وقت پر صُلح قائم رکھنے میں کامیاب ہؤا ہے - جبکہ متعلقہ طاقتوں نے ثالثی کرانے سے اِنکار کر دیا تھا - یورپ نے اسے سب سے اچھا خیال کیا ہے - کیونکہ یورپ نے سب سے زیادہ اِس بات کو سمجھ لیا ہے - کہ جنگ ایک بُری چیز ہے - ۱۸۵۶ء میں جو طاقتیں پیرس کی کانگریس میں شامل ہوئیں - اُنہوں نے تو ایک با ضابطہ دستاویز کا مسودہ ہی لکھ لیا تھا - جس کا مدعا یہ تھا - کہ "جن سلطنتوں کے مابین کوئی غلط فہمی پیدا ہو اُنہیں ہتھیاروں کا سہارا لینے سے پہلے جہاں تک حالات اجازت دیں ایک دوستدار طاقت کی خدمات حاصل کرنی چاہئیں" یہ دستاویز برطانیہ کے نمائندے لارڈ کلیرنڈن Clarendon نے پیش کی تھی - اور اسے فرانس، آسٹریا روس - سارڈینیا اور ٹرکی نے دل سے منظور کیا تھا - جس اکیلی طاقت نے اسے قبول کرنے سے اِنکار کر دیا - وہ پرشیا کی طاقت تھی - جس نے کہ اس موقعہ پر جیسا کہ وہ بعد میں بھی کئی مرتبہ کر چکی ہے - ایک مہذب سلطنت ہونے کے باوجود اس بات سے نارضامندی ظاہر کی - کہ دنیا میں امن کو ترقی دینے کی ضرورت ہے *

(۴) غیر مُسلّح کرنے کی تجاویز

جرمنی کے سوا دنیا کی تمام مہذب قوموں نے فوج اور

سامانِ جنگ کے بے سُود اور مُسلسل بڑھتے ہوئے
بوجھ کو ناگوار سمجھا ہے - اور اس حقیقت کو سمجھ
لیا ہے - کہ اِس پہلو میں قوموں کے مجنونانہ مقابلے
سے بالآخر ساری قوموں کا دیوالہ نکل جائیگا - حالانکہ
اِس سے سوائے اسلحہ فروش کارخانوں کے اور کسی شخص
کو ذرا بھی فائدہ نہیں - اور متخاصمین جب اپنے سامان
کو ختم کر چکتے ہیں - تو آخر مقابلۃً اسی حالت میں باقی
رہ جاتے ہیں - جس میں کہ وہ ابتدا میں تھے -
اکیلے جرمنی کا یہ خیال ہے - کہ قوم کے تمام ذرایع کو
فوجی تیاریوں میں مرکوز کر دینا اچھی بات ہے - کیونکہ
یہ طاقت کے مسئلہ کا جزو ہے - پچھلے پچیس سال
میں تمام دنیا کے جنگی اخراجات میں جو مجنونانہ بیشی
ہوئی ہے - اس کا ذمہ دار جرمنی ہے - اور جس تمسخر
سے وہ اِس خرچ کو باہمی سمجھوتہ سے کم کرنے کی
ہر ایک تجویز کو نا منظور کر دیتا ہے - اُس کی وجہ
سے کوئی موثر کارروائی نہیں کی جا سکی - جو قوم تجویز
کرتی ہے - کہ روپیہ سوچ سمجھ کر خرچ کرنا چاہیئے -
وہ جدید جرمنی کی نظر میں خود ذلیل ہو جاتی ہے - اور
زوال پذیر - بے جگر اور بزدل سمجھی جاتی ہے ؎

روس جو عام طور پر جرمنی سے بھی زیادہ خوفناک جنگجو
طاقت سمجھی جاتی ہے - ۱۸۹۸ء میں اِس کے زار نے تمام
بڑی بڑی مہذب سلطنتوں سے اس سوال پر مشورہ اور
غور کرنے کی درخواست کی - کہ آیا آزادانہ بحث مباحثہ

کرکے عوام کو غیر مسلح کرنے یا کم از کم اسلحہ کی ایک تعداد مقرر کرنے کا فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔ جس شاہی مراسلہ کے ساتھ یہ پیغام بھیجا گیا تھا۔ اِس میں اُن برائیوں پر نہایت وزندار اور مدبرانہ تنقید کی گئی تھی۔ جو کہ اِس بیہودہ مقابلہ کی بدولت مہذب دنیا برداشت کر رہی ہے۔ عظیم مشرقی سلطنت کے مطلق العنان بادشاہ کا یہ بیان جسے اکثر جذباتی صلح پسند لوگ ایک قسم کا خفتہ خوف کہتے ہیں۔ بذاتہٖ ایسا دلکش ہے۔ کہ اُسے نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے ؛

"بڑھتی ہوئی ہتھیار بند سپاہ پر جو روپیہ صرف ہوتا ہے۔ اِس سے پبلک کی خوشحالی کے ذرائع کو بھی بہت صدمہ پہنچتا ہے۔ قوموں کی ذہنی اور طبعی طاقت۔ محنت اور سرمایہ کا بہت بڑا حصّہ اپنے قدرتی استعمال سے بدل کر بے سُود کام پر صرف کیا جاتا ہے۔ کروڑہا روپیہ تباہی کے خوفناک اسلحوں کی تیاری پر لُٹایا جاتا ہے۔ جو آج تو سائنس کی ترقی کا آخری نمونہ سمجھے جاتے ہیں۔ مگر کل بے قیمت و بے کار بن جاتے ہیں۔ کیونکہ اسی قسم کی بہتر چیزیں ایجاد ہو جاتی ہیں۔ اس طرح قومی تہذیب۔ تمدنی ترقی اور دولت کی پیداوار کی نشو و نما یا تو گھٹ جاتی ہے۔ یا قطعی رُک جاتی ہے ؛

علاوہ ازیں تناسب سے ہر ایک سلطنت کی مسلح سپاہ جتنی بڑھتی جاتی ہے۔ اُتنا ہی وہ اپنے حصولِ مدعا کو کم پورا کرتی ہے۔ اقتصادی بیچینی جو زیادہ تر مسلح سپاہ کی کثرت سے ظہور پذیر ہو رہی ہے۔ اور مسالۂ جنگ کی افراط سے جو متواتر خطرہ لگا رہتا ہے۔ وہ ہمارے زمانہ کی مسلح امن کو پیس دینے والا بوجھ بنا رہا ہے۔ جس کے برداشت کرنے میں لوگوں کو زیادہ سے زیادہ مشکل پیش آتی ہے۔ اِس لئے یہ صریح ظاہر ہے۔ کہ اگر اِس قسم کی حالت جاری رہی۔ تو یہ لامحالہ اُس تباہی کی طرف لے جائیگی۔ جس کے تدارک کی خواہش ہے۔ اور جس کی ہولناک نوعیت کے خیال سے ہی ہر ذی شعور کانپنے لگتا ہے"

جب زار کے دعوتی پیغام بھیجے گئے۔ تو لوگوں نے خیال کیا۔ کہ یہ غیر عملی اور خیالی چیز ہے۔ جس کے کوئی مفید نتائج نہیں نکل سکتے۔ جیسا کہ بہت سے لوگوں نے یہ بھی خیال کیا تھا۔ کہ بین الاقوامی جھگڑوں کا مصالحت سے تصفیہ ایک بے بنیاد خواب ہے۔ لیکن ذمہ دار مدبروں کا ایسا خیال نہیں تھا۔ اور جب ۱۸۹۹ء میں ہیگ کے مقام پر ۲۶ سلطنتوں کے نمائندے اکٹھے ہوئے۔ تو انہیں کامل اُمید تھی۔ کہ اگر تمام دولِ عظمےٰ کا مدعا صدقِ دل سے کام کرنے کا ہے۔ تو اصلی اور عملی نتائج ضرور حاصل ہونگے۔ بدقسمتی سے ایک طاقت ایسی تھی۔ جو اِس تمام تحریک کو کھلم کھلا نفرت کی نگاہ

سے دیکھتی تھی۔ اور جس کا خیال تھا۔ کہ اسلحہ کا اضافہ قوم کی جوانمردی کی دلیل ہے۔ اور جس کے ذی شعور بندے ایک عالمگیر جنگ کی تباہی سے کانپنے کی بجائے تمام شادمانی سے اُس کے منتظر تھے۔ یہ سلطنت جرمنی کی تھی۔ اور جرمنی کی روش نے کانفرنس کے لئے کسی خاص نتائج پر پہنچنا ناممکن کر دیا۔ اور اس نے مبہم طور پر رائے زنی کرنے پر اکتفا کیا۔ اور امید ظاہر کی۔ کہ علیحدہ علیحدہ طاقتیں اسلحہ کی تعداد گھٹانے کے لیئے باہمی معاہدے کر لیں گی ؎

دوسری طرف اس بارے میں ایک اور سلطنت نے انتہائی کوشش کی ہے۔ اور وہ یورپ کی بڑی سلطنتوں میں برطانیہ کی سلطنت ہے۔ جس کی فوجی تیاریاں صریحاً اور ظاہرا طور پر صرف حفاظتِ خود داری کے مقاصد کے لئے مخصوص ہیں۔ اُس کی مختصر سی فوج جو پہلے شاہی خدمت کے لئے مرتب کی گئی تھی۔ یوروپین سلطنتوں کے جمِّ غفیر پر حملہ کرنے کے بالکل ناقابل ہے۔ اور اب چونکہ انگلستان کو یوروپین جنگ میں دھکیل دیا گیا ہے۔ اِس لئے وہ نئی فوج بھرتی کرنے پر مجبور ہوا ہے۔ تاکہ وہ اپنا فرض بخوبی انجام دے سکے۔ اس کی عظیم بحری طاقت اُس کے اپنے ہی ساحلوں کی حفاظت اور تجارتی شاہراہوں کو جن پر اُس کی زندگی کا مدار ہے کھُلا رکھنے کے لئے کافی ہے تو بھی برطانیہ نے ہیگ کانفرنس کے منشا کے مطابق

عمل کرنے کی انتہائی کوشش کی ہے۔ ۱۹۰۶ء و ۱۹۰۸ء
کے درمیان اُس نے ایماندارانہ کوشش کی۔ کہ وہ جرمنی
کے ساتھ عہد و پیمان کرے جو اُسے دھمکاتا رہتا تھا
اُس نے تجویز کیا۔ کہ مل کر بحری تعمیرات کے اخراجات
کی تخفیف کر لی جائے۔ اور اپنے مقصد کی سچائی کی
شہادت کے لئے اِس معاہدہ کی تکمیل کا انتظار کئے
بغیر ہی اپنا بحری پروگرام دو سال کے اندر اِتنا مختصر
کر لیا۔ کہ بہت سے لوگوں کی رائے میں اپنی حفاظت
کو معرضِ خطر میں ڈال دیا۔ اِنگلستان کی تجویز کا جواب
جرمنی نے یہ دِیا۔ کہ وہ اپنی بحری تجاویز میں اضافہ
کرے گا۔ لیکن سلطنت برطانیہ اِس سے بھی نہیں
گھبرائی۔ اور بدستور یکے بعد دیگرے تجاویز پیش کر
کے جرمنی کو معقول روش اختیار کرانے کی کوشش
کرتی رہی ہے۔ جس کا یہ نتیجہ ہؤا۔ کہ جرمنی نے یقین
کر لیا۔ کہ برطانیہ ایک رُو بہ تنزل اور کمزور سلطنت ہے
اور آنے والے مخصوص دن کی تیاریوں کے لئے اس
کی جُرات بڑھ گئی ؞

(۵) اِنسانیت سے جنگ کرنے کے ضابطہ کی تیاری۔

اگر یورپ کے لئے جنگ کو مٹا دینا ناممکن تھا۔

تو انیسویں صدی میں وہ کم از کم اِس بات میں ضرور کامیاب ہوا ہے ۔ کہ جنگ کی بُرائیوں کو اِنتہائی درجہ تک کم کر دے ؎

پیشتر اِس کے کہ کوئی سنجیدہ کوشش اِس بارہ میں کی جائے ۔ کہ خاص اور صریح ضوابط وضع کئے جائیں اور مختلف سلطنتوں سے ان کی منظوری حاصل کی جائے ۔ یوروپین سلطنتوں نے محض اخلاقی روش کے ساتھ ہی اِس بات کو سیکھ لیا تھا ۔ کہ رعایا کے اُن افراد کو جنگ کی سختیوں سے محفوظ رکھا جائے ۔ جو شریک جنگ نہ ہوں ۔ اور اٹھارہویں صدی کے بین الاقوامی مُقنن وٹیل Vattel کو یہ کہنے کی جرأت ہوئی تھی ۔ کہ یہ عمل یورپ کی سلطنتوں میں دستور پا گیا ہے ۔ کہ محض فوجیں ہی جنگ کرتی ہیں ۔ اور ملک کا باقی حِصّہ امن کی حالت میں رہتا ہے +

بالعموم موجودہ فوجوں کو اِس بات کا فخر رہا ہے کہ وہ جِس ملک سے گذرتی ہیں ۔ اُسے حتے الوسع بہت ہی کم نقصان پہنچاتی ہیں ۔ اور ایک سو سال گذرے ۔ ولنگٹن Wellington نے اِس بات پر نفرت کا اظہار کیا تھا ۔ کہ یورپ کی افواج میں صرف پرشیا کی فوج ہے ۔ جو کہ جہاں سے گذرتی ہے ۔ تباہی کا نشان چھوڑ جاتی ہے ۔ اور در حقیقت تمام سلطنتوں میں پرشیا نے ہی جنگ کی روش میں وحشیانہ قواعد پر عمل کیا ہے ۔ اور پرشیا کے بسمارک نے ہی کہا تھا ۔ کہ "فاتح فوج

کا یہ فرض ہے۔ کہ مفتوحہ لوگوں کے پاس رونے کے لئے آنکھوں کے سوا اور کچھ باقی نہ رہنے دے"۔
اور بیسویں صدی میں پرشیا کے شہنشاہ ولیم ثانی نے اپنے سپاہیوں کو تاکید کی تھی۔ کہ "جن لوگوں کو سزا دینے کے لئے انہیں بھیجا گیا ہے۔ اُن میں اپنی دہشت کا سکہ بٹھا دیں۔ اور اٹیلا اور اُس کے سپاہی ہنز کا نام تازہ کر دیں" +

لیکن جنگ میں انسانیت کو ملحوظ رکھنے کے لئے مہذب دنیا کا مطالبہ ایسا صادق اور پختہ رہا ہے۔ کہ جبر و تعدی کی مذکورہ بالا حرکات کو جوشیلی تقریر سے زیادہ وقعت نہیں دی گئی۔ ۱۹۱۴ء کی جنگ سے پہلے یہ یقین تھا۔ کہ اس ہمہ گیر رو میں جرمنی بھی شامل ہو گیا ہے۔ کیونکہ اُس نے جنگ کی روش کے متعلق کانفرنس کے احکام کے اُس قابلِ ذکر سلسلے کو باضابطہ طور پر منظور و قبول کر لیا تھا۔ جنہوں نے گذشتہ سو سال کے دوران میں نہ صرف بقول وٹیل کے اُن روایات کو محدود شکل دی ہے۔ بلکہ وسعت بھی دی ہے +

گذشتہ صدی کے دوران میں جنگ کو آئین میں لانے کے متعلق دول یورپ میں بہت سے باہمی معاہدے اور عہد و پیمان ہو چکے ہیں۔ ۱۸۵۶ء میں پیرس کے مقام پر جہاز لوٹنا ممنوع قرار دیا گیا تھا۔ اور غیر جانبدار تجارت کی حفاظت کے لئے بہت سے ضوابط

مُرتّب کیے گئے تھے ۔ ۱۸۶۴ء میں جنیوا کے مقام پر مجروحوں اور اُن کے نگرانوں کی حفاظت کے لیے ایک ضابطہ بنایا گیا تھا ۔ ۱۸۶۸ء میں سینٹ پیٹرز برگ کے مقام پر پہلی مرتبہ قرار دیا گیا ۔ کہ جنگ میں غیر ضروری طور پر خوفناک اسلحہ کا استعمال نہ ہو لیکن یہ سب کچھ ۱۸۹۹ء اور ۱۹۰۷ء کی ہیگ کی کانفرنسوں کی اس قابلِ ذکر کارروائی میں پایۂ تکمیل کو پہنچا جس کی رُو سے با ضابطہ قواعد جنگ کی ہر ایک حالت کے لئے مرتّب کیے گئے ۔ اور دنیا کی ہر ایک مہذب سلطنت نے انہیں منظور کیا تھا ۔

اس ضابطہ کی ہدایات کو جب سے کہ وہ وضع ہوئی ہیں ۔ ہر ایک لڑائی میں عزت کی نظر سے دیکھا گیا ۔ اور نیم وحشی قوموں کو بھی اُن کے ملحوظ رکھنے کا فخر رہا ہے ۔ یہ بات جرمنی کے لئے مخصوص تھی ۔ کہ وہ اُن قوانین کو نظر انداز کر دے جو اُس کی سہولت میں مخل ہوں ۔ اور غیر جنگجو رعایا کے خلاف دیدہ دانستہ ہولناک طریقہ سے جنگ کرنے کی وحشیانہ روش اختیار کرے ۔ ہم یہ بتلا چکے ہیں ۔ کہ جن قوانین کو جرمنی نے منظور کیا تھا ۔ ان کی اس نے کس طرح لگاتار خلاف ورزی کی ہے ۔ اور یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ اُس نے اِس قانون کی بھی پرواہ نہیں کی ۔ جو اٹھارہویں صدی میں بھی احترام کی نظروں سے دیکھا جاتا تھا ۔ اور جس کا مقصد یہ تھا ۔ کہ جنگجو اقوام کی صرف

فوجیں ہی لڑیں۔ اور باقی رعایا امن و امان سے رہے۔ بلجیم کے لکھوکھا باشندے جرمنی کے وحشی سپاہیوں کے نزدیک رہنے کی بنسبت انگلستان اور ہالینڈ میں خیرات پر گذارہ کرنا بہتر سمجھتے ہیں۔ زمانۂ حال کی تواریخ میں بلجیم کے باشندوں کی نقل مکانی کی نظیر نہیں ملتی۔ کیونکہ جرمنوں کا طریقۂ جنگ بھی اپنی کوئی نظیر نہیں رکھتا۔

۱۹۰۷ء میں ضوابط ہیگ کو کم از کم ۴۴ سلطنتوں کے نمائندوں نے مرتب و منظور کیا تھا۔ یہ حوصلہ شکن بات ہے۔ کہ اُن ریاستوں میں سے جو جنگ میں شریک نہیں تھیں۔ کسی ایک نے بھی اِن ضوابط کی خلاف ورزی کی مخالفت نہیں کی۔ اگر غیر جانبدار ریاستوں نے یا اُن میں سے ایک مثلاً امریکہ نے بلجیم پر مظالم ہونے کے بعد باضابطہ اِظہار ناراضگی کیا ہوتا۔ اور ضوابط کو ملحوظ رکھنے پر زور دیا ہوتا۔ تو یہ امر یقینی تھا۔ کہ جرمنی مجبور ہو جاتا۔ اور اگر غیر جانبدار طاقتیں یہ ظاہر کر دیتیں۔ کہ اُن کے اِظہار ناراضگی کو سنجیدگی سے دیکھا جانا چاہیئے۔ تو جرمنی کو ضرور ہوش آ جاتا۔ پس ظاہر ہے۔ کہ بلجیم کے بعد کے مظالم کے لیے جرمنی کے ساتھ غیر جانبدار سلطنتیں بھی ذمہ دار ہیں۔

جو کچھ اُوپر لکھا گیا ہے۔ اُس میں ایک قابلِ ذکر اور ہمہ گیر واقعہ پر مختصر اور سرسری طور پر نظر بازگشت کی گئی ہے۔ لیکن وہ یہ ظاہر کرنے

کے لئے کافی ہے۔ کہ مہذب دُنیا نے ایسے معراج کو پسند کیا ہے۔ جو جرمنی کے مسئلۂ طاقت سے بالکل مختلف ہے۔ اور اس کے حاصل کرنے میں اُس نے حقیقی ترقی کی ہے۔ دول یورپ کے اتحاد نے اگرچہ اُس کے محرکوں کی پھڑکتی ہوئی امیدوں کو سو سال کے اندر پورا نہیں کیا۔ تاہم وہ ایک ٹھوس اور عملی چیز ہے۔ اور اُسے بارہا ایسے وقت میں اِستعمال کیا گیا ہے۔ جبکہ جنگ اٹل معلوم ہوتی تھی۔ چھوٹی چھوٹی ریاستوں کا جتھا اِس قابل ہو گیا ہے۔ کہ یورپ مشترکہ طور پر اُس کی حفاظت کرے۔ اور دُنیا نے اس کی قدر و قیمت سمجھ لی ہے۔ ثالثی سے بین الاقوامی تنازعوں کا فیصلہ کرنے کا دستور بہت ترقی پکڑ گیا ہے۔ اور تقریباً تمام سلطنتوں نے عہد و پیمان کیا ہوا ہے۔ کہ وہ باہمی لڑائی جھگڑے کے طریقوں کو جب کبھی ممکن ہو گا۔ اِسی کے ذریعہ مٹائیں گی۔ دنیا نے بین الاقوامی تنازعات کے تصفیہ کے لئے ایک مستقل عدالت کے قیام کا خیر مقدم کیا ہے۔ جس کی طاقت دول عظمےٰ کی منظوری پر منحصر ہو۔ اور جہاں ایسی ثالثی ناممکن بھی ہوئی ہے۔ وہاں بھی تمام سلطنتیں غیر جانبدار سلطنتوں کی دخل دہی کو ناپسند کرنے کی بجائے پسند کرتی ہیں۔ ایک کے سوا تمام سلطنتوں نے مان لیا ہے۔ کہ مسلح فوج میں اضافہ کرنا خلافِ تہذیب ہے۔ اور

اسے محدود کر دینا اچھا ہے۔ آخر یہ امر کہ تمام مہذب دنیا کی فہم عامہ اس بات کو تسلیم کرتی ہے کہ جنگ اگر بالکل نہیں رک سکتی۔ تو اُسے ایسے ڈھنگ پر کیا جائے۔ جو کم سے کم تکلیف کا موجب ہو۔ یہ قابلِ غور ترقیاں ہیں۔ اور بحیثیت مجموعی یہ ظاہر کرتی ہیں ہ کہ زمانہ حال کی تہذیب نے نہایت عظیم الشان اخلاقی ترقی حاصل کی ہے۔ کیونکہ ان سے اُس زمانہ کی بنیاد پڑ گئی ہے۔ جبکہ قومیں بھی افراد کی طرح یہ سمجھنے لگیں گی۔ کہ اُن پر کوئی خاص اخلاقی قانون عائد ہوتا ہے ؛

اِس تمام ترقی کا اِنحصار عہد و پیمان کے اُس سلسلہ پر قائم ہے۔ جس میں دنیا کی تمام مہذب قومیں شامل رہی ہیں۔ اور اِس سے یہ بات بڑھتے ہوئے اعتماد کے ساتھ ممکن ہو گئی ہے۔ کہ مہذب قومیں اپنے عہد و پیمان کے احترام کو ملحوظ رکھیں گی۔ معاہدوں کے تقدس کا یقین مہذب دنیا کے اخلاق کا ایک جزو ہے۔ اور ترقی اِسی کی بنیاد ہے۔ اور یہ یقین ایسا پھیلا ہوا ہے۔ کہ سلطنتیں ایک دوسری کے ساتھ اعتماد سے عہد و پیمان کر لیتی ہیں۔ اور کاغذ کے ان پُرزوں کے تقدس کو برقرار رکھنے کے لئے اپنے بہترین فوائد کو معرضِ خطر میں ڈال دینا پسند کرتی ہیں۔ ۱۸۷۱ء میں سلطنتوں کی ایک کانگریس نے صاف فیصلہ کر دیا ہے۔ کہ کوئی طاقت معاہدہ کی شرائط

سے اپنے آپ کو آزاد نہیں کر سکتی نہ ہی اُس کے قوانین میں ردّ و بدل کر سکتی ہے۔ جب تک کہ متعلقہ سلطنتوں نے باہمی فیصلہ کے بعد اس بات کی صلاح نہ دی ہو۔ اور یہ بات غور کرنے کے قابل ہے۔ کہ جرمنی بھی اِس معاہدہ میں شامل تھا ٭

بین الاقوامی تعلقات کے متعلق گویا مذکورہ قوانین ایک ضابطہ ہے۔ جس کی نسبت کہا جا سکتا ہے۔ کہ جرمنی کے سوا اُسے تمام دنیا تسلیم کرتی ہے ٭

غیر جرمن دنیا یقین کرتی ہے۔ کہ سلطنتوں کے مابین اِنصاف کا یہ تقاضا ہے۔ کہ اگر کوئی قوم مادی ترقی کے لئے اپنی حدود کو بڑھانا چاہے۔ تو اُس کی خواہش کو روکا جائے۔ جرمنی کا یہ یقین ہے۔ کہ کسی سلطنت کا اپنی طاقت کو وسعت دینا اُس کا سب سے بڑا اخلاقی فرض ہے۔ خواہ اِس میں دوسری ریاستوں کی حق تلفی ہی ہوتی ہو۔

غیر جرمن دنیا کا یقین ہے۔ کہ سلطنتوں کا ایک مشترکہ قانون تسلیم کرانے کے لئے اگر پولیس کی طاقت موجود نہ ہو۔ تو بھی بڑی بڑی سلطنتوں کا ایک جتھا باہمی مصالحت اور معقول بحث و مباحثہ کے ذریعہ مشترکہ حقوق کو برقرار رکھ سکتا ہے اور رکھتا ہے۔ برعکس اِس کے جرمنی کا خیال ہے۔ کہ ایسا طریقہ ایک بزدلانہ اور کمزور فعل ہے ٭

غیر جرمن دنیا چاہتی ہے۔ کہ چھوٹی ریاستوں کو

برقرار اور محفوظ حالت میں دیکھے - جرمنی کا یقین ہے - کہ بڑے پڑوسیوں کو انہیں ہڑپ کر جانا چاہیئے ٭

غیر جرمن دنیا جنگ کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتی ہے اور اسے تمام عملی طریقوں سے گھٹانا چاہتی ہے - اور خیال کرتی ہے :- کہ تہذیب کی ترقی کے ساتھ ہی جنگ وجدل ویسے ہی بند ہو جانا چاہیئے - جیسے کہ قدیم وحشیانہ جماعتوں میں بھی باہمی خونریزی بند ہو گئی ہے - لیکن جرمنی جنگ کو اعلےٰ درجہ کی سیاست تصور کرتا ہے - اور اسے بند کرنے کی کوشش کو مکر اور بزدلی سمجھتا ہے ٭

غیر جرمن دنیا کا صدیوں سے یقین ہے - کہ جنگ جب تک جاری رہے ۔ ایسے طریقوں سے کی جائے - جو نہایت ہی رحم اور انسانیت پر مبنی ہوں - جرمنی دہشت ناک طریقوں میں یقین رکھتا ہے اور سمجھتا ہے - کہ ہنز مسسلر کے طریقے قابلِ تقلید ہیں ٭

غیر جرمن دنیا معاہدوں کو مقدس سمجھتی ہے - اور اُس کا یقین ہے - کہ معاہدوں کا تقدس بین الاقوامی اخلاق کی بنیاد ہے - جس طرح اقرار ناموں کا احترام افرادی اخلاق کی بنیاد ہے - جرمنی کا خیال ہے - کہ بین الاقوامی اخلاق کوئی چیز نہیں ہے - اور اس کا اُسی وقت تک لحاظ رکھنا چاہیئے - جب تک کہ وہ ذاتی سہولیت کا موجب ہو ٭

اِن اعتقادات کا تضاد ایسا بنیادی ہے - کہ

دُنیا کی تاریخ میں اِس کی نظیر نہیں ملتی۔ اور ۱۹۱۴ء کی جنگ نے اِسی تضاد کا فیصلہ کرنا ہے۔ غیر جرمن دنیا کے عقائد و اصول جنہیں ہم اوپر بیان کر آئے ہیں۔ اُن کا تحفظ اب روس۔ فرانس اور برطانیہ پر آ پڑا ہے۔ دوسری ریاستیں بھی ان غیر جرمن خیالات کی ترقی میں حِصّہ لینے پر فخر کرتی ہیں۔ مگر وہ ان کی حفاظت کی عزّت میں شامل ہونے کے لئے ابھی تک تیار نہیں ہیں۔ تاہم اِن تینوں کی طرح ہی اُن کے لئے بھی یہ زندگی اور موت کا سوال ہے۔ کیونکہ یہ عزّت و۔ بے عزّتی۔ قانون پر مبنی آزادی اور وحشیانہ طاقت پر مبنی ظلم۔ تہذیب کے اخلاق اور وحشت کے اخلاق کے مابین کشمکش ہے۔ اور یہ ایک ایسا معاملہ ہے۔ جس سے کوئی اِنسان اور سلطنت لا پرواہ نہیں ہو سکتی؛